الأسماء الحسنى

ادارہ معارفِ اسلامی

یہ ادارہ، اسلامی علوم ومعارف کی تحقیق وتصنیف اور اشاعت وترویج کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دورِ حاضر کے عظیم مفکر اور قائد تحریکِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور میں ادارہ معارف اسلامی کے دونوں مراکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے حسب ذیل مقاصد کے لیے کوشاں ہیں:

- تحقیق اور علمی جستجو کے بعد اسلامی تعلیمات کو جدید ترین اسلوب اظہار کے ذریعے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں تلاش کرنا۔
- علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح وتوضیح اور اشاعت، اسی طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی ممکن بنانا۔
- عالم اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔
- اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علما کے نمایاں کارناموں کی دنیا کی اہم زبانوں بالخصوص اردو، عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں تراجم اور اشاعت کا انتظام کرنا۔
- عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب وتمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔
- تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظام تعلیم کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مرتب عبدالوکیل علوی

ادارہ معارفِ اسلامی

نام کتاب	اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی
افادات	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
ترتیب وتدوین	مولانا عبدالوکیل علوی
اشاعت اوّل	مئی 1987ء
اشاعت پنجم	اگست 2010ء
اشاعت ششم	اپریل 2014ء
اشاعت ہفتم	مارچ 2015ء (1100)
مطبع	کرسٹل آرٹ 0336-4693871-3
صفحات	360
قیمت	-/325 روپے

باہتمام:

ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790

Ph: 042-35252476,35419520-4, Fax:042-35252194

E-mail: imislami1979@gmail.com, http://www.imislami.org

تقسیم کنندہ:

مکتبہ معارف اسلامی

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔

فون: 042-35419520-4,35252419

فہرست مضامین

پیش لفظ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا شمار عصر حاضر کے ان نمایاں مصلحین میں ہوتا ہے جنھوں نے انفرادی واجتماعی سطح پر اصلاح معاشرہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ مولانا موصوف کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے فرد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ فریضۂ اقامت دین کو بھی اُجاگر کیا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ضروریات، مشکلات اور محدودیت کو ہر معاملے میں ملحوظ رکھا ہے۔ بندہ محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ غنی، قادرِ مطلق اور مختارِ کل۔ بندے کو اللہ نے خود یہ بات سکھائی ہے کہ وہ ہر مشکل میں اپنے خالق و مالک کی نصرت و مدد طلب کرے۔ اللہ کے پاکیزہ ناموں کا تذکرہ قرآن وحدیث میں کثرت سے آیا ہے۔ ان کو الاسماء الحسنیٰ کہا گیا ہے۔ ان ناموں کے معانی بھی بندۂ مومن کو دل میں بٹھانے چاہییں اور ان کا ورد بھی ہر وقت کرتے رہنا چاہیے۔

قرآن مجید میں اسماء ربانی کا یہ تذکرہ ایک عظیم خزانہ ہے۔ فرد کی اصلاح کے لیے عبادات اور ذکرو اذکار کو مولانا مودودیؒ نے تعلق باللہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور مختلف مواقع پر اس کی اہمیت کو اپنے دلنشین انداز میں بیان کیا ہے، جس کی ایک جھلک ہمارے ادارے کی کتاب ''الاسماء الحسنیٰ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ہماری زیر نظر کتاب الاسماء الحسنیٰ ہمارے ادارے کے سینئر ریسرچ سکالر مولانا عبدالوکیل علوی حفظ اللہ نے تفہیم القرآن میں مولانا مودودی کے بیان کردہ تفسیری حاشیوں کی روشنی میں مرتب کی ہے۔ کتاب مقبولِ خاص و عام ہے۔ اس سے قبل اس کے چھے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ساتواں ایڈیشن کمپیوٹر کتابت کے ساتھ شایع کیا جارہا ہے۔ ہمارے ادارے کے رفقاء نے اس کی صحت اور خوشنمائی کے لیے بڑی محنت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائیں۔ امید ہے قارئین مشینی کتابت کے ساتھ ہماری اس پیش کش کو پسند فرمائیں گے۔

حافظ محمد ادریس

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی

منصورہ، لاہور

۲۴ رفروری ۲۰۱۵ء

کچھ اسمائے حُسنیٰ کے بارے میں

اسمائے الٰہی کو قرآن مجید میں اسمائے حُسنیٰ سے بیان کیا گیا ہے جس کے معنی بہترین اور خوب ترین ہیں۔ اسمائے باری تعالیٰ کو حُسنیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان ناموں پر جس پہلو سے غور کیا جائے خواہ علم و دانش کی رُو سے اور خواہ قلبی احساسات و جذبات کے اعتبار سے یہ سراپا عمدگی ہی عمدگی اور حسن ہی حسن نظر آتے ہیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے اسمِ ذاتی یعنی اللہ کے علاوہ اسے جس نام سے بھی پکاریں گے وہ اچھا، محبوب اور دل کو دولتِ اطمینان سے مالا مال کرنے والا ہوگا۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ کہہ دیجیے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جیسے بھی پکارو گے اس کے بہر صورت اچھے ہی نام ہیں۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۸۰ میں ارشادِ ربانی ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ اللہ تعالیٰ کے سب ہی نام اچھے ہیں لہٰذا اُسے انھی ناموں سے پکارو۔ سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۸ میں ارشاد ہے: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں، اس کے سب نام اچھے ہیں۔

انسانی فطرت و جبلت کسی چیز کے ذاتی نام کے باوجود اپنی قلبی واردات کے اظہار کے لیے اس کے مختلف نام تجویز کرتی ہے۔ ایسے ہی ناموں کو اسمائے صفاتی کہتے ہیں۔ اللہ عزوجل کے ذاتی اسم مبارک کے علاوہ ایسے نام بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اور کمال و دوام کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان جب دُکھ سُکھ میں اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرتا ہے تو اپنی حالت و کیفیت کے اعتبار سے اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ایسا نام زبان پر لاتا ہے جو اس کی دلی کیفیت کے بالکل مناسبِ حال ہوتا ہے۔ ایک تنگ دست و نادار انسان اللہ کے صفاتی نام الرَّزَّاقُ کو زبان پر لائے گا، وہ جانتا ہے کہ اس ذاتِ گرامی کے علاوہ رزاق اور کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک بیمار انسان اس کی صفت شفا و رحمت کا واسطہ دے کر کہے گا کہ وہی شافی الامراض ہے۔

قرآن مجید میں جتنے بھی اسمائے الٰہی وارد ہوئے ہیں سب کے سب توقیفی ہیں۔ یعنی کسی انسان

کے تجویز کردہ نہیں بلکہ خود اللہ عز وجل نے ارشاد فرمائے ہیں اور ہر اسم موقع و محل اور حالات و ظروف کی مناسبت سے بیان فرمایا ہے۔ اسمائے الٰہی میں اپنی جانب سے یا اپنی عقل و خرد اور ذوق سے اضافہ درست نہیں۔ قرآن مجید نے اسمائے الٰہی میں الحاد یعنی کج روی سے روکا ہے۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۸۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيٓ أَسْمَآئِهِۦ ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اسمائے الٰہی میں الحاد یعنی کج روی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا نام تجویز کرنا جس سے کفر اور شرک کی بُو آتی ہو اور اس کی شانِ کمال اور محمودیت کی نفی ہوتی ہو کج روی کے زمرے میں آتا ہے۔

اسمائے حُسنیٰ کی تعداد عام خیال کے مطابق ایک کم سو یعنی ننانوے (۹۹) ہے۔ مختلف روایات میں ناموں کی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے۔ **مستدرک حاکم** نے ایک روایت میں جو اسمائے حسنیٰ نقل کیے ہیں دوسری روایت میں ان میں کچھ اور ناموں کا اضافہ کر دیا ہے۔ اسی طرح ترمذی اور ابن ماجہ نے جو روایات بیان کی ہیں اُن میں بھی کمی وبیشی پائی جاتی ہے۔ اس کمی وبیشی کو ہم نے متعدد کتابوں کی مدد سے واضح کر دیا ہے۔ اس کتاب میں سو سے اوپر اسما کی تشریح اس طرح کی ہے کہ کوئی نام رہ نہ جائے۔

ان اسما کی ترتیب بالعموم اس طرح ملحوظ رکھی ہے کہ سورۂ حشر کی آیات ۲۲ تا ۲۴ میں مذکور اسما ابتدا میں رکھے جاتے ہیں۔ اسی ترتیب کو ہم نے بھی ترجیح دی ہے۔ البتہ اس کے بعد ایسے اسما جو دو دو کے مجموعہ میں منقسم ہو جاتے ہیں ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ہی رکھا ہے۔ علامہ ابن حزم نے اس ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اور ہم نے بھی ابن حزم کی ترتیب کا ہی زیادہ خیال رکھا ہے۔

جہاں تک تشریحی مواد کا تعلق ہے وہ **تفہیم القرآن** اور مولانا کی دیگر کتب سے لیا گیا ہے۔ یہ لوازمہ دراصل **تفہیم الاحادیث** کی جلد اول کے باب اول کا ایک حصہ ہے۔ اصل کتاب میں اگرچہ یہ ایک فصل کے تحت آ رہا ہے، مگر اس کی افادیت کے پیش نظر اسے الگ کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ رب کائنات سے دعا ہے کہ اسے مولانا محترم کے لیے بلندیٔ درجات کا، قارئین کے لیے صحیح رہنمائی کا اور ہمارے لیے فلاح اخروی کا موجب بنائے۔ آمین

خاکسار و نیاز کیش

عبدالوکیل علوی

رکن ادارہ معارف اسلامی، منصورہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج

(بنی اسرائیل:۱۱۰)

کہہ دیجیے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جیسے بھی پکارو گے اس کے بہر صورت اچھے ہی نام ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَسْمَاءِ حُسْنٰی

حدیث میں (اللہ تعالیٰ کے) ۹۹ نام (اسمائے حسنیٰ) گنائے گئے ہیں جنھیں ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بالتفصیل نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اُن ناموں سے یاد کیا جائے جو اس کے لائق ہیں اور ایسے نام اُس کی ذاتِ برتر کے لیے استعمال نہ کیے جائیں جو اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے اُس کے لیے موزوں نہیں ہیں، یا جن میں اس کے لیے نقص یا گستاخی یا شرک کا کوئی پہلو نکلتا ہے، یا جن میں اُس کی ذات یا صفات یا افعال کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اس غرض کے لیے محفوظ ترین صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہی نام استعمال کیے جائیں جو اس نے خود قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں، یا جو دوسری زبان میں اُن کا صحیح ترجمہ ہوں۔ [1]

---

[1] حدیث میں اُس ذات پاک کے ۹۹ نام گنائے گئے ہیں جنھیں ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بالتفصیل نقل کیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اگر آدمی ان اسماء کو بغور پڑھے تو وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کی کسی دوسری زبان میں اگر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہو تو کون سے الفاظ اس کے لیے موزوں ہوں گے۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۱۷، سورۃ الحشر حاشیہ ۳۶)

قرآن مجید کی سورہ الاسراء آیت ۱۱۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ

اے نبیؐ، ان سے کہو، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔

سورۂ طٰہٰ آیت ۸ میں ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ○

وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اللہ (تعالیٰ) کے لیے مخلوقات کے سے نام، یا مخلوقات کے لیے اللہ کے ناموں جیسے نام استعمال نہ کیے جائیں اور اگر کچھ صفاتی نام ایسے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ بندوں کے لیے

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) سورۂ حشر آیت ۲۴ میں ارشاد الٰہی ہے:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ

وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا اور اس کے لیے بہترین نام ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ اَحْصَيْنَاهُ وَحَفِظْنَاهُ

(بخاری، کتاب التوحید، ج ۲، ص ۱۰۹۹۔ باب ان للہ ماتہ اسم الا واحداً)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ یعنی ایک کم سو۔ جس نے ان کو شمار کیا، (یعنی اس کا باقاعدہ ورد کیا) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (اس لیے) ہم نے ان کو شمار کرکے یاد کرلیا ہے۔

امام بخاریؒ نے ج ۲ ص ۹۴۹ پر اس روایت کو نقل کیا ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا. لَا يَحْفَظُهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مَنْ اَحْصَاهَا وَمَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ

(بخاری کتاب الدعوات، ج ۲، ص ۹۴۹۔ باب للہ تعالیٰ ماتہ اسم غیر واحد)

"حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کے ننانوے نام ہیں (ایک کم سو)۔ نہیں یاد کرتا ان کو کوئی مگر وہ جنت میں داخل ہوگیا، کیونکہ اللہ ایک (طاق) ہے اور وتر (طاق) ہی اسے پسند ہے۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں جو ان کو شمار اور یاد کرلے گا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

امام بخاریؒ نے ج ۲ ص ۹۴۹ پر ایک اور روایت کو بھی نقل کیا ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ اِسْمٍ غَيْرَ اِسْمٍ مَنْ دَعَا بِهَا اِسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاللّٰهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ.

(ابن مردویہ عن ابی ہریرہ بحوالہ کنز العمال ج ۱، ص ۴۴۸)

(بخاری، کتاب الدعوات، ج ۲، ص ۹۴۹ باب للہ تعالیٰ مائۃ اسم غیر واحد)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بھی ان کا استعمال جائز ہے، مثلاً رؤف، رحیم، کریم، عالم، غنی وغیرہ تو ان میں یہ احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے کہ بندے کے لیے ان کا استعمال اس طریقے پر نہ ہو جس طرح اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام...... ایک کم سو...... ہیں۔ نہیں یاد کرتا ان کو کوئی مگر وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خود وتر (طاق) ہے اور وتر ہی اسے پسند ہے۔

مسلم نے (کتاب الذکر و الدعا الخ) میں بخاری والی پہلی روایت بیان کی ہے مگر انھوں نے اَحْصَيْنَاهُ وَحَفِظْنَاهُ کا ذکر نہیں کیا۔

دوسری روایت بایں الفاظ نقل کی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اِسْمًا مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. وَاللهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ

(مسلم کتاب الذکر والدعا الخ ج۲ ص۳۴۲۔ باب فی اسماء اللہ تعالیٰ و فضل من احصاھا (المصنف عبدالرزاق ج۱ ص۲۴۶)

حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جس نے ان کو حفظ کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اور اللہ وتر (طاق ہے) اور طاق اسے پسند ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْعَنْبَرِيُّ، ثَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْعَبْدِيُّ ثَنَا مُوسَى بْنُ أَيُّوبَ النَّصِيبِيُّ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ إِسْحٰقَ الْفَقِيهُ أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْوَلِيدِ الْكَرَابِيسِيُّ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ. ثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اِسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدَةً مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ إِنَّهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ.

المستدرک حاکم میں اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل ننانوے نام بیان کیے گئے ہیں۔

هُوَ اللهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ

الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ

الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

اللہ (تعالیٰ) کا نام ادب اور احترام کے ساتھ لیا جائے کسی ایسے طریقے پر یا ایسی حالت میں نہ لیا

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ
الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْغَفُوْرُ الْحَلِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ
الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُغِيْثُ [وَقَالَ صَفْوَانُ فِي حَدِيْثِهِ]
الْمُقِيْتُ [وَإِلَيْهِ ذَهَبَ أَبُوْ بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ فِي مُخْتَصَرِ الصَّحِيْحِ] الْحَسِيْبُ
الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ
الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ
الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِيْ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ
الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ
الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ
الْوَالِيْ الْمُتَعَالِيْ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ
مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ
الْمُغْنِيْ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيْ الْبَدِيْعُ
الْبَاقِيْ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ

هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ خَرَّجَاهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ بِأَسَانِيْدَ صَحِيْحَةٍ دُوْنَ ذِكْرِ الْأَسَامِيْ فِيْهِ، وَالْعِلَّةُ فِيْهِ عِنْدَهُمَا إِنَّ الْوَلِيْدَ بْنَ مُسْلِمٍ تَفَرَّدَ بِسِيَاقَتِهِ وَذِكْرِ الْأَسَامِيْ فِيْهِ وَلَمْ يَذْكُرْهَا غَيْرُهُ وَلَيْسَ هٰذَا بِعِلَّةٍ فَإِنِّيْ لَا أَعْلَمُ اخْتِلَافًا بَيْنَ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ أَنَّ الْوَلِيْدَ بْنَ مُسْلِمٍ أَوْثَقُ وَأَحْفَظُ وَأَعْلَمُ وَأَجَلُّ مِنْ أَبِي الْيَمَانِ وَبِشْرِ بْنِ شُعَيْبٍ وَعَلِيِّ بْنِ عَيَّاشٍ وَأَقْرَانِهِمْ مِنْ أَصْحَابِ شُعَيْبٍ.

(المستدرک للحاکم، ج اول، ص ۱۶ کتاب الایمان اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ.
ابن حبان، بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ کنز العمال، ج اول، ص ۴۴۸-۴۴۹)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جائے جواس کے احترام کے منافی ہو، مثلاً ہنسی مذاق میں یا بیت الخلا میں یا کوئی گناہ کرتے ہوئے اس کا

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

(شرح السنه للبغوی ج ۵، ص ۳۲۔ ۳۳) اس پر مزید گفتگو اور بحث ص ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵ پر ہے۔

(ترمذی ابواب الدعوات ج ۲، ص ۱۸۹۔ ۱۸۸)۔ (ابن ماجه کتاب الدعاء، باب اسماء عزوجل

کنز العمال ج ۱ ص ۴۵۰۔ ۴۵۱)

حَدَّثَنَا اَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَمْدَانَ الْجَلَّابُ بِهَمْدَان. ثَنَا الْاَمِيْرُ اَبُو الْهَيْثَمِ خَالِدُ بْنُ اَحْمَدَ الذُّهْلِيُّ بِهَمْدَان. ثَنَا اَبُو اَسَدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَلَخِيُّ. ثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ الْقَطْوَنِيُّ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ هَانِيٍ. وَاَبُوبَكْرِ بْنُ عَبْدِ اللهِ. قَالَا: ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ. ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سُفْيَانَ النَّسَائِيُّ. ثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ. ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ حُصَيْنِ بْنِ التَّرْجمَانُ. ثَنَا اَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَهِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ. عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ. عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اَللّٰهُ الرَّحْمٰنُ اَلرَّحِيْمُ الْاِلٰهُ اَلرَّبُّ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ

الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ الْحَنَّانُ الْبَدِيْعُ الْوَدُوْدُ

الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْمَجِيْدُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ النُّوْرُ الْاَوَّلُ

الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْغَفَّارُ الْوَهَّابُ الْقَادِرُ الْاَحَدُ

الصَّمَدُ الْكَافِيْ الْوَكِيْلُ الْمَجِيْدُ الْمُغِيْثُ الدَّايِمُ الْمُتَعَالُ

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمَوْلٰى النَّصِيْرُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ الْبَاعِثُ

اَلْمُجِيْبُ اَلْمُحْيِ اَلْمُمِيْتُ اَلْجَلِيْلُ اَلصَّادِقُ اَلْحَفِيْظُ اَلْكَبِيْرُ

الْقَرِيْبُ الرَّقِيْبُ الْفَتَّاحُ التَّوَّابُ الْقَدِيْمُ الْوِتْرُ الْفَاطِرُ

الرَّزَّاقُ الْعَلَّامُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ الْغَنِيُّ الْمَلِيْكُ الْمُقْتَدِرُ

الْاَكْرَمُ الرَّؤُفُ الْمُدَبِّرُ الْمَالِكُ الْقَدِيْرُ الْهَادِيْ الْكَفِيْلُ

الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نام لینا، یا ایسے لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرنا جو اسے سن کر گستاخی پر اُتر آئیں، یا ایسی مجلسوں میں اس کا نام لینا جہاں لوگ بیہودگیوں میں مشغول ہوں اور اس کا ذکر سن کر مذاق میں اڑا دیں، یا ایسے مواقع پر

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

هٰذا حديث محفوظ من حديث ايوب وهشام عن محمد بن سيرين عن ابي هريرة مختصراً دُون ذكر الاسامي الزايدة فيها كلها في القرآن۔ وعبد العزيز بن الحصين بن الترجمان ثقة وان لم يخرجاه وانما جعلته شاهداً للحديث الاوّل۔

(ترمذی ابواب الدعوات ج ۱ ص ۱۸۸۔۱۸۹۔ **المعجم المفهرس** ج اول، ص ۷۹، لفظ اللہ کے تحت)

(**المستدرک للحاکم** ج اول، ص ۱۷، کتاب الایمان باب ان للہ تسعة وتسعین اسماً من احصاھا دخل الجنة)

(ابوالشیخ، ابن مردویہ دونوں نے اپنی تفسیر میں اور ابونعیم نے الاسماء الحسنیٰ میں ابوہریرہؓ سے ناموں میں قدرے اختلاف کے ساتھ بحوالہ **کنز العمال** ج اول، ص ۴۴۹۔۴۵۰ نقل کیا ہے۔)

(**شرح السنہ للبغوی**، ج ۵۔ ص ۳۲۔ ۳۳)

(ابن حبان، بیہقی فی **شعب الایمان**۔ بحوالہ **کنز العمال** ج اول، ص ۴۴۸۔۴۴۹)

(**ابن ماجہ**، کتاب الدعاء، باب اسماء اللہ عزوجل، **کنز العمال**، ج اول ص ۴۵۰۔۴۵۱)

ابن ماجہ کی روایت میں اَلْبَارُّ. اَلْجَلِيْلُ. اَلْقَاهِرُ. اَلْقَرِيْبُ. اَلرَّاشِدُ. اَلرَّبُّ. اَلْمُبِيْنُ. اَلشَّدِيْدُ. اَلْوَاقِيْ. اَلْقَائِمُ. اَلدَّائِمُ. اَلْحَافِظُ. اَلْفَاطِرُ. اَلسَّامِعُ. اَلْمُعْطِيْ. اَلْكَافِيْ. اَلْاَبَدُ. اَلْعَالِمُ. اَلصَّادِقُ. اَلْمُنِيْرُ. اَلتَّامُّ. اَلْقَدِيْمُ. اَلْوِتْرُ. اَلْاَحَدُ کے اسماء نقل ہوئے ہیں جبکہ امام حاکم والی روایت میں یہ نام نہیں ہیں۔ امام حاکم کی ایک اور روایت میں اَلْغَفَّارُ. اَلْقَهَّارُ. اَلْفَتَّاحُ. اَلْعَدْلُ. اَلْكَبِيْرُ. اَلْحَفِيْظُ. اَلْمُغِيْثُ. اَلْمُقِيْتُ. اَلْحَسِيْبُ. اَلرَّقِيْبُ. اَلْوَاسِعُ. اَلْحَمِيْدُ. اَلْمُحْصِيْ. اَلْمُقْتَدِرُ. اَلْمُقَدِّمُ. اَلْمُؤَخِّرُ. اَلْبَرُّ. اَلْمُنْتَقِمُ. مَالِكُ الْمُلْكِ. ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. اَلْمُغْنِيْ. اَلْبَدِيْعُ. اَلرَّشِيْدُ. اَلصَّبُوْرُ وغیرہ اسماء منقول ہیں۔

ابنِ حزم نے قرآن مجید سے خود ننانویں اسمائے باری تعالیٰ کی فہرست مرتب کی ہے:

اَلْاِلٰهُ اَلرَّبُّ اَلْوَاحِدُ اللّٰهُ اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِيْمُ اَلْمَلِكُ

اَلْقُدُّوْسُ اَلسَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ اَلْعَزِيْزُ اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَكَبِّرُ اَلْخَالِقُ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اس کا نام پاک زبان پر لانا جہاں اندیشہ ہو کہ سننے والا اسے ناگواری کے ساتھ سنے گا۔ امام مالکؒ کے حالات میں منقول ہے کہ جب کوئی سائل ان سے کچھ مانگتا اور وہ اس وقت اسے کچھ نہ دے سکتے تو عام لوگوں کی طرح ''اللہ دے گا'' نہ کہتے بلکہ کسی اور طرح معذرت کر دیتے تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ سائل کو جب کچھ نہ دیا جائے اور اس سے معذرت کر دی جائے تو لامحالہ اسے ناگوار ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر میں اللہ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اسے ناگواری کے ساتھ سنے۔ (**تفہیم القرآن**، ج ۶، سورہ الاعلیٰ، ص ۳۱۰ حاشیہ ۱)

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اَلْبَارِئُ اَلْمُصَوِّرُ اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ اَلظَّاهِرُ اَلْحَيُّ اَلْقَيُّوْمُ
اَلْقَيُّوْمُ اَلْعَلِيُّ اَلْعَظِيْمُ اَلتَّوَّابُ اَلْحَلِيْمُ اَلْوَاسِعُ اَلْحَكِيْمُ
اَلشَّاكِرُ اَلْعَلِيْمُ اَلْغَنِيُّ اَلْكَرِيْمُ اَلْعَفُوُّ اَلْقَدِيْرُ اَللَّطِيْفُ
اَلْخَبِيْرُ اَلسَّمِيْعُ اَلْبَصِيْرُ اَلْمَوْلٰى اَلنَّصِيْرُ اَلْقَرِيْبُ اَلْمُجِيْبُ
اَلرَّقِيْبُ اَلْحَسِيْبُ اَلْقَوِيُّ اَلشَّهِيْدُ اَلْحَمِيْدُ اَلْمَجِيْدُ اَلْمُحِيْطُ
اَلْحَفِيْظُ اَلْحَقُّ اَلْمُبِيْنُ اَلْغَفَّارُ اَلْقَهَّارُ اَلْخَلَّاقُ اَلْفَتَّاحُ
اَلْوَدُوْدُ اَلْغَفُوْرُ اَلرَّءُوْفُ اَلشَّكُوْرُ اَلْكَبِيْرُ اَلْمُتَعَالُ اَلْمُقِيْتُ
اَلْمُسْتَعَانُ اَلْوَهَّابُ اَلْحَفِيُّ اَلْوَارِثُ اَلْوَلِيُّ اَلْقَائِمُ اَلْقَادِرُ
اَلْغَالِبُ اَلْقَاهِرُ اَلْبَرُّ اَلْحَافِظُ اَلْاَحَدُ اَلصَّمَدُ اَلْمَلِيْكُ
اَلْمُقْتَدِرُ اَلْوَكِيْلُ اَلْهَادِيْ اَلْكَفِيْلُ اَلْكَافِيْ اَلْاَكْرَمُ اَلْاَعْلٰى
اَلرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ غَافِرُ الذَّنْبِ قَابِلُ التَّوْبِ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ذُوالطَّوْلِ رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ سَرِيْعُ الْحِسَابِ
فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(ترمذی، ابواب الدعوات، ج ۲، ۱۸۸-۱۸۹)

۱۔ اَللّٰہُ

اللہ عربوں کے لیے کوئی اجنبی لفظ نہ تھا۔ قدیم ترین زمانے سے وہ خالق کائنات کے لیے یہی لفظ استعمال کر رہے تھے اور اپنے دوسرے معبودوں میں سے کسی پر بھی اس کا اطلاق نہیں کرتے تھے۔ دوسرے معبودوں کے لیے اُن کے ہاں اِلٰہ کا لفظ رائج تھا۔ پھر اللہ کے بارے میں اُن کے جو عقائد تھے اُن کا اظہار اُس موقع پر خوب کھل کر ہو گیا تھا جب ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اُس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ اِلٰہوں کے بت موجود تھے، مگر مشرکین نے اُن سب کو چھوڑ کر صرف اللہ سے دعائیں مانگی تھیں کہ وہ اِس بلا سے ان کو بچائے۔ گویا وہ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ اس نازک وقت میں اُن کی مدد نہیں کر سکتا۔ کعبے کو بھی وہ اُن اِلٰہوں کی نسبت سے بیت الآلہہ نہیں، بلکہ اللہ کی نسبت سے بیت اللہ کہتے تھے۔[1]

❖

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں اپنا یاں الفاظ تعارف کرایا ہے......

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

کہو وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

(علاوہ ازیں) جگہ جگہ اس مضمون کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تا کہ لوگ حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ مثال کے طور پر آیاتِ ذیل ملاحظہ ہوں:

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الاخلاص، ص ۵۳۵، حاشیہ ۲

فِي الْاَرْضِ ۭ (النساء ۴:۱۷۱)

اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُس کی مِلک ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (الصافات ۳۷:۱۵۱-۱۵۲)

خوب سن رکھو، یہ لوگ دراصل اپنی من گھڑت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے، فی الواقع یہ قطعی جھوٹے ہیں۔

ساری کائنات میں کوئی نہیں ہے، نہ کبھی تھا، نہ کبھی ہوسکتا ہے، جو اللہ کے مانند، یا اُس کا ہم مرتبہ ہو، یا جو اپنی صفات، افعال اور اختیارات میں اُس سے کسی درجے میں بھی مشابہت رکھتا ہو۔ [1]

❖

اگر انسان کائنات کے اس کارخانے کو، جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے، اور ضد یا تعصب سے آزاد ہو کر سوچے، تو یہ آثار جو اس کے مشاہدے میں آرہے ہیں اس نتیجے پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادرِ مطلق حکیم کے زیرِ فرمان ہے۔ تمام اختیار و اقتدار بالکل اُسی ایک کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کی خود مختارانہ مداخلت یا مشارکت کے لیے اس نظام میں ذرہ برابر کوئی گنجایش نہیں، لہٰذا فی الحقیقت وہ ایک خدا تمام موجوداتِ عالم کا خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری ہستی کسی قسم کے اختیارات رکھتی ہی نہیں کہ خدائی اور الوہیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔ [2]

❖

خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں اُن میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ کے جو حقوق ہیں، وہ سب یا اُن میں سے بعض حقوق یہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶۔ الاخلاص، ص ۵۴۳، حاشیہ ۶

[2] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۱۳۰۔۱۳۱، حاشیہ ۱۶۲

لوگ اُن دوسرے بناوٹی معبودوں کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً سلسلۂ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی، دعائیں سننا اور غیب و شہادت ہر چیز سے واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اُسی کو مقتدرِ اعلیٰ مانیں، اُسی کے آگے اعترافِ بندگی میں سر جھکائیں، اُسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں، اُسی کو مدد کے لیے پکاریں، اُسی پر بھروسہ کریں، اُسی سے اُمیدیں وابستہ کریں اور اُسی سے ظاہر و باطن میں ڈریں، اسی طرح مالک الملک ہونے کی حیثیت سے یہ منصب بھی اللہ ہی کا ہے کہ اپنی رعیت کے لیے حلال و حرام کے حدود مقرر کرے، ان کے فرائض و حقوق معین کرے، اُن کو امر و نہی کے احکام دے، اور انھیں یہ بتائے کہ اُس کی دی ہوئی قوتوں اور اُس کے بخشے ہوئے وسائل کو وہ کس طرح کن کاموں میں کن مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ اور یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اس کی حاکمیت تسلیم کریں، اس کے حکم کو منبع قانون مانیں، اسی کو امر و نہی کا مختار سمجھیں، اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے فرمان کو فیصلہ کن قرار دیں، اور ہدایت و رہنمائی کے لیے اُسی کی طرف رجوع کریں۔ جو شخص خدا کی ان صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اُس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اُسے خدا کا مدمقابل اور ہمسر بناتا ہے اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ اِن صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو، وہ بھی دراصل خدا کا مدِمقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ [1]

❖

سورۂ آلِ عمران آیت ۱۸ میں ارشادِ ربانی ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ... الخ اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

یعنی اللہ جو کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہِ راست علم رکھتا ہے، جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے، جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، یہ اس کی شہادت ہے اور اس سے بڑھ کر معتبر عینی شہادت اور کس کی ہوگی کہ پورے عالمِ وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے،

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۱۳۱، حاشیہ ۱۶۳

جو خدائی کی صفات سے متصف ہو، خدائی کے اقتدار کی مالک ہو، اور خدائی کے حقوق کی مستحق ہو۔[1]

❖

اللہ کا وجود محض ایک خیالی اور فرضی وجود نہیں ہے جسے بعض عقلی مشکلات رفع کرنے کی خاطر مان لیا گیا ہو۔ وہ نرا فلسفیوں کے خیال کا آفریدہ، واجب الوجود اور علت العلل (First Cause) ہی نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی فاعل مختار ہے جو ہر آن اپنی قدرت، اپنے ارادے، اپنے علم اور اپنی حکمت سے پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تدبیر کر رہا ہے۔[2]

❖

ہر شخص جو کسی نوعیت کا شرک کرتا ہے، دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی تکذیب کرتا ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کر دی، اصل میں یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ شافی نہیں ہے بلکہ وہ حضرت شافی ہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا، حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد بر آئی، گویا دراصل یہ کہنا ہے کہ دنیا میں حکم اللہ کا نہیں بلکہ اُس آستانے کا چل رہا ہے۔ غرض ہر مشرکانہ عقیدے اور مشرکانہ قول آخری تجزیے میں صفاتِ الٰہی کی تکذیب ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ شرک کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی دوسروں کو سمیع وبصیر، عالم الغیب، فاعل مختار، قادر و متصرف اور الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دے رہا ہے اور اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔[3]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، آل عمران، ص ۲۳۹، حاشیہ ۱۴

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۲، حاشیہ ۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمن، ص ۲۶۲، حاشیہ ۲۸

۲۔ إِلٰهٌ [1]

اس لفظ کا مادہ ال ہ ہے۔ اس مادے سے جو الفاظ لغت میں آتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

اَلِهَ اذا تَحَيَّرَ. حیران و سرگشتہ ہوا۔ اَلِهْتُ اِلٰی فُلَانٍ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْهِ. اس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے میں نے سکون و اطمینان حاصل کیا۔

اَلِهَ الرَّجُلُ یَاْلَهُ اِذَا فَزِعَ مِنْ اَمْرٍ نَزَلَ بِهٖ فَاٰلَهَهٗ غَیْرُہٗ اَیْ اَجَارَہٗ. آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہوا اور دوسرے نے اس کو پناہ دی۔

اَلِهَ الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ اِتَّجَهَ اِلَیْهِ لِشِدَّةِ شَوْقِهٖ اِلَیْهِ. آدمی نے دوسرے کی طرف شدت شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

اَلِهَ الْفَصِیْلُ اِذَا وَلَعَ بِاُمِّهٖ. اونٹنی کا بچہ جو اس سے بچھڑ گیا تھا ماں کو پاتے ہی اس سے چمٹ گیا۔

لَاہَ یَلِیْهُ لَیْهًا وَلَاهًا اِذَا احْتَجَبَ. پوشیدہ و مستور ہوا نیز ارتفع یعنی بلند ہوا۔

اله الهة والوهة والوهية عَبَدَ. عبادت کی۔

ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اَلَهَ یَاْلَهُ اِلٰهَةً کے معنی عبادت (پرستش) اور اِلٰہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے۔

(۱) انسان کے ذہن میں عبادت کے لیے اولین تحریک اپنی حاجت مندی سے پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] اِلٰہ کا لفظ قرآن مجید میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک وہ شے یا شخص جس کو عبادت کا کوئی استحقاق نہ پہنچتا ہو مگر عملاً اس کی عبادت کی جا رہی ہو۔ دوسرا وہ جسے عبادت کا استحقاق پہنچتا ہو اور جو حقیقت میں معبود ہو، خواہ لوگ اس کی عبادت کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں۔ اللہ کے لیے جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اسی دوسرے معنی میں ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ٦ ص ۵۷۱، الناس حاشیہ ۱)

وہ کسی کی عبادت کا خیال تک نہیں کر سکتا جب تک اسے یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے، خطرات اور مصائب میں اسے پناہ دے سکتا ہے، اضطراب کی حالت میں اسے سکون بخش سکتا ہے۔

(۲) پھر یہ بات کہ آدمی کسی کو حاجت روا سمجھے اس تصور کے ساتھ لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہے کہ وہ اسے اپنے سے بالاتر سمجھے اور نہ صرف مرتبے کے اعتبار سے اس کی برتری تسلیم کرے، بلکہ طاقت اور زور کے اعتبار سے بھی اس کی بالادستی کا قائل ہو۔

(۳) پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلسلہ اسباب وعلل کے تحت جن چیزوں سے بالعموم انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اور جن کی حاجت روائی کا سارا عمل انسان کی آنکھوں کے سامنے یا اس کے حدودِ علم کے اندر واقع ہوتا ہے ان کے متعلق پرستش کا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً مجھے خرچ کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی ہے، میں جا کر ایک شخص سے نوکری یا مزدوری کی درخواست کرتا ہوں وہ میری درخواست کو قبول کر کے مجھے کوئی کام دیتا ہے اور اس کام کا معاوضہ مجھے دے دیتا ہے۔ یہ سارا عمل چونکہ میرے حواس اور علم کے دائرے کے اندر پیش آیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے میری یہ حاجت کس طرح پوری کی ہے، اس لیے میرے ذہن میں اس کے لائق پرستش ہونے کا وہم تک نہیں گزرتا۔ پرستش کا تصور میرے ذہن میں صرف اسی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی کی شخصیت یا اس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی و اثر اندازی کی کیفیت پر راز کا پردہ پڑا ہوا ہو۔ اسی لیے معبود کے معنی میں وہ لفظ اختیار کیا گیا جس کے اندر رفعت کے ساتھ پوشیدگی اور حیرانی وسرگشتگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔

(۴) پھر جس کے متعلق بھی انسان یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ احتیاج کی حالت میں حاجت روائی کر سکتا ہے، خطرات میں پناہ دے سکتا ہے، اضطراب میں سکون بخش سکتا ہے، اس کی طرف انسان کا اشتیاق کے ساتھ توجہ کرنا ایک امر ناگزیر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ معبود کے لیے الٰہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا وہ یہ ہیں:

حاجت روائی، پناہ دہندگی، سکون بخشی، بالاتری و بالادستی، اُن اختیارات اور اُن طاقتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہو سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کا

پُراسرار ہونا یا منظرِ عام پر نہ ہونا۔ انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا۔ [1]

❖

زمین اور آسمان میں ایک ہی ہستی تمام اختیارات و اقتدارات کی مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے، نعمت اسی کی ہے، امر اسی کا ہے، قوت اور زور بالکل اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز چار و ناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے۔ اس کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی اقتدار ہے، نہ کسی کا حکم چلتا ہے، نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے واقف ہے اور نہ کوئی اختیاراتِ حکومت میں ذرہ برابر شریک و حصہ دار ہے، للہٰذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی الٰہ نہیں ہے اور جب حقیقت میں کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے تو تمھارا ہر وہ فعل جو تم دوسروں کو الٰہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو اصلاً غلط ہے، خواہ وہ دعا مانگنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو، یا خوف و رجا کا فعل ہو، یا سفارشی بنانے کا فعل ہو، یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو۔ یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں صرف اللہ کے لیے مخصوص ہونے چاہییں کیونکہ وہی اکیلا صاحب اقتدار ہے۔ [2]

الٰہیت اور اقتدار لازم وملزوم ہیں اور اپنی روح و معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جو اقتدار نہیں رکھتا وہ الٰہ نہیں ہوسکتا اور اُسے الٰہ نہ ہونا چاہیے۔ اور جو اقتدار رکھتا ہے وہی اِلٰہ ہوسکتا ہے اور اسی کو اِلٰہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اِلٰہ سے تمھاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں، یا جن ضروریات کی خاطر تمھیں کسی کو اِلٰہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے ان میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا غیرِ مقتدر کا اِلٰہ ہونا بے معنی ہے، حقیقت کے خلاف ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا لاحاصل ہے۔

اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقے سے استدلال کرتا ہے اس کے مقدمات اور نتائج حسب ذیل ترتیب کے ساتھ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں۔

(۱) حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبر گیری و حفاظت اور استجابت

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص۱۵ تا ۱۸

[2] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص۲۹۔۳۰

دعوات جن کو تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے دراصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سررشتہ پورے نظام کائنات کی تخلیقی اور انتظامی قوتوں سے جا ملتا ہے۔ تمھاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں اس پر غور کرو تو تم کو معلوم ہو کہ زمین و آسمان کے عظیم الشان کارخانے میں بے شمار اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیر ان کا پورا ہونا محال ہے۔ پانی کا ایک گلاس جو تم پیتے ہو اور گیہوں کا ایک دانہ جو تم کھاتے ہو اس کو مہیا کرنے کے لیے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تم کو بہم پہنچتی ہیں۔ پس تمھاری دعائیں سننے اور تمھاری حاجتیں رفع کرنے کے لیے کوئی معمولی اقتدار نہیں بلکہ وہ اقتدار درکار ہے جو زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے لیے، سیاروں کو حرکت دینے کے لیے، ہواؤں کو گردش دینے اور بارش برسانے کے لیے، غرض پوری کائنات کا انتظام کرنے کے لیے درکار ہے۔

(۲) یہ اقتدار ناقابل تقسیم ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خلق کا اقتدار کسی کے پاس ہو، اور رزق کا کسی اور کے پاس۔ سورج کسی کے قبضے میں ہو اور زمین کسی اور کے قبضے میں، پیدا کرنا کسی کے اختیار میں ہو، بیماری وصحت کسی اور کے اختیار میں، اور موت اور زندگی کسی تیسرے کے اختیار میں، اگر ایسا ہوتا تو یہ نظامِ کائنات کبھی چل ہی نہ سکتا۔ لہٰذا تمام اقتدارات واختیارات کا ایک ہی مرکزی فرمانروا کے قبضے میں ہونا ضروری ہے۔ کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔

(۳) جب تمام اقتدار ایک ہی فرمانروا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے تو لامحالہ الوہیت بھی بالکلیہ اسی فرمانروا کے لیے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمھاری فریاد رسی کر سکے، دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی وناصر اور ولی وکارساز بن سکے، نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ لہٰذا الٰہ کا جو مفہوم بھی تمھارے ذہن میں ہے اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کوئی اس معنی میں بھی الٰہ نہیں کہ فرمانروائے کائنات کے ہاں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا کچھ زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو۔ اس کے انتظام سلطنت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں، کوئی اس کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا اور سفارش قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل اسی کے اختیار میں ہے، کوئی زور کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس کے بل پر وہ

اپنی سفارش قبول کرا سکے۔

(۴) اقتدارِ اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضاء یہ ہے کہ حاکمیت و فرماں روائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدرِ اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب رازق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظامِ کائنات کا مدبر و منتظم وہ ہے اور تدبیر و انتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں تو یقیناً حاکم و آمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہیے اور اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا فریادرس اور حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خودمختار فرمانروا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی، احیا اور اماتت، تسخیر شمس و قمر اور تکویر لیل و نہار، قضا اور قدر، حکم اور پادشاہی، امر اور تشریع سب ایک ہی کلی اقتدار و حاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار و حاکمیت ناقابلِ تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا کہ ایک غیر اللہ سے دعا مانگنے والا شرک کرتا ہے اور اگر کوئی شخص سیاسی معنی میں مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبیعی معنی میں کسی کا یہ کہنا کہ تمھارا ولی و کارساز اور مددگار و محافظ میں ہوں۔ اسی لیے جہاں خلق اور تقدیر اشیا اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں لَهُ الْحُكْمُ اور لَهُ الْمُلْكُ اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ اُلوہیت کے مفہوم میں پادشاہی و حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے اور توحیدِ الٰہ کے لیے لازم ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہ تسلیم کی جائے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ (المؤمنون:۱۱۶)

پس بالا و برتر ہے اللہ جو حقیقی پادشاہ ہے، اُس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں وہ عرشِ بزرگ

کا مالک ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾

(الناس:۱۔۳)

کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب سے، انسانوں کے پادشاہ سے، انسانوں کے اِلٰہ سے۔[۱]

❖

اپنی سلطنت میں خداوندی کے جملہ اختیارات کا مالک وہ خود ہی ہے۔کوئی دوسرا نہ اس کی صفات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کے اختیارات میں اور نہ اس کے حقوق میں۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ شریک ٹھیرا کر زمین یا آسمان میں جہاں بھی کسی اور کو معبود (الٰہ) بنایا جا رہا ہے، ایک جھوٹ گھڑا جا رہا ہے اور حقیقت کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے۔[۲]

❖

جس کے سوا کسی کی یہ حیثیت اور مقام اور مرتبہ نہیں ہے کہ اس کی بندگی و پرستش کی جائے۔ جس کے سوا کوئی خدائی کی صفات و اختیارات رکھتا ہی نہیں کہ اسے معبود ہونے کا حق پہنچتا ہو۔[۳]

خدائی کے سارے اختیارات تنہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔کوئی دوسرا سرے سے یہ اختیار رکھتا ہی نہیں ہے کہ تمھاری اچھی یا بری تقدیر بنا سکے۔ اچھا وقت آ سکتا ہے تو اسی کے لائے آ سکتا ہے اور برا وقت ٹل سکتا ہے تو اُسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ کو خدائے واحد مانتا ہو اُس کے لیے اس کے سوا سرے سے کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا رکھے اور دنیا میں ایک مومن کی حیثیت سے اپنا فرض اس یقین کے ساتھ انجام دیتا چلا جائے کہ خیر بہر حال اُسی راہ میں ہے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اس راہ میں کامیابی نصیب ہو گی تو اللہ ہی کی مدد اور تائید و توفیق سے

---

[۱] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۳۶ تا ۴۴

[۲] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۱۹۴، حاشیہ ۲۷۸

[۳] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۲، حاشیہ ۳۳

ہوگی، کوئی دوسری طاقت مدد کرنے والی نہیں ہے اور اس راہ میں اگر مشکلات و مصائب اور خطرات و مہالک سے سابقہ پیش آئے گا تو اُن سے بھی وہی بچائے گا، کوئی دوسرا بچانے والا نہیں۔ [1]

❖

کائنات کا مالک و فرمانروا ہی انسانوں کا اصل معبود ہے اور وہی درحقیقت معبود ہو سکتا ہے اور اسی کو معبود ہونا چاہیے۔ یہ بات سراسر عقل کے خلاف ہے کہ رب (یعنی مالک اور حاکم اور مربی و پروردگار) کوئی ہو اور الٰہ (عبادت کا مستحق) کوئی اور ہو جائے۔ عبادت کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے کہ آدمی کا نفع و ضرر، اس کی حاجتوں اور ضرورتوں کا پورا ہونا، اس کی قسمت کا بننا اور بگڑنا، بلکہ بجائے خود اس کا وجود و بقا ہی جس کے اختیار میں ہے، اُس کی بالاتری تسلیم کرنا اور اُس کے آگے جھکنا آدمی کی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ اس وجہ کو آدمی سمجھ لے تو خود بخود اس کی سمجھ میں یہ بات آ جاتی ہے کہ اختیارات والے کی عبادت نہ کرنا اور بے اختیار کی عبادت کرنا، دونوں صریح خلافِ عقل و فطرت ہیں۔ عبادت کا استحقاق پہنچتا ہی اس کو ہے جو اقتدار رکھتا ہے۔ رہیں بے اقتدار ہستیاں تو وہ نہ اس کی مستحق ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے اور نہ ان کی عبادت کرنے اور ان سے دعائیں مانگنے کا کچھ حاصل ہے، کیونکہ ہماری کسی درخواست پر کوئی کارروائی کرنا سرے سے ان کے اختیار میں ہے ہی نہیں۔ ان کے آگے عاجزی و نیازمندی کے ساتھ جھکنا اور ان سے دُعا مانگنا ویسا ہی احمقانہ فعل ہے جیسے کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے جائے اور اس کے حضور درخواست پیش کرنے کے بجائے جو دوسرے سائلین وہاں درخواستیں لیے کھڑے ہوں انھی میں سے کسی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائے۔ [2]

❖

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴿۴۲﴾ اے محمدؐ، ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۴۳۔۵۴۴، حاشیہ ۲۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الصافات، ص ۲۷۹، حاشیہ [illegible]

یعنی وہ خود مالک عرش بننے کی کوشش کرتے۔ اس لیے کہ چند ہستیوں کا خدائی میں شریک ہونا دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو وہ سب اپنی اپنی جگہ مستقل خدا ہوں۔ یا ان میں سے ایک اصل خدا ہو اور باقی اس کے بندے ہوں جنھیں اس نے کچھ خدائی اختیارات دے رکھے ہوں۔ پہلی صورت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ یہ سب آزاد و خودمختار خدا ہمیشہ ہر معاملے میں، ایک دوسرے کے ارادے سے موافقت کر کے اس اتھاہ کائنات کے نظم کو اتنی مکمل ہم آہنگی، یکسانیت اور تناسب و توازن کے ساتھ چلا سکتے۔ ناگزیر تھا کہ اُن کے منصوبوں اور ارادوں میں قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ہر ایک اپنی خدائی دوسرے خداؤں کی موافقت کے بغیر چلتی نہ دیکھ کر یہ کوشش کرتا کہ وہ تنہا ساری کائنات کا مالک بن جائے۔ رہی دوسری صورت، تو بندے کا ظرف خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے ذرا سے وہم اور شائبے تک کا تحمل نہیں کرسکتا۔ اگر کہیں کسی مخلوق کی طرف ذرا سی خدائی بھی منتقل کر دی جاتی تو وہ پھٹ پڑتا، چند لمحوں کے لیے بھی بندہ بن کر رہنے پر راضی نہ ہوتا اور فوراً ہی خداوند عالم بن جانے کی فکر شروع کر دیتا۔

جس کائنات میں گیہوں کا ایک دانہ اور گھاس کا ایک تنکا بھی اُس وقت تک پیدا نہ ہوتا ہو جب تک کہ زمین و آسمان کی ساری قوتیں مل کر اُس کے لیے کام نہ کریں، اُس کے متعلق صرف ایک انتہا درجے کا جاہل اور کند ذہن آدمی ہی یہ تصور کرسکتا ہے کہ اس کی فرمانروائی ایک سے زیادہ خودمختار یا نیم مختار خدا کر رہے ہوں گے، ورنہ جس نے کچھ بھی اس نظام کے مزاج اور طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو وہ تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہاں خدائی بالکل ایک ہی کی ہے اور اس کے ساتھ کسی درجے میں بھی کسی اور کے شریک ہونے کا قطعی امکان نہیں ہے۔ [۱]

❖

ساری کائنات اور اس کی ہر شے اپنے پورے وجود سے اس حقیقت پر گواہی دے رہی ہے کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور جو اس کی پروردگاری و نگہبانی کر رہا ہے اس کی ذات ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے منزہ ہے، اور وہ اس سے بالکل پاک ہے کہ خدائی میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہو۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۱۸، حاشیہ ۴۷

[۲] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۱۹، حاشیہ ۴۸

وہی ایک ہستی ایسی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے، تمام کائنات پر وسیع ہے اور کائنات کی ہر چیز کو اس کا فیض پہنچتا ہے۔ سارے جہان میں کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں ہے۔ دوسری جس ہستی میں بھی صفتِ رحم پائی جاتی ہے اس کی رحمت جزوی اور محدود ہے اور وہ بھی اس کی ذاتی صفت نہیں ہے بلکہ خالق نے کسی مصلحت اور ضرورت کی خاطر اسے عطا کی ہے۔ جس مخلوق کے اندر بھی اس نے کسی دوسری مخلوق کے لیے جذبہ رحم پیدا کیا ہے، اس لیے پیدا کیا ہے کہ ایک مخلوق کو وہ دوسری مخلوق کی پرورش اور خوشحالی کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بجائے خود اُسی کی رحمت بے پایاں کی دلیل ہے۔ [۳]

❖

اس مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نہایت لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک مثال تو آپؐ نے یہ دی ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھو گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے بے آس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو، اور عین اس حالت میں یکا یک وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہو گی، اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔ دوسری مثال اس سے بھی زیادہ موثر ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک

---

[۱] نہایت مہربان خدا۔ **تفهيم القرآن**، ج ۲، ص ۴۵۹

[۲] رحم فرمانے والا۔ **تفهيم القرآن**، ج ۲، ص ۸۲، الاعراف آیت ۱۵۳

[۳] **تفهيم القرآن**، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۲، حاشیہ ۳۵

عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا اور وہ مامتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پا لیتی اسے چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا: کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا: ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار، وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک تو اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔ فرمایا: اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا۔ اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔

❖

اور ویسے بھی غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے بچوں کی پرورش کے لیے ماں باپ کے دل میں محبت پیدا کی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا اس محبت کو پیدا نہ کرتا تو ماں اور باپ سے بڑھ کر بچوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا کیونکہ سب سے بڑھ کر وہ انھی کے لیے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اب ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ جو خدا محبتِ مادری اور شفقتِ پدری کا خالق ہے خود اُس کے اندر اپنی مخلوق کے لیے کیسی کچھ محبت موجود ہوگی۔ [۱]

❖

اس کا رحیم ہونا اس اطمینان کے لیے کافی ہے کہ جو شخص اس کی خاطر اعلائے کلمۃ الحق کے کام میں جان لڑائے گا اس کی کوششوں کو وہ کبھی رائیگاں نہ جانے دے گا۔ [۲]

❖

کیا شان ہے خدا کی رحیمی و غفاری کی، جو لوگ حق کو نیچا دکھانے کے لیے جھوٹ کے طوفان اٹھاتے ہیں اُن کو بھی وہ مہلت دیتا ہے اور سنتے ہی عذاب کا کوڑا نہیں برسا دیتا ہے۔ [۳]

❖

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۲، ہُود، ص ۳۶۳، حاشیہ ۱۰۱

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۵۴۴، حاشیہ ۱۳۷

[۳] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۳۸، حاشیہ ۱۳

برسوں اور صدیوں ڈھیل دیتا ہے۔ سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیے جاتا ہے اور عمر بھر کی نافرمانیوں کو ایک توبہ پر معاف کر دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ [1]

❖

ایسا نہیں ہے کہ اس کی سلطنت میں اگر کوئی شخص یا گروہ اس کے خلاف بغاوت کرنے کے باوجود پکڑا نہیں جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ دنیا اندھیر نگری اور اللہ تعالیٰ اس کا چوپٹ راجہ ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم [2] ہے اور درگزر سے کام لینا اس کی عادت ہے۔ عاصی اور خاطی کو قصور سرزد ہوتے ہی پکڑ لینا، اس کا رزق بند کر دینا، اس کے جسم کو مفلوج کر دینا، اس کو آناً فاناً ہلاک کر دینا، سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، مگر وہ ایسا کرتا نہیں ہے۔ یہ اس کی شانِ رحیمی کا تقاضا ہے کہ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود وہ نافرمان بندوں کو ڈھیل دیتا ہے، سنبھلنے کی مہلت عطا کرتا ہے اور جب بھی وہ باز آجائیں، معاف کر دیتا ہے۔ [3]

❖

یہ اس کی حلیمی و رحیمی اور چشم پوشی و درگزر ہی تو ہے جس کی بدولت کفر اور شرک اور دہریت اور فسق و فجور اور ظلم و ستم کی انتہا کر دینے والے لوگ بھی سالہا سال تک، بلکہ اس طرح کے پورے پورے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۴۸۰، حاشیہ ۶

[2] یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ عرب میں اللہ تعالیٰ کے لیے قدیم زمانے سے رحمان کا لفظ معروف و مستعمل تھا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۴۶۱، حاشیہ ۴۷ کی آخری سطر)

۵۸۴ء کے ایک کتبے پر خدا کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اصل الفاظ ہیں بردا رحمنن (یعنی رحمان کی مدد سے)۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۹۴ حاشیہ ۳۵ کی آخری سطر)

یمن میں چوتھی پانچویں صدی عیسوی کے جو کتبات آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلے میں برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں ایک توحیدی مذہب موجود تھا جس کے پیرو الرحمٰن اور رب السماء والارض ہی کو الٰہ واحد تسلیم کرتے تھے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۷، السجدہ، حاشیہ ۵ میں سے ماخوذ)

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۱۷۴، حاشیہ ۴

معاشرے صدیوں تک مہلت پر مہلت پاتے چلے جاتے ہیں، اور ان کو صرف رزق ہی نہیں ملے جاتا بلکہ دنیا میں ان کی بڑائی کے ڈنکے بجتے ہیں اور زینتِ حیات دنیا کے وہ سروسامان انھیں ملتے ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر نادان لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے۔ [1]

❖

سورہ حم السجدہ آیت ۲ میں ارشاد ہے: تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿۲﴾ خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نازل کردہ۔ اس کا نازل کرنے والا وہ خدا ہے جو اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان (رحمان و رحیم) ہے۔ نازل کرنے والے خدا کی دوسری صفات کے بجائے صفت رحمت کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اُس نے اپنی رحیمی کے اقتضا سے یہ کلام نازل کیا ہے۔ یہ تو ایک نعمتِ عظمٰی ہے جو خدا نے سراسر اپنی رحمت کی بنا پر انسانوں کی رہنمائی اور فلاح و سعادت کے لیے نازل کی ہے۔ خدا اگر انسانوں سے بے رخی برتتا تو انھیں اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا اور کچھ پروا نہ کرتا کہ یہ کس گڑھے میں جا کر گرتے ہیں۔ لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ پیدا کرنے اور روزی دینے کے ساتھ اُن کی زندگی سنوارنے کے لیے علم کی روشنی دکھانا بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اسی بنا پر یہ کلام اپنے ایک بندے پر نازل کر رہا ہے۔ اب اُس شخص سے بڑھ کر ناشکرا اور آپ اپنا دشمن کون ہوگا جو اس رحمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اُلٹا اس سے لڑنے کے لیے دوڑے۔ [2]

❖

قرآن مجید کا نازل کیا جانا سراسر اللہ کی رحمت ہے۔ وہ چونکہ اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے، اس لیے اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ تمھیں تاریکی میں بھٹکتا چھوڑ دے اور اُس کی رحمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ قرآن بھیج کر تمھیں وہ علم عطا فرمائے جس پر دُنیا میں تمھاری راست روی اور آخرت میں تمھاری فلاح کا انحصار ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۰، حاشیہ ۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، ص ۴۳۹، حاشیہ ۱

[3] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمن، ص ۲۴۸، حاشیہ ۱

چونکہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے اور خالق ہی کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی مخلوق کی رہنمائی کرے اور اُسے وہ راستہ بتائے جس سے وہ اپنا مقصدِ وجود پورا کر سکے، اس لیے اللہ کی طرف سے قرآن کی اس تعلیم کا نازل ہونا محض اُس کی رحمانیت ہی کا تقاضا نہیں ہے، بلکہ اُس کے خالق ہونے کا بھی لازمی اور فطری تقاضا ہے، خالق اپنی مخلوق کی رہنمائی نہ کرے گا تو اور کون کرے گا؟ اور خالق ہی رہنمائی نہ کرے تو اور کون کرسکتا ہے؟ اور خالق کے لیے اس سے بڑا عیب اور کیا ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو وہ وجود میں لائے اسے اپنے وجود کا مقصد پورا کرنے کا طریقہ نہ سکھائے؟ پس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تعلیم کا انتظام ہونا عجیب بات نہیں ہے، بلکہ یہ انتظام اگر اس کی طرف سے نہ ہوتا تو قابل تعجب ہوتا۔

❖

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغے کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے اور اگر ایک مبالغے کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا، تو پھر وہ اسی معنیٰ کا ایک اور لفظ بولتا ہے تا کہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغے میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے، رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغے کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حدوحساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغے کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں ''سخی'' کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر ''داتا'' کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب گورے کو کافی نہیں پاتے تو اس پر ''چٹے'' کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب ''لمبا'' کہنے سے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمن، ص ۲۴۸، حاشیہ ۲

تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد ''تڑ تکا'' بھی کہتے ہیں۔ [۱]

❖

یہ اللہ ہی کو زیب دیتا ہے کہ کسی نے خواہ اس کی کتنی ہی نافرمانیاں کی ہوں، جس وقت بھی وہ اپنی اس روش سے باز آ جائے اللہ اپنا دامنِ رحمت اس کے لیے کشادہ کر دیتا ہے۔ اپنے بندوں کے لیے کوئی جذبۂ انتقام وہ اپنے اندر نہیں رکھتا کہ ان کے قصوروں سے وہ کسی حال میں درگزر ہی نہ کرے اور انھیں سزا دیے بغیر نہ چھوڑے۔ [۲]

حقیقتِ نفس الامری کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنے سے جو منع کرتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمھاری راست روی سے اس کا کوئی فائدہ اور غلط روی سے اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے، بلکہ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ راست روی میں تمھارا اپنا فائدہ اور غلط روی میں تمھارا اپنا نقصان ہے۔ لہٰذا یہ سراسر اس کی مہربانی ہے کہ وہ تمھیں اُس صحیح طرزِ عمل کی تعلیم دیتا ہے جس سے تم بلند مدارج تک ترقی کرنے کے قابل بن سکتے ہو اور اس غلط طرزِ عمل سے روکتا ہے جس کی بدولت تم پست مراتب کی طرف تنزل کرتے ہو۔

تمھارا رب سخت گیر نہیں ہے، تم کو سزا دینے میں اُسے کوئی لطف نہیں آتا ہے، وہ تمھیں پکڑنے اور مارنے پر تلا ہوا نہیں ہے کہ ذرا تم سے قصور سرزد ہو اور وہ تمھاری خبر لے ڈالے۔ درحقیقت وہ اپنی تمام مخلوقات پر نہایت مہربان ہے، غایت درجے کے رحم و کرم کے ساتھ خدائی کر رہا ہے، اور یہی اس کا معاملہ انسانوں کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے وہ تمھارے قصور پر قصور معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ تم نافرمانیاں کرتے ہو، گناہ کرتے ہو، جرائم کا ارتکاب کرتے ہو، اس کے رزق سے پل کر بھی اس کے احکام سے منہ موڑتے ہو، مگر وہ حلم اور عفو ہی سے کام لیے جاتا ہے اور تمھیں سنبھلنے اور سمجھنے اور اپنی اصلاح کر لینے کے لیے مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے۔ ورنہ اگر وہ سخت گیر ہوتا تو اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ تمھیں دنیا سے رخصت کر دیتا اور تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کرتا، یا سارے انسانوں کو

---

[۱] تفہیم القرآن، ج اول، الفاتحہ ص ۴۴، حاشیہ ۴

[۲] تفہیم القرآن، ج ۶، المدثر ص ۱۵۷، حاشیہ ۴۳

ختم کر کے کوئی اور مخلوق پیدا کر دیتا۔[1]

وہ محض خالق ہی نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر غایت درجہ رحیم و شفیق اور اس کی ضروریات اور مصلحتوں کے لیے خود اُس سے بڑھ کر فکر کرنے والا ہے۔ انسان دنیا میں مسلسل محنت نہیں کر سکتا بلکہ ہر چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کے لیے آرام درکار ہوتا ہے تاکہ پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لیے اسے قوت بہم پہنچ جائے۔ اس غرض کے لیے خالق حکیم و رحیم نے انسان کے اندر صرف تکان کا احساس اور صرف آرام کی خواہش پیدا کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے ''نیند'' کا ایک ایسا زبردست داعیہ اس کے وجود میں رکھ دیا جو اس کے ارادے کے بغیر، حتیٰ کہ اس کی مزاحمت کے باوجود خود بخود ہر چند گھنٹوں کی بیداری و محنت کے بعد اسے آدبوچتا ہے۔ چند گھنٹے آرام لینے پر اس کو مجبور کر دیتا ہے اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد خود بخود اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس نیند کی ماہیت و کیفیت اور اس کے حقیقی اسباب کو آج تک انسان نہیں سمجھ سکا ہے۔ یہ قطعاً ایک پیدائشی چیز ہے جو آدمی کی فطرت اور اس کی ساخت میں رکھ دی گئی ہے۔ اس کا ٹھیک انسان کی ضرورت کے مطابق ہونا ہی اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ کسی حکیم نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق یہ تدبیر وضع کی ہے۔ اس میں ایک بڑی حکمت و مصلحت اور مقصدیت صاف طور پر کارفرما نظر آتی ہے۔ مزید براں یہی نیند اس بات پر بھی گواہ ہے کہ جس نے یہ مجبور کن داعیہ انسان کے اندر رکھا ہے وہ انسان کے حق میں خود اس سے بڑھ کر خیر خواہ ہے، ورنہ انسان بالارادہ نیند کی مزاحمت کر کے اور زبردستی جاگ جاگ کر اور مسلسل کام کر کر کے اپنی قوتِ کار کو ہی نہیں، قوتِ حیات تک کو ختم کر ڈالتا۔[2]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۸۲، ۵۸۳، حاشیہ ۱۰۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۷۔۷۴۸، حاشیہ ۳۳

۵۔ الملک

وہ بادشاہ ہے

اَلْمَلِكُ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل بادشاہ وہی ہے۔ نیز مطلقاً الملک کا لفظ استعمال کرنے سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ وہ کسی خاص علاقے یا مخصوص مملکت کا نہیں بلکہ سارے جہاں کا بادشاہ ہے۔ پوری کائنات پر اس کی سلطانی و فرمانروائی محیط ہے۔ ہر چیز کا وہ مالک ہے، ہر چیز اس کے تصرف اور اقتدار اور حکم کی تابع ہے اور اس کی حاکمیت (Sovereignty) کو محدود کرنے والی شے نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کے ان سارے پہلوؤں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (الروم:۲۶)

زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہیں اس کے مملوک ہیں، سب اس کے تابع ہیں۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدہ:۵)

آسمان سے زمین تک وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (الحدید:۵)

زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اس کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سارے معاملات رجوع کیے جاتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (الفرقان:۲)

بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (یٰس:۸۳)

ہر چیز کی سلطانی وفرمانروائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (البروج:۱۶)

جس چیز کا ارادہ کرے اُسے کر گزرنے والا۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (الانبیاء:۲۳)

جو کچھ وہ کرے اس پر وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے اور سب جواب دہ ہیں۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (الرعد:۴۱)

اور اللہ فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے۔

وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المومنون:۸۸)

اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلے میں نہیں دے سکتا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران:۲۶)

کہو، خدایا ملک کے مالک، تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ان توضیحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی حاکمیت کے کسی محدود یا مجازی مفہوم میں نہیں بلکہ اُس کے پورے مفہوم میں، اس کے مکمل تصور کے لحاظ سے حقیقی بادشاہی ہے۔ بلکہ درحقیقت حاکمیت جس چیز کا نام ہے وہ اگر کہیں پائی جاتی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس کے سوا اور جہاں بھی اس کے ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی بادشاہ یا ڈکٹیٹر کی ذات ہو، یا کوئی طبقہ یا گروہ یا خاندان ہو یا کوئی قوم ہو، اسے فی الواقع کوئی حاکمیت حاصل نہیں ہے، کیونکہ حاکمیت سرے سے اُس حکومت کو کہتے ہی نہیں ہیں جو کسی کا عطیہ ہو، جو کبھی ملتی ہو اور کبھی سلب ہو جاتی ہو، جسے کسی دوسری طاقت سے خطرہ لاحق ہو سکتا ہو، جس کا قیام و بقا عارضی و وقتی ہو، اور جس کے

دائرۂ اقتدار کو بہت سی دوسری متصادم قوتیں محدود کر رہی ہوں۔

❖

حقیقی اختیارات کا مالک اور واقعی رب وہی ہے، اس لیے اس کی بندگی کرنے والے خائب و خاسر نہیں رہ سکتے اور دوسرے تمام معبود سراسر بے حقیقت ہیں، ان کو جن صفات اور اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا ہے اُن کی سرے سے کوئی اصلیت نہیں ہے، اس لیے خدا سے منہ موڑ کر اُن کے اعتماد پر چلنے والے کبھی فلاح و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے۔ [۲]

❖

(قیامت کے روز) ساری مجازی بادشاہیاں اور ریاستیں ختم ہو جائیں گی جو دنیا میں انسان کو دھوکے میں ڈالتی ہیں۔ وہاں صرف ایک بادشاہی باقی رہ جائے گی اور وہ وہی اللہ کی بادشاہی ہے جو اس کائنات کا حقیقی فرمانروا ہے۔ سورۂ مومن میں ارشاد ہوا ہے:

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (آیت ۱۶)

وہ دن جب کہ یہ سب لوگ بے نقاب ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ پوچھا جائے گا آج بادشاہی کس کی ہے؟ ہر طرف سے جواب آئے گا اکیلے اللہ کی جو سب پر غالب ہے۔

حدیث میں اس مضمون کو اور زیادہ کھول دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ میں آسمانوں اور دوسرے ہاتھ میں زمین کو لے کر فرمائے گا أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الدَّيَّانُ، أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟ میں ہوں بادشاہ، میں ہوں فرمانروا، اب کہاں ہیں وہ زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ جبار؟ کہاں ہیں وہ متکبر لوگ؟ [۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر ص ۴۱۲ ـ ۴۱۳، حاشیہ ۳۶

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۷، حاشیہ ۱۰۹

[۳] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۴۶ ـ ۴۴۷، حاشیہ ۳۹

پوری کائنات تنہا اُسی کی سلطنت ہے۔ وہ صرف اس کو بنا کر اور ایک دفعہ حرکت دے کر نہیں رہ گیا بلکہ وہی عملاً اس پر ہر آن حکومت کر رہا ہے۔ اس حکومت و فرمانروائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل یا حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کو اگر عارضی طور پر اور محدود پیمانے پر اس کائنات میں کسی جگہ تصرف یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ اُن کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں جو انھیں اپنے زور پر حاصل ہوئے ہوں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہیں، جب تک اللہ چاہے وہ انھیں حاصل رہتے ہیں، اور جب چاہے وہ انھیں سلب کر سکتا ہے۔ [1]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۲۷، حاشیہ ۲

٦۔ اَلْقُدُّوْسُ

نہایت مقدس

اَلْقُدُّوْسُ مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ قدس ہے۔ قدس کے معنی ہیں تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزہ ہونا اور قدوس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدرجہا بالا و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب یا نقص یا کوئی قبیح صفت پائی جائے بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے جس کے بارے میں کسی برائی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

قدوسیت درحقیقت حاکمیت کے اولین لوازم میں سے ہے۔ انسان کی عقل اور فطرت یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ حاکمیت کی حامل کوئی ایسی ہستی ہو جو شریر اور بدخلق اور بدنیت ہو۔ جس میں قبیح صفات پائی جاتی ہوں۔ جس کے اقتدار سے اس کے محکوموں کو بھلائی نصیب ہونے کے بجائے برائی کا خطرہ لاحق ہو۔ اسی بنا پر انسان جہاں بھی حاکمیت کو مرکوز قرار دیتا ہے وہاں قدوسیت نہیں بھی ہوتی تو اسے موجود فرض کر لیتا ہے کیونکہ قدوسیت کے بغیر اقتدارِ مطلق ناقابلِ تصور ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا درحقیقت کوئی مقتدرِ اعلیٰ بھی قدوس نہیں ہے اور نہیں ہوسکتا۔ شخصی بادشاہی ہو یا جمہور کی حاکمیت، یا اشتراکی نظام کی فرمانروائی، یا انسانی حکومت کی کوئی دوسری صورت، بہرحال اس کے حق میں قدوسیت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ [1]

❖

اس سے بدرجہا منزہ اور پاک ہے کہ اس کے فیصلے میں کسی خطا اور غلطی کا امکان ہو۔ غلطی تمہاری سمجھ بوجھ میں ہوسکتی ہے، اُس کے فیصلے میں نہیں ہوسکتی۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۳۔۴۱۴، حاشیہ ۳۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، ص ۴۸۶، حاشیہ ۱

۷۔ اَلسَّلَامُ

سراسر سلامتی

السلام جس کے معنی ہیں سلامتی۔ کسی کو سلیم یا سالم کہنے کے بجائے سلامتی کہنے سے خود بخود مبالغے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کو حسین کہنے کے بجائے حسن کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ سراپا حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اَلسَّلَامُ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سراسر سلامتی ہے۔ اس کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ کوئی آفت یا کمزوری یا خامی اس کو لاحق ہو، یا کبھی اس کے کمال پر زوال آئے۔[1]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، ص ۴۱۴، حاشیہ ۳۸

۸۔ اَلمُؤمِنُ

امن دینے والا

جس کا مادہ امن ہے۔ امن کے معنی ہیں خوف سے محفوظ ہونا اور مومن وہ ہے جو دوسرے کو امن دے۔ اللہ تعالیٰ کو اس معنی میں مومن کہا گیا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہے۔ اُس کی خلق اِس خوف سے بالکل محفوظ ہے کہ وہ کبھی اس پر ظلم کرے گا، یا اس کا حق مارے گا، یا اس کا اجر ضائع کرے گا، یا اس کے ساتھ اپنے کیے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا (بلکہ) اس کا امن ساری کائنات اور اس کی ہر چیز کے لیے ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، ص ۴۱۴، حاشیہ ۳۹

۹۔ اَلْمُهَيْمِنُ

نگہبان

اَلْمُهَيْمِنُ کے تین معنی ہیں۔ایک نگہبانی اور حفاظت کرنے والا۔دوسرے شاہد، جو دیکھ رہا ہو کہ کون کیا کرتا ہے۔تیسرے قائم باموراَلخلق، یعنی جس نے لوگوں کی ضروریات اور حاجات پوری کرنے کا ذمہ اٹھا رکھا ہو۔وہ تمام مخلوقات کی نگہبانی وحفاظت کر رہا ہے،سب کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور کائنات کی ہر مخلوق کی خبر گیری اور پرورش اور ضروریات کی فراہمی کا اُس نے ذمہ اٹھا رکھا ہے۔ [1]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵،الحشر،ص ۴۱۴،حاشیہ ۴۰

سب پر غالب، بالا دست، بڑا زبردست

جس سے مراد ہے ایسی ہستی جس کے مقابلے میں کوئی سر نہ اٹھا سکتا ہو، جس کے فیصلوں کی مزاحمت کرنا کسی کے بس میں نہ ہو جس کے آگے سب بے بس اور بے زور ہوں۔ [۲]

❖

کائنات میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کے ارادے میں مزاحم ہو سکے اور اس کے حکم کو نافذ ہونے سے روک سکے۔ ہر شے اس سے مغلوب ہے اور کسی میں اس کے مقابلے کا بل بوتا نہیں ہے۔ [۳]
سب پر غالب اور کامل اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے نہیں روک سکتا۔ [۴]
ایسا زبردست اور قادر و قاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی،

---

[۱] العزیز کا مادہ ع ز ز ہے، عزت کا مفہوم عربی زبان میں اُردو کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے۔ اُردو میں عزت محض احترام اور قدر و منزلت کے معنی میں آتا ہے، مگر عربی میں عزت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی بلند اور محفوظ حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دوسرے الفاظ میں عزت، ناقابل ہتک حرمت کا ہم معنی ہے۔ سورۂ نساء آیت ۱۳۹ میں ارشاد ہے:

فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا

عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔ (**تفہیم القرآن**، ج اول، النساء، ص ۴۰۸، حاشیہ ۱۶۹)
عزت سے مراد عربی زبان میں کسی شخص کا ایسا طاقت ور اور زبردست ہونا کہ اس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔
(**تفہیم القرآن**، ج ۳، مریم، ص ۸۰، حاشیہ ۴۵)

[۲] **تفہیم القرآن**، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۵، حاشیہ ۴۱

[۳] **تفہیم القرآن**، ج ۴، السجدہ، ص ۳۹، حاشیہ ۱۱

[۴] **تفہیم القرآن**، ج ۴، فاطر، ص ۲۱۹، حاشیہ ۵

جس کی مزاحمت کسی کے بس میں نہیں ہے، جس کی اطاعت ہر ایک کو کرنی ہی پڑتی ہے، خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ جس کی نافرمانی کرنے والا اُس کی پکڑ سے کسی طرح بچ نہیں سکتا۔ [۱]

❖

کوئی اس سے لڑ کر جیت نہیں سکتا، نہ اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے فرمان سے منہ موڑ کر اگر کوئی شخص کامیابی کی توقع رکھتا ہو اور اس کے رسولؐ سے جھگڑا کر کے یہ امید رکھتا ہو کہ وہ اسے نیچا دکھا دے گا تو یہ اس کی اپنی حماقت ہے۔ ایسی توقعات کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ [۲]

❖

(طاقت کا مالک صرف اللہ ہی ہے) اللہ تعالیٰ نہ تو بالا رادہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اس کائنات میں کوئی طاقت ایسی ہے جو اس کا وعدہ پورا ہونے میں مانع ہو سکتی ہو۔ اس لیے اس امر کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا کہ ایمان و عمل صالح کے انعام میں جو کچھ اللہ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے وہ کسی کو نہ ملے؟ [۳]

❖

اس کی عطا و بخشش کا نظام اس کے اپنے زور پر قائم ہے۔ کسی کا یہ بل بوتا نہیں ہے کہ اسے بدل سکے یا زبردستی اس سے کچھ لے سکے یا کسی کو دینے سے اس کو روک سکے۔ [۴]

❖

اس کی قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے۔ مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا رحم ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ برسوں اور صدیوں ڈھیل دیتا ہے، سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیے جاتا ہے اور عمر بھر کی نافرمانیوں کو ایک توبہ پر معاف کر دینے

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۰۱، حاشیہ ۲

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۳۹۱، حاشیہ ۱

[۳] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۱۱، حاشیہ ۱۱

[۴] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۹۸، حاشیہ ۳۶

کے لیے تیار رہتا ہے۔ [۱]

تم کچھ اپنے بل بوتے پر اس کی زمین میں نہیں دندنا رہے ہو۔ اُس کا ایک اشارہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ تمھیں یہاں سے چلتا کرے اور کسی اور قوم کو تمھاری جگہ اٹھا کھڑا کرے۔ لٰہذا اپنی اوقات پہچانو اور وہ روش اختیار نہ کرو جس سے آخر کار قوموں کی شامت آیا کرتی ہے۔ خدا کی طرف سے جب کسی کی شامت آتی ہے تو ساری کائنات میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے اور اس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے روک سکے۔ [۲]

وہ سب پر غالب ہے۔ زمین و آسمان کا مالک ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی مِلک ہے۔ اُس کے ماسوا اس کائنات میں جن ہستیوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کوئی ہستی بھی ایسی نہیں ہے جو اُس سے مغلوب اور اس کی مملوک نہ ہو۔ یہ مغلوب اور مملوک ہستیاں اُس غالب اور مالک کے ساتھ خدائی میں شریک کیسے ہو سکتی ہیں اور آخر کس حق کی بنا پر انھیں معبود قرار دیا جا سکتا ہے۔ [۳]

قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبار اور ذوانتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے محض اُس کے اقتدارِ مطلق کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ صرف اُن مواقع پر ہوا ہے جہاں سلسلۂ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عزیز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۴۷۹۔۴۸۰، حاشیہ ۶

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۸، حاشیہ ۳۸

[۳] تفہیم القرآن، ج ۴، ص، ص ۳۴۷، حاشیہ ۵۸

ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، درگزر اور معاف کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو اور بدسیرت ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص کو دوسروں پر بالاتری حاصل ہے وہ یا تو اپنی طاقت کو نادانی اور جہالت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگدل ہے یا بخیل اور تنگ دل ہے، یا بدخو اور بدکردار ہے۔ طاقت کے ساتھ ان بری صفات کا اجتماع جہاں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کے ساتھ اس کے حکیم و علیم اور رحیم و غفور اور حمید و وہاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو ایسا کامل اقتدار رکھتا ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتا، مگر دوسری طرف وہ حکیم بھی ہے، اس کا ہر فیصلہ سراسر دانائی پر مبنی ہوتا ہے۔ علیم بھی ہے، جو فیصلہ بھی کرتا ہے ٹھیک ٹھیک علم کے مطابق کرتا ہے۔ رحیم بھی ہے، اپنے بے پناہ اقتدار کو بے رحمی کے ساتھ استعمال نہیں کرتا غفور بھی ہے، اپنے زیر دستوں کے ساتھ خردہ گیری کا نہیں بلکہ چشم پوشی و درگزر کا معاملہ کرتا ہے۔ وہاب بھی ہے، اپنی رعیت کے ساتھ بخیلی کا نہیں بلکہ بے انتہا فیاضی کا برتاؤ کر رہا ہے اور حمید بھی ہے۔ تمام قابلِ تعریف صفات و کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔

قرآن کے اس بیان کی پوری اہمیت وہ لوگ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو حاکمیت (Sovereignty) کے مسئلے پر فلسفہ قانون اور فلسفہ سیاست کی بحثوں سے واقف ہیں۔ حاکمیت نام ہی اس چیز کا ہے کہ صاحبِ حاکمیت غیر محدود اقتدار کا مالک ہو، کوئی داخلی و خارجی طاقت اُس کے حکم اور فیصلے کو نفاذ سے روکنے یا اس کو بدلنے یا اُس پر نظرثانی کرنے والی نہ ہو، اور کسی کے لیے اُس کی اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اس غیر محدود اقتدار کا تصور کرتے ہی انسانی عقل لازماً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا اقتدار جس کو بھی حاصل ہو اسے بے عیب اور علم و حکمت میں کامل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر اس اقتدار کا حامل نادان، جاہل، بے رحم اور بدخو ہو تو اس کی حاکمیت سراسر ظلم و فساد ہو گی۔ اسی لیے جن فلسفیوں نے کسی انسان، یا انسانی ادارے، یا انسانوں کے مجموعے کو حاکمیت کا حامل قرار دیا ہے ان کو یہ فرض کرنا پڑا ہے کہ وہ غلطی سے مبرا ہو گا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو غیر محدود حاکمیت فی الواقع کسی انسانی اقتدار کو حاصل

ہوسکتی ہے اور نہ یہی ممکن ہے کہ کسی بادشاہ یا پارلیمنٹ، یا قوم، یا پارٹی کو ایک محدود دائرے میں جو حاکمیت حاصل ہو اُسے وہ بے عیب اور بے خطا طریقے سے استعمال کر سکے۔ اس لیے کہ ایسی حکمت جس میں نادانی کا شائبہ نہ ہو اور ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو، سرے سے پوری نوع انسانی ہی کو حاصل نہیں ہے کجا کہ وہ انسانوں میں سے کسی شخص یا ادارے یا قوم کو نصیب ہو جائے اور اسی طرح انسان جب تک انسان ہے اس کا خودغرضی، نفسانیت، خوف، لالچ، خواہشات، تعصب اور جذباتی رضا و غضب اور محبت و نفرت سے بالکل پاک اور بالاتر ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ ان حقائق کو اگر کوئی شخص نگاہ میں رکھ کر غور کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ قرآن اپنے اس بیان میں درحقیقت حاکمیت کا بالکل صحیح اور مکمل تصور پیش کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''عزیز'' یعنی اقتدار مطلق کا حامل اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے اور اس غیر محدود اقتدار کے ساتھ وہی ایک ہستی ایسی ہے جو بے عیب ہے، حکیم و علیم ہے، رحیم و غفور ہے اور حمید و وہاب ہے۔ [1]

❖

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الحدید، ص ۳۰۱۔ ۳۰۲، حاشیہ ۲

اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا

[اس] کا مادہ جبر ہے۔ جبر کے معنی ہیں کسی شے کو طاقت سے درست کرنا، کسی چیز کی بزور اصلاح کرنا۔ اگرچہ عربی زبان میں کبھی جبر محض اصلاح کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی صرف زبردستی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس کا حقیقی مفہوم اصلاح کے لیے طاقت کا استعمال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو جبار اس معنی میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کائنات کا نظم بزور درست رکھنے والا اور اپنے ارادے کو، جو سراسر حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ جبراً نافذ کرنے والا ہے۔ علاوہ بریں لفظ جبار میں عظمت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ عربی زبان میں کھجور کے اس درخت کو جبار کہتے ہیں جو اتنا بلند و بالا ہو کہ اس کے پھل توڑنا کسی کے لیے آسان نہ ہو۔ اسی طرح کوئی کام جو بڑا عظیم الشان ہو عمل جبار کہلاتا ہے۔ [1]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۵، حاشیہ ۴۲

۱۲۔ المتکبر

بڑا ہی ہو کر رہنے والا

[اس] کے دو مفہوم ہیں: ایک وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔ انسان ہو یا شیطان، یا کوئی اور مخلوق، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اُس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا ایک جھوٹا اِدعا اور بدترین عیب ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادعا اور تصنع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے۔ ایک بری صفت نہیں بلکہ ایک خوبی ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔ [1]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۵، حاشیہ ۴۳

۱۳۔ الخالق

تخلیق کا منصوبہ بنانے والا

پوری دنیا اور دنیا کی ہر چیز تخلیق کے ابتدائی منصوبے سے لے کر اپنی مخصوص صورت میں وجود پذیر ہونے تک بالکل اُسی کی ساختہ پرداختہ ہے۔ کوئی چیز بھی نہ خود وجود میں آئی ہے، نہ اتفاقاً پیدا ہوگئی ہے، نہ اس کی ساخت و پرداخت میں کسی دوسرے کا ذرہ برابر کوئی دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کے تین الگ مراتب ہیں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوتے ہیں۔ پہلا مرتبہ خلق ہے جس کے معنی تقدیر یا منصوبہ سازی کے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انجینئر ایک عمارت بنانے سے پہلے یہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ایسی اور ایسی عمارت فلاں خاص مقصد کے لیے بنانی ہے اور اپنے ذہن میں اس کا نقشہ (Design) سوچتا ہے کہ اس مقصد کے لیے زیرِ تجویز عمارت کی تفصیلی صورت اور مجموعی شکل یہ ہونی چاہیے۔ [۱]

❖

ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنے آدمی بھی پیدا ہوئے ہیں اور آیندہ قیامت تک ہوں گے، ان سب کو وہ ایک آن کی آن میں پھر پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی قدرتِ تخلیق ایک انسان کو بنانے میں اس طرح مشغول نہیں ہوتی کہ اسی وقت وہ دوسرے انسان نہ پیدا کر سکے۔ اس کے لیے ایک انسان کا بنانا اور کھربوں انسانوں کا بنا دینا یکساں ہے۔ [۲]

❖

دنیا کی ہر شے جیسی کچھ بھی بنی ہوئی ہے، اُسی کے بنانے سے بنی ہے۔ ہر چیز کو جو بناوٹ، جو شکل و صورت، جو قوت و صلاحیت اور جو صفت و خاصیت حاصل ہے، اُسی کے عطیے اور بخشش کی بدولت حاصل

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۶، حاشیہ ۴۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۴۴، حاشیہ ۴۹

ہے۔ ہاتھ کو دنیا میں اپنا کام کرنے کے لیے جس ساخت کی ضرورت تھی وہ اس کو دی، اور پاؤں کو جو مناسب ترین ساخت درکار تھی وہ اس کو بخشی۔ انسان، حیوان، نباتات، جمادات، ہوا، پانی، روشنی، ہر ایک چیز کو اس نے وہ صورتِ خاص عطا کی ہے جو اسے کائنات میں اپنے حصّے کا کام ٹھیک انجام دینے کے لیے مطلوب ہے۔ [1]

❖

(دوسرے الفاظ میں اسے یوں بیان کر سکتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کو وجود بخشا ہے، بلکہ وہی ہے جس نے ایک ایک چیز کے لیے صورت، جسامت، قُوت و استعداد، اوصاف و خصائص، کام اور کام کا طریق، بقا کی مدّت، عُروج و ارتقاء کی حد، اور دوسری وہ تمام تفصیلات مقرر کی ہیں جو اُس چیز کی ذات سے متعلق ہیں، اور پھر اسی نے عالمِ وجود میں وہ اسباب و وسائل اور مواقع پیدا کیے ہیں جن کی بدولت ہر چیز یہاں اپنے اپنے دائرے میں اپنے حصّے کا کام کر رہی ہے۔ [2]

❖

تمھیں پیدا کیا تو اس طرح کہ ایک بہترین جسم، نہایت موزوں اعضا اور نہایت اعلیٰ درجے کی جسمانی و ذہنی قُوتوں کے ساتھ تم کو عطا کیا۔ یہ سیدھا قامت، یہ ہاتھ اور یہ پاؤں، یہ آنکھ ناک اور یہ کان، یہ بولتی ہوئی زبان اور یہ بہترین صلاحیتوں کا مخزن دماغ تم خود بنا کر نہیں لے آئے تھے، نہ تمھاری ماں اور تمھارے باپ نے انھیں بنایا تھا، نہ کسی نبی یا ولی یا دیوتا میں یہ قدرت تھی کہ انھیں بناتا۔ ان کا بنانے والا وہ حلیم و رحیم قادرِ مطلق ہے جس نے انسان کو وجود میں لانے کا جب فیصلہ کیا تو اسے دنیا میں کام کرنے کے لیے ایسا بے نظیر جسم دے کر پیدا کیا۔ [3]

باوجودیکہ تمھارے قوائے نطقیہ یکساں ہیں، نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے اور نہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، ص ۹۷، حاشیہ ۲۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۴۳، حاشیہ ۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۴۲۳، حاشیہ ۹۱

دماغ کی ساخت میں، مگر زمین کے مختلف خطّوں میں تمھاری زبانیں مختلف ہیں، پھر ایک ہی زبان بولنے والے علاقوں میں شہر شہر اور بستی بستی کی بولیاں مختلف ہیں، اور مزید یہ کہ ہر شخص کا لہجہ اور تلفّظ اور طرزِ گفتگو دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح تمھارا مادّۂ تخلیق اور تمھاری بناوٹ کا فارمولا ایک ہی ہے، مگر تمھارے رنگ اس قدر مختلف ہیں کہ قوم اور قوم تو درکنار، ایک ماں باپ کے دو بیٹوں کا رنگ بھی بالکل یکساں نہیں ہے۔ دنیا میں آپ ہر طرف اتنا تنوّع (Variety) پائیں گے کہ اس کا احاطہ مشکل ہو جائے گا۔ انسان، حیوان، نباتات اور دوسری تمام اشیا کی جس نوع کو بھی آپ لے لیں اس کے افراد میں بنیادی یکسانی کے باوجود بے شمار اختلافات موجود ہیں، حتیٰ کہ کسی نوع کا بھی کوئی ایک فرد دوسرے سے بالکل مشابہ نہیں ہے، حتیٰ کہ ایک درخت کے دو پتوں میں بھی پُوری مشابہت نہیں پائی جاتی۔ یہ چیز صاف بتا رہی ہے کہ یہ دُنیا کوئی ایسا کارخانہ نہیں ہے جس میں خود کار مشینیں چل رہی ہوں اور کثیر پیداواری (Mass Production) کے طریقے پر ہر قسم کی اشیا کا بس ایک ایک ٹھپّہ ہو جس سے ڈھل ڈھل کر ایک ہی طرح کی چیزیں نکلتی چلی آ رہی ہوں۔ بلکہ یہاں ایک ایسا زبردست کاریگر کام کر رہا ہے جو ہر ہر چیز کو پُوری طرح انفرادی توجہ کے ساتھ ایک نئے ڈیزائن نئے نقش و نگار، نئے تناسُب اور نئے اوصاف کے ساتھ بناتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز اپنی جگہ منفرد ہے۔ اس کی قوتِ ایجاد ہر آن ہر چیز کا ایک نیا ماڈل نکال رہی ہے، اور اس کی صنّاعی ایک ڈیزائن کو دوسری مرتبہ دُہرانا اپنے کمال کی توہین سمجھتی ہے۔ اس حیرت انگیز منظر کو جو شخص اپنی آنکھیں کھول کر دیکھے گا وہ کبھی اس احمقانہ تصوّر میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک دفعہ اس کارخانے کو چلا کر کہیں جا سویا ہے۔ یہ تو اس بات کا کُھلا ثبوت ہے کہ وہ ہر وقت کارِ تخلیق میں لگا ہُوا ہے اور اپنی خلق کی ایک ایک چیز پر انفرادی توجہ صرف کر رہا ہے۔ [1]

❖

کائنات کی ہر چیز کا عدم سے وجود میں آنا، اور ایک اٹل ضابطے پر ان کا قائم ہونا، اور بے شمار قُوتوں کا ان کے اندر انتہائی تناسُب و توازُن کے ساتھ کام کرنا، اپنے اندر اس بات کی بہت سی نشانیاں

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۶، ۷۴۷، حاشیہ ۳۲

رکھتا ہے کہ اس پُوری کائنات کو ایک خالق اور ایک ہی خالق وجود میں لایا ہے، اور وہی اس عظیم الشان نظام کی تدبیر کررہا ہے۔ ایک طرف اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ وہ ابتدائی قوت (Energy) کہاں سے آئی جس نے مادّے کی شکل اختیار کی، پھر مادّے کے یہ بہت سے عناصر کیسے بنے، پھر ان عناصر کی اس قدر حکیمانہ ترکیب سے اتنی حیرت انگیز مناسبتوں کے ساتھ مدہوش کُن نظامِ عالم کیسے بن گیا، اور اب یہ نظام کروڑ ہا کروڑ صدیوں سے کس طرح ایک زبردست قانونِ فطرت کی بندش میں کسا ہُوا چل رہا ہے، تو ہر غیر متعصب عقل اس نتیجے پر پہنچے گی کہ یہ سب کسی علیم وحکیم کے غالب ارادے کے بغیر محض بخت واتفاق کے نتیجے میں نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری طرف اگر یہ دیکھا جائے کہ زمین سے لے کر کائنات کے بعید ترین سیاروں تک سب ایک ہی طرح کے عناصر سے مرکّب ہیں اور ایک ہی قانونِ فطرت ان میں کارفرما ہے تو ہر عقل جو ہٹ دھرم نہیں ہے، بلاشبہ یہ تسلیم کرے گی کہ یہ سب کچھ بہت سے خداؤں کی خدائی کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی خدا اس پُوری کائنات کا خالق اور رب ہے۔ [1]

❖

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ صورت سے مُراد محض انسان کا چہرہ نہیں ہے، بلکہ اس سے مُراد اس کی پُوری ساخت ہے اور وہ قُوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں جو اس دُنیا میں کام کرنے کے لیے آدمی کو عطا کی گئی ہیں۔ ان دونوں حیثیتوں سے انسان کو زمین کی مخلوقات میں سب سے بہتر بنایا گیا ہے اور اسی بنا پر وہ اس قابل ہُوا ہے کہ اُن تمام موجودات پر حکمرانی کرے جو زمین اور اس کے گردوپیش میں پائی جاتی ہیں۔ اُس کو کھڑا قد دیا گیا ہے۔ اس کو چلنے کے لیے مناسب ترین پاؤں دیے گئے ہیں۔ اس کو کام کرنے کے لیے موزوں ترین ہاتھ دیے گئے ہیں۔ اس کو ایسے حواس اور ایسے آلاتِ علم دیے گئے ہیں جن کے ذریعے سے وہ ہر طرح کی معلومات حاصل کرتا ہے۔ اس کو سوچنے اور سمجھنے اور معلومات کو جمع کرکے اُن سے نتائج اخذ کرنے کے لیے ایک اعلیٰ درجے کا ذہن دیا گیا ہے۔ اس کو اخلاقی حِس اور قوتِ تمیز دی گئی ہے جس کی بنا پر وہ بھلائی اور بُرائی اور صحیح اور غلط میں فرق کرتا ہے۔ اُس کو ایک قُوتِ فیصلہ دی گئی ہے جس سے کام لے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۷، حاشیہ ۳۱

کروہ اپنی راہِ عمل کا خود انتخاب کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ اپنی کوششوں کو کس راستے پر لگائے اور کس پر نہ لگائے۔ اس کو یہاں تک آزادی دے دی گئی ہے کہ چاہے تو اپنے خالق کو مانے اور اس کی بندگی کرے ورنہ اس کا انکار کردے، یا جن جن کو چاہے اپنا خدا بنا بیٹھے، یا جسے خدا مانتا ہو اس کے خلاف بھی بغاوت کرنا چاہے تو کر گزرے۔ ان ساری قوتوں اور ان سارے اختیارات کے ساتھ اُسے خُدا نے اپنی پیدا کردہ بے شمار مخلوقات پر تصرّف کرنے کا اقتدار دیا ہے اور وہ عملاً اِس اقتدار کو استعمال کررہا ہے۔ [1]

❖

خالق اپنی مخلوق کی رہنمائی نہ کرے گا تو اور کون کرے گا؟ اور خالق ہی رہنمائی نہ کرے تو اور کون کرسکتا ہے؟ اور خالق کے لیے اس سے بڑا عیب اور کیا ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو وہ وجود میں لائے اسے اپنے وجود کا مقصد پُورا کرنے کا طریقہ نہ سکھائے؟ پس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تعلیم کا انتظام ہونا عجیب بات نہیں، بلکہ یہ انتظام اگر اس کی طرف سے نہ ہوتا تو قابلِ تعجب ہوتا۔ پُوری کائنات میں جو چیز بھی اُس نے بنائی ہے اُس کو محض پیدا کرکے نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کو وہ موزوں ترین ساخت دی ہے جس سے وہ نظامِ فطرت میں اپنے حصے کا کام کرنے کے قابل ہوسکے، اور اُس کام کو انجام دینے کا طریقہ اُسے سکھایا ہے۔ خود انسان کے اپنے جسم کا ایک ایک رونگٹا اور ایک ایک خُلیّہ (Cell) وہ کام سیکھ کر پیدا ہُوا ہے جو اُسے انسانی جسم میں انجام دینا ہے۔ پھر آخر انسان بجائے خود اپنے خالق کی تعلیم و رہنمائی سے بے نیاز یا محروم کیسے ہوسکتا تھا؟ قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے، سورۂ لیل (آیت ۱۲) میں فرمایا: اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى رہنمائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ سُورۂ نحل (آیت ۹) میں ارشاد ہوا: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ یہ اللہ کے ذمّے ہے کہ سیدھا راستہ بتائے اور ٹیڑھے راستے بہت سے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ (آیات ۴۷۔۵۰) میں ذکر آتا ہے کہ جب فرعون نے حضرت مُوسیٰؑ کی زبان سے پیغامِ رسالت سُن کر حیرت سے پُوچھا کہ آخر وہ تمھارا رب کون سا ہے جو میرے پاس رسُول بھیجتا ہے، تو حضرت موسیٰؑ نے جواب

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، التغابن، ص ۵۳۰، حاشیہ ۷

دیا کہ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی اور پھر اس کی رہنمائی کی۔ یعنی وہ طریقہ سکھایا جس سے وہ نظامِ وجود میں اپنے حصے کا کام کر سکے۔ یہی وہ دلیل ہے جس سے ایک غیر متعصب ذہن اس بات پر مطمئن ہوجاتا ہے کہ انسان کی تعلیم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُسولوں اور کتابوں کا آنا عین تقاضائے فطرت ہے۔ [1]

❖

اللہ تعالیٰ کے طریقِ تخلیق اور انسانی صناعی کا فرق بالکل واضح ہے، انسان جب کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ اپنے ذہن میں جماتا ہے، پھر اُس کے لیے مطلوبہ مواد جمع کرتا ہے، پھر اس مواد کو اپنے نقشے کے مطابق صورت دینے کے لیے پیہم محنت اور کوشش کرتا ہے، اور اس کوشش کے دوران میں وہ مواد، جسے وہ اپنے ذہنی نقشے کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے، مسلسل اس کی مزاحمت کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ کبھی مواد کی مزاحمت کامیاب ہوجاتی ہے اور چیز مطلوبہ نقشے کے مطابق ٹھیک نہیں بنتی اور کبھی آدمی کی کوشش غالب آجاتی ہے اور وہ اسے اپنی مطلوبہ شکل دینے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک درزی قمیص بنانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ پہلے قمیص کی صورت کا تصوّر اپنے ذہن میں حاضر کرتا ہے، پھر کپڑا فراہم کر کے اُسے اپنے تصوّرِ قمیص کے مطابق تراشنے اور سینے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کوشش کے دوران میں اُسے کپڑے کی اس مزاحمت کا مسلسل مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ درزی کے تصوّر پر ڈھلنے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا، حتیٰ کہ کبھی کپڑے کی مزاحمت غالب آجاتی ہے اور قمیص ٹھیک نہیں بنتا اور کبھی درزی کی کوشش غالب آجاتی ہے اور وہ کپڑے کو ٹھیک اپنے تصوّر کے مطابق شکل دے دیتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کا طرزِ تخلیق دیکھیے۔ کائنات کا مادّہ دھوئیں کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ اسے وہ شکل دے جو اب کائنات کی ہے۔ اس غرض کے لیے اُسے کسی انسان کاریگر کی طرح بیٹھ کر زمین اور چاند اور سُورج اور دوسرے تارے اور سیارے گھڑنے نہیں پڑے، بلکہ اُس نے کائنات کے اُس نقشے کو جو اُس کے ذہن میں تھا بس یہ حکم دے دیا کہ وہ وجود میں آجائے، یعنی دھوئیں کی طرح پھیلا ہوا مواد اُن کہکشانوں اور تاروں اور سیاروں کی شکل میں ڈھل جائے جنھیں وہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس مواد

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، ص ۲۴۸۔۲۴۹، حاشیہ ۲

میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اللہ کے حکم کی مزاحمت کرتا۔ اللہ کو اسے کائنات کی صورت میں ڈھالنے کے لیے کوئی محنت اور کوشش نہیں کرنی پڑی۔ اُدھر حکم ہُوا اِدھر وہ مواد سکڑ اور سمٹ کر فرمانبرداروں کی طرح اپنے مالک کے نقشے پر ڈھلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ۴۸ گھنٹوں میں زمین سمیت ساری کائنات بن کر تیار ہوگئی۔ [۱]

❖

خدا ہے، اور زمین و آسمان کی تدبیر کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ زمین کی بے شمار مخلوقات کے رزق کا انحصار اُس پیداوار پر ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اس پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیتِ بار آوری پر ہے۔ اس صلاحیّت کے روبکار آنے کا انحصار بارش پر ہے، خواہ وہ براہِ راست زمین پر برسے، یا اس کے ذخیرے سطحِ زمین پر جمع ہوں، یا زیرِ زمین چشموں اور کنوؤں کی شکل اختیار کریں، یا پہاڑوں پر یخ بستہ ہوکر دریاؤں کی شکل میں بہیں۔ پھر اس بارش کا انحصار سورج کی گرمی پر، موسموں کے ردّو بدل پر، فضائی حرارت و برودت پر، ہواؤں کی گردش پر، اور اُس بجلی پر ہے جو بادلوں سے بارش برسنے کی مُحرّک بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی قدرتی کھاد بھی شامل کردیتی ہے۔ زمین سے لے کر آسمان تک کی ان تمام مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم ہونا، پھر ان سب کا بے شمار مختلف النوع مقاصد اور مصلحتوں کے لیے صریحاً سازگار رہنا، اور ہزاروں لاکھوں برس تک اِن کا پوری ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل سازگاری کرتے چلے جانا، کیا یہ سب کچھ محض اتفاقاً ہوسکتا ہے، کیا یہ کسی صانع حکیم کی حکمت اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کی غالب تدبیر کے بغیر ہوگیا ہے؟ اور کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ زمین، سورج، ہوا، پانی، حرارت، بُرودت، اور زمین کی مخلوقات کا خالق اور رب ایک ہی ہے۔ [۲]

❖

یہ ایک حقیر بُوند سے بولتا چالتا اور حُجّت و استدلال کرتا انسان بنا کھڑا کرنا، یہ اُس کی ضرورت کے

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰمٓ السجدہ، ص ۴۴۶، حاشیہ ۱۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۹، حاشیہ ۳۵

عین مطابق بہت سے جانور پیدا کرنا جن کے بال اور کھال، خون اور دودھ، گوشت اور پیٹھ، ہر چیز میں انسانی فطرت کے بہت سے مطالبات کا، حتیٰ کہ اس کے ذوقِ جمال کی مانگ تک کا جواب موجود ہے۔ یہ آسمان سے بارش کا انتظام، اور یہ زمین میں طرح طرح کے پھلوں اور غلّوں اور چاروں کی روئیدگی کا انتظام، جس کے بے شمار شعبے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کھاتے چلے جاتے ہیں اور پھر انسان کی بھی فطری ضرورتوں کے عین مطابق ہیں۔ یہ رات اور دن کی باقاعدہ آمد و رفت، اور یہ چاند اور سورج اور تاروں کی انتہائی منظم حرکات، جن کا زمین کی پیداوار اور انسان کی مصلحتوں سے اتنا گہرا ربط ہے۔ یہ زمین میں سمندروں کا وجود، اور یہ اُن کے اندر انسان کی بہت سی طبعی اور جمالی طلبوں کا جواب۔ یہ پانی کا چند مخصوص قوانین سے جکڑا ہوا ہونا، اور پھر اس کے یہ فائدے کہ انسان سمندر جیسی ہولناک چیز کا سینہ چیرتا ہوا اس میں اپنے جہاز چلاتا ہے اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر اور تجارت کرتا پھرتا ہے۔ یہ دھرتی کے سینے پر پہاڑوں کے اُبھار اور یہ انسان کی ہستی کے لیے اُن کے فائدے۔ یہ سطحِ زمین کی ساخت سے لے کر آسمان کی بلند فضاؤں تک بے شمار علامتوں اور امتیازی نشانوں کا پھیلاؤ اور پھر اس طرح ان کا انسان کے لیے مفید ہونا، یہ ساری چیزیں صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایک ہی ہستی نے یہ منصوبہ سوچا ہے، اُسی نے اپنے منصوبے کے مطابق ان سب کو ڈیزائن کیا ہے، اُسی نے اس ڈیزائن پر ان کو پیدا کیا ہے، وہی ہر آن اس دنیا میں نت نئی چیزیں بنا بنا کر اس طرح لا رہا ہے کہ مجموعی اسکیم اور اس کے نظم میں ذرا فرق نہیں آتا، اور وہی زمین سے لے کر آسمانوں تک اس عظیم الشان کارخانے کو چلا رہا ہے۔ ایک بیوقوف یا ایک ہٹ دھرم کے سوا اور کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے؟ یا یہ کہ اس کمال درجے منظم، مربوط اور متناسب کائنات کے مختلف کام یا مختلف اجزا مختلف خداؤں کے آفریدہ اور مختلف خداؤں کے زیرِ انتظام ہیں۔ [1]

❖

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سمیت تمام مشرکین کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ بجز دہریوں کے اور کسی کو بھی دُنیا میں اللہ کے خالقِ کائنات ہونے سے انکار نہیں رہا۔ (حضرت

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل ص ۵۳۱، حاشیہ ۱۵

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) کہ میں صرف اس کی عبادت کو صحیح و برحق سمجھتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ دوسری کوئی ہستی میری عبادت کی کیسے مستحق ہو سکتی ہے جبکہ میرے پیدا کرنے میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ مخلوق کو اپنے خالق کی بندگی تو کرنی ہی چاہیے، لیکن غیر خالق کی بندگی وہ کیوں کرے۔ [1]

❖

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۵۰۲، حاشیہ ۵۷۔

۱۴۔ البَارِئُ

اپنے منصوبے کو نافذ کرنے والا

دوسرا مرتبہ ہے بُرء، جس کے اصل معنی ہیں جُدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ خالق کے لیے باری کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سوچے ہوئے نقشے کو نافذ کرتا اور اُس چیز کو، جس کا نقشہ اُس نے سوچا ہے، عدم سے نکال کر وجود میں لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انجینئر نے عمارت کا جو نقشہ ذہن میں بنایا تھا اس کے مطابق وہ ٹھیک ناپ تول کر کے زمین پر خط کشی کرتا ہے، پھر بنیادیں کھودتا ہے، دیواریں اٹھاتا ہے اور تعمیر کے سارے عملی مراحل طے کرتا ہے۔ [1]

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، ص ۴۱۶، حاشیہ ۳۵

۱۵۔ المُصَوِّرُ

اپنے منصوبے کے مطابق صُورت گری کرنے والا

تیسرا مرتبہ تصویر ہے جس کے معنی ہیں صورت بنانا، ایک شے کو اس کی آخری مکمل صُورت میں بنا دینا۔

ان تینوں مراتب میں اللہ تعالیٰ کے کام اور انسانی کاموں کے درمیان سرے سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ انسان کا کوئی منصوبہ بھی ایسا نہیں ہے جو سابق نمونوں سے ماخوذ نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ہر منصوبہ بے مثال اور اس کی اپنی ایجاد ہے۔ انسان جو کچھ بھی بناتا ہے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ مادّوں کو جوڑ جاڑ کر بناتا ہے۔ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں نہیں لاتا بلکہ جو کچھ موجود ہے اسے مختلف طریقوں سے ترکیب دیتا ہے۔ بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ تمام اشیا کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور وہ مادّہ بھی بجائے خود اس کا پیدا کردہ ہے جس سے اس نے یہ دُنیا بنائی ہے، اسی طرح صُورت گری کے معاملے میں انسان مُوجد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کا نقال اور بھونڈا نقال ہے۔ اصل مصوّر اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہر جنس، ہر نوع، اور ہر فرد کی صورت لاجواب بنائی ہے اور کبھی ایک صورت کی ہُو بہُو تکرار نہیں کی ہے۔ [1]

❖

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۶، حاشیہ ۳۵

سورۃ الحدید آیت ۳ میں ارشاد ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ

جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا۔

۱۷۔ اَلْآخِرُ

وُہی آخر ہے

جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے لیے خلُود اور ابدی زندگی کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بات کیسے نبھ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر ہے، یعنی جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا۔

اس کا جواب قرآنِ مجید ہی میں ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ (القصص:۸۸) یعنی ہر چیز فانی ہے اللہ کی ذات کے سوا۔ دوسرے الفاظ میں ذاتی بقا کسی مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز باقی ہے یا باقی رہے تو وہ اللہ کے باقی رکھنے ہی سے باقی رہ سکتی ہے، ورنہ بذاتِ خود اُس کے سوا سب فانی ہیں۔ جنت اور دوزخ میں کسی کو خلود اس لیے نہیں ملے گا کہ وہ بجائے خود غیر فانی ہے بلکہ اس لیے ملے گا کہ اللہ اس کو حیاتِ ابدی عطا فرمائے گا۔ یہی معاملہ فرشتوں کا بھی ہے کہ وہ بذاتِ خود غیر فانی نہیں ہیں۔ جب اللہ نے چاہا تو وہ وجود میں آئے، اور جب تک وہ چاہے اُسی وقت تک وہ موجود رہ سکتے ہیں۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الحدید، ص۳۰۳، حاشیہ۳

۱۸۔ اَلظَّاهِرُ

وُہی ظاہر ہے

وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے، کیونکہ دُنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اُسی کی صفات اور اُسی کے افعال اور اُسی کے نُور کا ظہور ہے۔ [1]

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۰۳، حاشیہ ۳

۱۹۔ اَلْبَاطِنُ

وُہ مخفی ہے

وُہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار، عقل وفکر وخیال تک اس کی کُنہ وحقیقت کو نہیں پا سکتے۔

اس کی [۱] بہترین تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا کے یہ الفاظ ہیں جنھیں امام احمد، مسلم، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور حافظ ابویعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:

اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ

تُو ہی پہلا ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں۔

وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ

تو ہی آخر ہے، کوئی تیرے بعد نہیں۔

وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ

تُو ہی ظاہر ہے، کوئی تجھ سے اوپر نہیں

وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ

تُو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں۔ [۲]

❖

---

[۱] سُورہ الحدید کی تیسری آیت ہے جس میں یہ اسمائے الٰہی مذکور ہیں۔

[۲] **تفہیم القرآن**، ج ۵، الحدید، ص ۳۰۳، حاشیہ ۳

۲۰۔ اَلْحَیُّ

زندہ جاوید ہستی، اپنے بل پر آپ زندہ ہے

سُورۃ البقرہ آیت ۲۵۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی ہے، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

سورۃ آلِ عمران آیت ۲ میں ہے: الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ② ا۔ل۔م۔ اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو نظامِ کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، حقیقت میں اُس کے سوا کوئی خُدا نہیں ہے۔

سورہ مومن آیت ۶۵ میں ارشاد ہے: هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۔ وُہی زندہ ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے اصلی اور حقیقی زندگی اسی کی ہے۔ اپنے بل پر آپ زندہ وہی ہے۔ اَزَلی و اَبَدی حیات اس کے سوا کسی کی بھی نہیں ہے۔ باقی سب کی حیات عطائی ہے، عارضی ہے، موت آشنا ہے اور فنا در آغوش ہے۔ [1]

❖

نادان لوگوں نے اپنی جگہ چاہے کتنے ہی خدا اور معبود بنا رکھے ہوں، مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ خُدائی پُوری کی پُوری بلاشرکتِ غیرے اس غیر فانی ذات کی ہے، جو کسی کی بخشی ہوئی زندگی سے نہیں، بلکہ آپ اپنی ہی حیات سے زندہ ہے اور جس کے بل بوتے ہی پر کائنات کا یہ سارا نظام قائم ہے [2] ۔

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۴۲۴، حاشیہ ۹۲

[2] تفہیم القرآن، ج اوّل، البقرہ، ص ۱۹۳، حاشیہ ۲۷۸

۲۱۔ اَلْقَیُّوْمُ

اپنے بل بُوتے پر آپ قائم رہنے والا۔ کائنات کو سنبھالنے والا

سُورۂ بقرہ آیت ۲۵۵ اور آل عمران آیت ۲ میں ارشادِ ربانی ہے: اور وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اسی کے بل بوتے پر کائنات کا یہ سارا نظام قائم ہے۔

یہ اتھاہ کائنات اللہ تعالیٰ کے قائم رکھنے سے قائم ہے۔ کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی اس کو سنبھالے ہوئے نہیں ہے۔ کائنات کو سنبھالنا تو درکنار یہ بے بس بندے تو اپنے وجود کو سنبھالنے پر بھی قادر نہیں۔ ہر ایک اپنی پیدائش اور اپنی بقا کے لیے ہر آن اللہ جل شانہٗ کا محتاج ہے۔ ان میں سے کسی کے متعلق یہ سمجھنا کہ خدائی کی صفات اور اختیارات میں اس کا کوئی حصہ ہے، خالص حماقت اور فریب خوردگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۴۰، حاشیہ ۶۹

۲۲۔ اَلْعَلِیُّ

بزرگ، بالا دست

سُورۂ بقرہ آیت ۲۵۵ میں ہے: وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ۔
سُورہ الحج آیت ۶۲۔ سُورہ لقمان آیت ۳۰۔ سُورۂ سبا آیت ۲۳، اور غافر آیت ۱۲ میں
هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ بیان ہُوا ہے۔ علاوہ ازیں سُورۂ شوریٰ آیت ۴ اور ۵۱۔ الزُّخرف آیت ۴۔ النساء
آیت ۳۴۔ مریم آیت ۵۰ اور ۵۷ میں بھی یہ اسمِ الٰہی بیان ہوا ہے۔

ہر چیز سے بالا و برتر ہے جس کے سامنے سب پست ہیں۔ [۱]

وہ برتر اور عظیم ہے، یعنی اس سے بالاتر اور بزرگ تر ہے کہ کوئی اس کا ہمسر ہو، اور اس کی ذات،
صفات، اختیارات اور حقوق میں سے کسی چیز میں بھی حصّہ دار بن سکے۔ [۲]

وہ اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ کسی بشر سے رُو در رُو کلام کرے۔ [۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۴۲، حاشیہ ۵۴

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۷۹، حاشیہ ۲

[۳] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۱۶، حاشیہ ۸۲

۲۳۔ اَلْعَظِیْمُ

بزرگ و برتر ذات

سُورۃ البقرہ آیت ۲۵۵ میں ارشادِ ربانی ہے: وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

سُورۂ شُوریٰ آیت ۴ میں ارشاد ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اُسی کا ہے، وہ برتر اور عظیم ہے۔

سُورہ الحاقہ آیت ۳۳ میں ارشاد ہے: اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا ہے۔

اسی سُورہ کی آیت ۵۲ میں فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ پس اے نبیؐ، اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔

وہ برتر اور عظیم ہے یعنی اس سے بالاتر اور بزرگ تر ہے کہ کوئی اس کا ہمسر ہو، اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں سے کسی چیز میں بھی حصّہ دار بن سکے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۷۹، حاشیہ ۲

بہت توبہ قبول کرنے والا۔ بڑا معاف کرنے والا

توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں۔ بندے کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ سرکشی سے باز آ گیا، طریقِ بندگی کی طرف پلٹ آیا۔ اور خدا کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے شرمسار غلام کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہو گیا، پھر سے نظرِ عنایت اس کی طرف مائل ہو گئی۔ [1]

گناہ کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اُس سے منہ پھیر گیا تھا، اب اپنے کیے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرماں برداری کی طرف پلٹ آیا ہے...... اللہ تعالیٰ کے ہاں معافی صرف اُن بندوں کے لیے ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے اس کا دروازہ کُھلا پائیں گے کہ ؎

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

مگر توبہ اُن کے لیے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پروا ہو کر تمام عُمر گناہ پر گناہ کیے چلے جائیں اور پھر عین اُس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہو معافی مانگنے لگیں۔ اسی مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ اِنَّ اللہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ۔ اللہ بندے کی توبہ اُسی وقت تک قبول کرتا ہے جب تک آثارِ موت شروع نہ ہوں۔ کیونکہ امتحان کی مہلت جب

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۶۷، حاشیہ ۵۱

پُوری ہوگئی اور کتابِ زندگی ختم ہوچکی تو اب پلٹنے کا کون سا موقع ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کُفر کی حالت میں دُنیا سے رخصت ہوجائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہوکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اُس کے برعکس ہے جو وہ دُنیا میں سمجھتا رہا تو اُس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔ [1]

❖

قرآن اس نظریے کی تردید کرتا ہے کہ گناہ کے نتائج لازمی ہیں، اور وہ بہرحال انسان کو بھگتنے ہی ہوں گے۔ یہ انسان کے اپنے خودساختہ گمراہ کُن نظریات میں سے ایک بڑا گمراہ کُن نظریہ ہے، کیونکہ جو شخص ایک مرتبہ گناہ گارانہ زندگی میں مبتلا ہوگیا، اُس کو یہ نظریہ ہمیشہ کے لیے مایوس کردیتا ہے اور اگر اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کے بعد وہ سابق کی تلافی اور آیندہ کے لیے اصلاح کرنا چاہے، تو یہ اس سے کہتا ہے کہ تیرے بچنے کی اب کوئی اُمید نہیں، جو کچھ تو کرچکا ہے اس کے نتائج بہرحال تیری جان کے لاگو ہی رہیں گے۔ قرآن اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ بھلائی کی جزا اور بُرائی کی سزا دینا بالکل اللہ کے اختیار میں ہے۔ تمھیں جس بھلائی پر انعام ملتا ہے وہ تمھاری بھلائی کا طبعی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کا فضل ہے چاہے عنایت فرمائے، چاہے نہ فرمائے...... اسی طرح جس بُرائی پر تمھیں سزا ملتی ہے، وہ بھی بُرائی کا طبعی نتیجہ نہیں ہے کہ لازماً مُرتب ہوکر ہی رہے، بلکہ اللہ پُورا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے معاف کردے اور چاہے سزا دے دے۔ البتہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت اس کی حکمت کے ساتھ ہم رشتہ ہے۔ وہ چونکہ حکیم ہے اس لیے اپنے اختیارات کو اندھا دھند استعمال نہیں کرتا۔ جب کسی بھلائی پر انعام دیتا ہے تو یہ دیکھ کر ایسا کرتا ہے کہ بندے نے سچی نیت کے ساتھ اس کی رضا کے لیے بھلائی کی تھی۔ اور جس بھلائی کو رَدّ کردیتا ہے، اسے اس بنا پر رَدّ کرتا ہے کہ اس کی ظاہری شکل بھلے کام کی سی تھی، مگر اندر اپنے رب کی رضا جوئی کا خالص جذبہ نہ تھا۔ اسی طرح وہ سزا اُس قصور پر دیتا ہے جو باغیانہ جسارت کے ساتھ کیا جائے اور جس کے پیچھے شرمساری کے بجائے مزید ارتکابِ جُرم کی خواہش موجود ہو۔ اور اپنی رحمت سے معافی اُس قصور پر دیتا ہے، جس کے بعد بندہ اپنے کیے پر شرمندہ اور آیندہ کے لیے اپنی اصلاح پر آمادہ ہو۔ بڑے سے بڑے مُجرم، کٹّے سے کٹّے کافر کے لیے بھی خدا کے ہاں مایوسی و نااُمیدی کا کوئی موقع

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، النساء، ص ۳۳۳۔ ۳۳۴، حاشیہ ۲۷

نہیں، بشرطیکہ وہ اپنی غلطی کا معترف، اپنی نافرمانی پر نادم، اور بغاوت کی روش چھوڑ کر اطاعت کی رَوش اختیار کرنے کے لیے تیار رہو۔ [1]

❖

سچی توبہ کا لازمی تقاضا ہے کہ جو بُرائی کسی شخص نے پہلے کی ہے اُس کی تلافی کرنے کی وہ اپنی حد تک پُوری کوشش کرے، اور جہاں تلافی کی کوئی صُورت ممکن نہ ہو، وہاں اللہ سے معافی مانگے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر کے اُس دھبّے کو دھوتا رہے جو اُس نے اپنے دامن پر لگا لیا ہے لیکن کوئی توبہ اُس وقت تک حقیقی توبہ نہیں ہے جب تک کہ وہ اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے نہ ہو۔ کسی دوسری وجہ یا غرض سے کسی بُرے فعل کو چھوڑ دینا سرے سے توبہ کی تعریف ہی میں نہیں آتا۔ [2]

❖

ان صاحبوں [3] کو اللہ کے دربار سے جو معافی ملی ہے اور اس معافی کے اندازِ بیان میں جو رحمت وشفقت ٹپکی پڑ رہی ہے اس کی وجہ ان کا وہ اخلاص ہے جس کا ثبوت انھوں نے پچاس دن کی سخت سزا کے دوران میں دیا تھا۔ اگر قصور کر کے وہ اکڑتے اور اپنے لیڈر کی ناراضی کا جواب غُصّے اور عناد سے دیتے اور سزا ملنے پر اُس طرح بپھرتے جس طرح کسی خود پرست انسان کا غرورِ نفس زخم کھا کر بپھرا کرتا ہے، اور مقاطعے کے دوران میں ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا کہ ہمیں جماعت سے کٹ جانا گوارا ہے مگر اپنی خودی کے بُت پر چوٹ کھانا گوارا نہیں ہے، اور یہ سزا کا پورا زمانہ وہ اس دوڑ دھوپ میں گزارتے کہ جماعت کے اندر بددلی پھیلائیں اور بددل لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے ساتھ ملائیں تاکہ ایک جتھا تیار ہو، تو معافی کیسی۔ انھیں تو بالیقین جماعت سے کاٹ پھینکا جاتا اور اس سزا کے بعد ان کی اپنی منہ مانگی سزا ان کو یہ دی جاتی کہ جاؤ اب اپنی خودی کے بُت ہی کو پوجتے رہو۔ اعلائے کلمۃ الحق کی جدوجہد

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۶۸، حاشیہ ۵۲

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۰۳، حاشیہ ۴۷

[3] ان صاحبوں سے مراد وہ تین اصحاب ہیں جن کا سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۸ یعنی وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الآیۃ میں آیا ہے، جن کے نام یہ ہیں کعب بن مالک، ہلال بن اُمَیّہ اور مُرارہ بن رُبَیّع۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

میں حصہ لینے کی سعادت اب تمھارے نصیب میں کبھی نہ آئے گی۔ لیکن ان تینوں صاحبوں نے اس کڑی آزمائش کے موقع پر یہ راستہ اختیار نہیں کیا، اگر چہ یہ بھی ان کے لیے کُھلا ہوا تھا۔ اس کے برعکس انھوں نے وہ روش اختیار کی جو ابھی آپ دیکھ آئے ہیں۔ اس روش کو اختیار کر کے انھوں نے ثابت کر دیا کہ خدا پرستی نے ان کے سینے میں کوئی بُت باقی نہیں چھوڑا ہے جسے وہ پُوجیں، اور اپنی پُوری شخصیت کو انھوں نے راہِ خدا کی جدوجہد میں جھونک دیا ہے، اور وہ اپنی واپسی کی کشتیاں اس طرح جلا کر اسلامی جماعت میں آئے ہیں کہ اب یہاں سے پلٹ کر کہیں اور نہیں جا سکتے۔ یہاں کی ٹھوکریں کھائیں گے مگر یہیں مریں گے اور کھپیں گے۔ کسی دوسری جگہ بڑی سے بڑی عزت بھی ملتی ہو تو یہاں کی ذلّت چھوڑ کر اسے لینے نہ جائیں گے۔ اس کے بعد اگر انھیں اٹھا کر سینے سے لگا نہ لیا جاتا تو اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا ذکر ایسے شفقت بھرے الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہم ان کی طرف پلٹے تاکہ وہ ہماری طرف پلٹ آئیں۔ ان چند لفظوں میں اس حالت کی تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ آقا نے پہلے تو ان بندوں سے نظر پھیر لی تھی، مگر جب وہ بھاگے نہیں بلکہ دل شکستہ ہو کر اسی کے در پر بیٹھ گئے تو ان کی شانِ وفاداری دیکھ کر آقا سے خود نہ رہا گیا۔ جوشِ محبت سے بے قرار ہو کر وہ آپ نکل آیا تاکہ انھیں دروازے سے اُٹھا لائے۔ [1]

❖

(اسی طرح ابولُبابہ بن عبدالمُنذر اور ان کے چھ ساتھیوں کا معاملہ ہے) ابولُبابہ اُن لوگوں میں سے تھے جو بیعتِ عقبہ کے موقع پر ہجرت سے پہلے اسلام لائے تھے۔ پھر جنگِ بدر، جنگِ اُحد اور دوسرے معرکوں میں برابر شریک رہے۔ مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر نفس کی کمزوری نے غلبہ کیا اور یہ کسی عذرِ شرعی کے بغیر بیٹھے رہ گئے۔ ایسے ہی مخلص ان کے دوسرے ساتھی بھی تھے اور اُن سے بھی یہ کمزوری سرزد ہو گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق اللہ اور رسولؐ کی کیا رائے ہے تو انھیں سخت ندامت ہوئی۔ قبل اس کے کہ کوئی باز پُرس ہوتی انھوں نے خود ہی اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا کہ ہم پر خواب و خور

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج ۲، التوبہ، ص ۲۴۸، ۲۴۹، حاشیہ ۱۱۹

حرام ہے جب تک ہم معاف نہ کر دیے جائیں، یا پھر ہم مر جائیں۔ چنانچہ کئی روز وہ اسی طرح بے آب ودانہ اور بے خواب بندھے رہے حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آخر کار جب انھیں بتایا گیا کہ اللہ اور رسولؐ نے تمھیں معاف کر دیا تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس گھر کی آسائش نے ہمیں فرض سے غافل کیا اُسے اور اپنے تمام مال کو خدا کی راہ میں دے دیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارا مال دینے کی ضرورت نہیں، صرف ایک تہائی کافی ہے۔ چنانچہ وہ انھوں نے اسی وقت فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔

❖

اس قصے پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے ہاں معافی کس قسم کی کمزوریوں کے لیے ہے۔ یہ سب حضرات عادی غیر مخلص نہ تھے بلکہ ان کا پچھلا کارنامۂ زندگی ان کے اخلاصِ ایمانی پر دلیل تھا۔ ان میں سے کسی نے عذرات نہیں تراشے بلکہ اپنے قصور کو خود ہی قصور مان لیا۔ انھوں نے اعترافِ قصور کے ساتھ اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی نہایت نادم اور اپنے اس گناہ کی تلافی کے لیے سخت بے چین ہیں۔

......گناہوں کی تلافی کے لیے زبان اور قلب کی توبہ کے ساتھ ساتھ عملی توبہ بھی ہونی چاہیے، اور عملی توبہ کی ایک شکل یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں مال خیرات کرے۔ اس طرح وہ گندگی جو نفس میں پرورش پا رہی تھی اور جس کی بدولت آدمی سے گناہ کا صدُور ہوا تھا، دُور ہو جاتی ہے اور خیر کی طرف پلٹنے کی استعداد بڑھتی ہے۔ گناہ کرنے کے بعد اس کا اعتراف کرنا ایسا ہے جیسے ایک آدمی جو گڑھے میں گر گیا تھا، اپنے گرنے کو خود محسوس کر لے۔ پھر اس کا اپنے گناہ پر شرمسار ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس گڑھے کو اپنے لیے نہایت بُری جائے قرار سمجھتا ہے اور اپنی اس حالت سے سخت تکلیف میں ہے۔ پھر اس کا صدقہ وخیرات اور دوسری نیکیوں سے اس کی تلافی کی سعی کرنا گویا گڑھے سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا ہے۔[1]

❖

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، التوبہ، ۲۳۰، ۲۳۱، حاشیہ ۹۹

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے) قصور کرنے والا بھی اگر توبہ کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لے اور بُرے عمل کے بجائے نیک عمل کرنے لگے تو میرے ہاں اس کے لیے عفوو درگزر کا دروازہ کھلا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نادانستگی میں ایک قبطی کو قتل کر کے مصر سے نکلے تھے۔ اس کے بعد فوراً انھوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تھی کہ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ۔ (اے پروردگار، مَیں اپنے نفس پر ظلم کر گزرا مجھے معاف فرما دے) اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت انھیں معاف بھی فرما دیا تھا، فَغَفَرَ لَهٗ [1] ۔ (القصص آیت ۱۶)

گناہ گار کی توبہ قبول کر لینا اور اسے سزا دینے کے بجائے جنت عطا فرما دینا اللہ پر واجب نہیں ہے، بلکہ یہ سراسر اس کی عنایت و مہربانی ہو گی کہ وہ معاف بھی کرے اور انعام بھی دے۔ بندے کو اس سے معافی کی امید تو ضرور رکھنی چاہیے مگر اس بھروسے پر گناہ نہیں کرنا چاہیے کہ توبہ سے معافی مل جائے گی۔ [2]

رہا توبہ کا شرعی مفہوم تو اس کی تشریح ہمیں اُس حدیث میں ملتی ہے جو ابنِ ابی حاتم نے زِرّ بن حُبَیش کے واسطے سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبَی بن کعبؓ سے توبۂ نصوح کا مطلب پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو، پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ سے استغفار کرو اور آیندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو۔ یہی مطلب حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے، اور ایک روایت میں حضرت عمرؓ نے توبۂ نصوح کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ توبہ کے بعد آدمی گناہ کا اعادہ تو درکنار، اُس کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے (ابنِ جریر)۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایک بدّو کو جلدی جلدی توبہ و استغفار کے الفاظ زبان

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۵۹، حاشیہ ۱۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۶، التحریم، ص ۲۰...، حاشیہ ۲۰

سے ادا کرتے سنا تو فرمایا یہ توبۃ الکذّابین ہے۔ اس نے پوچھا پھر صحیح توبہ کیا ہے؟ فرمایا: اُس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہییں۔

(۱) جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہو۔ (۲) اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو ان کو ادا کر۔ (۳) جس کا حق مارا ہو اُس کو واپس کر۔ (۴) جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگ۔ (۵) آیندہ کے لیے عزم کر لے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔ اور (۶) اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے جس طرح تُو نے اب تک اسے معصیت کا خُوگر بنائے رکھا ہے اور اُس کو طاعت کی تلخی کا مزا چکھا جس طرح اب تک تُو اُسے معصیتوں کی حلاوت کا مزا چکھاتا رہا ہے۔ (کشاف)

توبہ کے سلسلے میں چند امور اور بھی ہیں جنھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

اوّل یہ کہ توبہ در حقیقت کسی معصیت پر اس لیے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ ورنہ کسی گناہ سے اس لیے پرہیز کا عہد کر لینا کہ وہ مثلاً صحت کے لیے نقصان دہ ہے، یا کسی بدنامی کا، یا مالی نقصان کا موجب ہے، توبہ کی تعریف میں نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ جس وقت آدمی کو احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے، اسی وقت اسے توبہ کرنی چاہیے اور جس شکل میں بھی ممکن ہو بلا تاخیر اس کی تلافی کر دینی چاہیے، اُسے ٹالنا مناسب نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار اسے توڑتے چلے جانا اور توبہ کو کھیل بنا لینا اور اُسی گناہ کا بار بار اعادہ کرنا جس سے توبہ کی گئی ہو، توبہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ توبہ کی اصل رُوح گناہ پر شرمساری ہے، اور بار بار کی توبہ شکنی اس بات کی علامت ہے کہ اس کے پیچھے کوئی شرمساری موجود نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے یہ عزم کر چکا ہو کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا، اس سے اگر بشری کمزوری کی بنا پر اُسی گناہ کا اعادہ ہو جائے تو پچھلا گناہ تازہ نہ ہو گا، البتہ اُسے بعد والے گناہ پر پھر توبہ کرنی چاہیے اور زیادہ سختی کے ساتھ عزم کرنا چاہیے کہ آیندہ وہ توبہ شکنی کا مرتکب نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ ہر مرتبہ جب معصیت یاد آئے، توبہ کی تجدید کرنا لازم نہیں ہے، لیکن اگر اُس کا نفس اپنی سابق گناہ گارانہ زندگی کی یاد سے لُطف لے رہا ہو تو بار بار توبہ کرنی چاہیے یہاں تک کہ گناہوں کی یاد اس کے لیے لذت کے بجائے شرمساری کی موجب بن جائے۔ اس لیے کہ جس شخص نے فی الواقع خدا کے خوف کی بنا پر معصیت سے توبہ کی ہو وہ اس خیال سے لذّت نہیں

لے سکتا کہ وہ خدا کی نافرمانی کرتا رہا ہے۔ اُس سے لذت لینا اس بات کی علامت ہے کہ خدا کے خوف نے اس کے دل میں جڑ نہیں پکڑی ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، التحریم، ص ۳۱-۳۲، حاشیہ ۱۹

۲۵۔ اَلْحَلِیْمُ

بڑا ہی بُردبار

سُورۂ بقرہ آیت ۲۲۵ میں ہے: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۔ مزید برآں آیات ۲۳۵۔ ۲۶۳ میں اور آلِ عمران آیت ۱۵۵ اور النساء آیت ۱۲۔ المائدہ آیت ۱۰۱ میں۔ اور سُورہ الحج آیت ۵۹ میں اور التغابن آیت ۱۷ میں بطور اسمِ الٰہی بیان ہوا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ الاسراء آیت ۴۴ میں ہے: وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔

سُورہ الاحزاب آیت ۵۱ میں وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۔ اور اللہ علیم و حلیم ہے۔

اور سُورۂ فاطر آیت ۴۱ میں اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔

(حلیم) اس کو کہتے ہیں جو اپنے مزاج پر قابو رکھتا ہو، نہ غصّے اور دشمنی اور مخالفت میں آپے سے باہر ہو، نہ محبت اور دوستی اور تعلقِ خاطر میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ [1]

❖

لوگوں کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ان کی بڑی بڑی خدمات اور قربانیوں پر پانی پھیر دینے والا نہیں ہے۔ وہ ان سے درگزر فرمائے گا اور ان کے قصور معاف کر دے گا۔ [2]

❖

مخلص اہلِ ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اُس تنگ دل آقا کا سا نہیں ہے جو بات بات پر

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، التوبہ، ص ۲۴۲، حاشیہ ۱۱۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۶، حاشیہ ۱۰۳

گرفت کرتا ہواور ایک ذرا سی خطا پر اپنے ملازم کی ساری خدمتوں اور وفاداریوں پر پانی پھیر دیتا ہو۔ وہ فیاض اور کریم آقا ہے جو بندہ اس کا وفادار ہو اس کی خطاؤں پر چشم پوشی سے کام لیتا ہے اور جو کچھ بھی خدمت اس سے بن آئی ہو اس کی قدر فرماتا ہے۔ [1]

❖

یہ اس کا حِلم ہے کہ تم اس کی جناب میں گستاخیوں پر گستاخیاں کیے جاتے ہو، اور اُس پر طرح طرح کے بہتان تراشتے ہو اور پھر بھی وہ درگزر کیے چلا جاتا ہے۔ نہ رزق بند کرتا ہے، نہ اپنی نعمتوں سے محروم کرتا ہے، اور نہ ہر گستاخ پر فوراً بجلی گرا دیتا ہے۔ پھر یہ بھی اس کی بُردباری اور اس کے درگزر ہی کا ایک کرشمہ ہے کہ وہ افراد کو بھی اور قوموں کو بھی سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتا ہے۔ انبیا (علیہم السلام) اور مُصلحین اور مبلغین کو اُن کی فہمائش اور رہنمائی کے لیے بار بار اٹھاتا رہتا ہے، اور جو بھی اپنی غلطی کو محسوس کر کے سیدھا راستہ اختیار کر لے اس کی پچھلی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔ [2]

❖

داعی حق کے لیے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خُو، متحمل اور عالی ظرف ہونا چاہیے اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقا کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے، نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے، مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو۔ اُس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعالِ طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے بنتا نہیں ہے اسی چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یُوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ غضب اور رضا، دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے مَیں اس سے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۳۳، حاشیہ ۵۲

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۱۹، حاشیہ ۵۰

جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔ [1]

❖

اللہ جس کے تم بندے ہو، عفوو درگزر کرنے والا ہے، اس لیے تم کو بھی جہاں تک بھی تمھارے بس میں ہو، عفوو درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اہلِ ایمان کے اخلاق کا زیور یہی ہے کہ وہ حلیم، عالی ظرف اور متحمل ہوں۔ بدلہ لینے کا حق انھیں ضرور حاصل ہے، مگر بالکل منتقمانہ ذہنیت اپنے او پر طاری کر لینا ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ [2]

❖

یہ اُس کی حلیمی ورحیمی اور چشم پوشی و درگزر رہی تو ہے جس کی بدولت کُفر اور شرک اور دہریت اور فسق و فجور اور ظلم و ستم کی انتہا کر دینے والے لوگ بھی سالہا سال تک، بلکہ اس طرح کے پُورے پُورے معاشرے صدیوں تک مُہلت پر مُہلت پاتے چلے جاتے ہیں، اور ان کو صرف رزق ہی نہیں ملے جاتا بلکہ دنیا میں ان کی بڑائی کے ڈنکے بجتے ہیں اور زینتِ حیاتِ دنیا کے وہ سروسامان انھیں ملتے ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر نادان لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے۔ [3]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الاعراف، ص ۱۱۱، حاشیہ ۱۵۰

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۶، ۲۴۷، حاشیہ ۱۰۵

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۰، حاشیہ ۵

۲۶۔ اَلْوَاسِعُ

وسیعُ النّظر ۔ وسیعُ الظّرف

سُورۂ آلِ عمران آیت ۷۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ وہ وسیع النظر ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

واسع بالعموم قرآن میں تین مواقع پر آیا کرتا ہے، ایک وہ موقع جہاں انسانوں کے کسی گروہ کی تنگ خیالی وتنگ نظری کا ذکر آتا ہے اور اُسے اس حقیقت پر متنبہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اللہ تمھاری طرح تنگ نظر نہیں ہے۔ دوسرا وہ موقع جہاں کسی کے بُخل اور تنگ دلی اور کم حوصلگی پر ملامت کرتے ہوئے یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ فراخ دست ہے، تمھاری طرح بخیل نہیں ہے۔ تیسرا وہ موقع جہاں لوگ اپنے تخیل کی تنگی کے سبب سے اللہ کی طرف کسی قسم کی محدودیت منسوب کرتے ہیں اور انھیں یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ غیر محدود ہے۔ [۱]

❖

اسی طرح سُورہ بقرہ آیت ۱۱۵ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ محدود، تنگ دل، تنگ نظر اور تنگ دست نہیں، جیسا کہ تم لوگوں نے اپنے اُوپر قیاس کر کے اسے سمجھ رکھا ہے، بلکہ اس کی خدائی بھی وسیع ہے اور اس کا زاویۂ نظر اور دائرہ فیض بھی وسیع۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا کون سا بندہ کہاں کس وقت کس نیت سے اُس کو یاد کر رہا ہے۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج اول، آل عمران، ص ۲۶۵، حاشیہ ۶۲

[۲] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۱۰۵، حاشیہ ۱۱۶

۲۷۔ الحکیم

بہت ہی دانا و بینا۔ مقتضائے دانش کے مطابق کرنے والا

جو حکمت و دانائی اور علم و دانش میں کامل ہے۔ جسے اپنی خلق کے مصالح اور ان کے ماضی و حال اور مستقبل کا پورا علم ہے، اور جس کی حکمت بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے بہترین تدابیر اختیار کرتی ہے۔ [1]

❖

طاقت کا مالک صرف اللہ ہی ہے اور اسی کی تدبیر و حکمت اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔ [2]

❖

اللہ کی طرف سے اس انعام کا اعلان (نعمت بھری جنتیں) سراسر اس کی حکمت اور اس کے عدل پر مبنی ہے۔ اس کے ہاں کوئی غلط بخشی نہیں ہے کہ مستحق کو محروم رکھا جائے اور غیر مستحق کو نواز دیا جائے۔ ایمان و عملِ صالح سے متصف لوگ فی الواقع اس انعام کے مستحق ہیں اور اللہ یہ انعام انھی کو عطا فرمائے گا۔ [3]

❖

جو فیصلہ بھی وہ کرتا ہے سراسر حکمت کی بنا پر کرتا ہے۔ کسی کو دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ حکمت اس کی مقتضی ہے۔ اور کسی کو نہیں دیتا تو اس لیے نہیں دیتا کہ اسے دینا حکمت کے خلاف ہے۔ [4]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۵۷، حاشیہ ۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، ص ۷۰۲، حاشیہ ۷۴

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۱۱۷، حاشیہ ۱۱

[4] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۱۹، حاشیہ ۵

❖

جو ہدایت وہ اس کتاب میں دے رہا ہے وہ سراسر دانائی پر مبنی ہے اور صرف ایک جاہل و نادان آدمی ہی اس سے مُنہ موڑ سکتا ہے۔ [۱]

❖

انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جب بھی وہ کسی بندے سے رابطہ قائم کرنا چاہے، کوئی دُشواری اس کے ارادے کی راہ میں مزاحم نہیں ہوسکتی، اور وہ اپنی حکمت سے اس کام کے لیے وحی کا طریقہ اختیار فرمالیتا ہے۔ [۲]

❖

اس کی حکمت اس سے عاجز نہیں ہے کہ اپنے کسی بندے تک اپنی ہدایات پہنچانے کے لیے رُوبرُو بات چیت کرنے کے سوا کوئی اور تدبیر نکال لے۔ [۳]

❖

اس کا حکیم ہونا اس کا متقاضی ہے کہ انسان پُورے اطمینان کے ساتھ برضا و رغبت اُس کی ہدایات اور اس کے احکام کی پیروی کرے، کیونکہ اُس کی کسی تعلیم کے غلط یا نامناسب، یا نقصان دہ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ [۴]

❖

وہ حکیم ہے جو کچھ کرتا ہے وہ عین مقتضائے دانش ہوتا ہے اور اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں کوئی ان کا توڑ نہیں کرسکتا۔ [۵]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، ص ۳۵۵، حاشیہ ۱

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۷۹، حاشیہ ۱

[۳] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۱۶، حاشیہ ۸۲

[۴] تفہیم القرآن، ج ۴، الجاثیہ، ص ۵۷۹، حاشیہ ۱

[۵] تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، ص ۴۸۶، حاشیہ ۱

❖

اللہ کے پاس تو ایسے لشکر ہیں جن سے وہ کفار کو جب چاہے تہس نہس کر دے، مگر اس نے کچھ جان کر اور حکمت ہی کی بنا پر یہ ذمہ داری اہلِ ایمان پر ڈالی ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں جدوجہد اور کشمکش کر کے اللہ کے دین کا بول بالا کریں۔ اسی لیے ان کے لیے درجات کی ترقّی اور آخرت کی کامیابیوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

❖

وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق، اس کی تدبیر، اس کی فرمانروائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں۔ اس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے۔

❖

یہ اُسی کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے کہ ایسی ناتراشیدہ اُمّی قوم میں اس نے ایسا عظیم نبی پیدا کیا جس کی تعلیم و ہدایت اس درجہ انقلاب انگیز ہے، اور پھر ایسے عالمگیر ابدی اُصولوں کی حامل ہے جن پر تمام نوعِ انسانی مل کر ایک اُمّت بن سکتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ان اُصولوں سے رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔ کوئی بناوٹی انسان خواہ کتنی ہی کوشش کر لیتا، یہ مقام و مرتبہ کبھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ عرب جیسی پسماندہ قوم تو درکنار، دنیا کی کسی بڑی سے بڑی قوم کا کوئی ذہین سے ذہین آدمی بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم کی اس طرح مکمل طور پر کایا پلٹ دے، اور پھر ایسے جامع اصول دنیا کو دے دے جن پر ساری نوعِ انسانی ایک اُمّت بن کر ایک دین اور ایک تہذیب کا عالمگیر و ہمہ گیر نظام ابد تک چلانے کے قابل ہو جائے۔ یہ ایک معجزہ ہے جو اللہ کی قدرت سے رونما ہوا ہے، اور اللہ ہی نے اپنی حکمت کی بنا پر جس شخص، جس مُلک، اور جس قوم کو چاہا ہے اس کے لیے انتخاب کیا ہے۔ اس پر اگر کسی بے وقوف کا دل دُکھتا

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، الفتح، ص ۴۶، حاشیہ ۸

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۰۱، حاشیہ ۲

ہے تو دُکھتا رہے۔ [1]

❖

اللہ تمھارا آقا اور تمھارے معاملات کا متولّی ہے۔ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تمھاری بھلائی کس چیز میں ہے اور جو احکام بھی اس نے دیے ہیں سراسر حکمت کی بنا پر دیے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم خود مختار نہیں ہو بلکہ اللہ کے بندے ہو اور وہ تمھارا آقا ہے، اس لیے اس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں میں ردّوبدل کرنے کا اختیار تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تمھارے لیے حق یہی ہے کہ اپنے معاملات اس کے حوالے کر کے بس اس کی اطاعت کرتے رہو۔ [2]

❖

اللہ کے کاموں کو اس کی قدرت کے پہلو سے دیکھیے تو دل گواہی دے گا کہ وہ جب چاہے قیامت برپا کر سکتا ہے اور جب چاہے اُن سب مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر سکتا ہے جن کو پہلے وہ عدم سے وجود میں لایا تھا۔ اور اگر اس کے کاموں کو اس کی حکمت کے پہلو سے دیکھیے تو عقل شہادت دے گی کہ یہ دونوں کام بھی وہ ضرور کر کے رہے گا کیونکہ ان کے بغیر حکمت کے تقاضے پُورے نہیں ہوتے اور ایک حکیم سے یہ بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پُورا نہ کرے۔ جو محدود سی حکمت و دانائی انسان کو حاصل ہے اس کا یہ نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی اپنا مال یا جائداد، یا کاروبار جس کے سپرد بھی کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی وقت حساب ضرور لیتا ہے۔ گویا امانت اور محاسبے کے درمیان ایک لازمی عقلی رابطہ ہے جس کو انسان کی محدود حکمت بھی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرتی۔ پھر اسی حکمت کی بنا پر آدمی ارادی اور غیر ارادی افعال کے درمیان فرق کرتا ہے، ارادی افعال کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری کا تصور وابستہ کرتا ہے، افعال میں نیک اور بد کی تمیز کرتا ہے، اچھے افعال کا نتیجہ تحسین اور انعام کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور بُرے افعال پر سزا کا تقاضا کرتا ہے، حتیٰ کہ خود ایک نظامِ عدالت اس غرض کے لیے وجود میں لاتا ہے۔ یہ حکمت جس خالق نے انسان میں پیدا کی ہے، کیا باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود اس حکمت سے عاری ہوگا؟ کیا مانا جا سکتا

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الجمعہ، ص ۴۸۸، حاشیہ ۲

[2] تفہیم القرآن، ج۶، التحریم، ص ۲۰، حاشیہ ۵

ہے کہ اپنی اتنی بڑی دنیا اتنے سروسامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ بھول گیا ہے، اس کا حساب وہ کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے جو بُرے اعمال سزا سے بچ نکلے ہیں، یا جن بُرائیوں کی متناسب سزا اسے نہیں مل سکی ہے ان کی باز پُرس کے لیے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی، اور جو بھلائیاں اپنے منصفانہ انعام سے محروم رہ گئی ہیں وہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قیامت اور زندگی بعد موت خدائے حکیم کا ایک لازمی تقاضا ہے جس کا پُورا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا سراسر بعید از عقل ہے۔ [1]

❖

(ذرا) غور کیجیے، زمین میں اُس مواد کو ٹھیک سطح پر یا سطح سے مُتصل موجود ہونا جو بے شمار مختلف اقسام کی نباتی زندگی کے لیے درکار ہے، اور پانی کے اندر ٹھیک وہ اوصاف موجود ہونا جو حیوانی اور نباتی زندگی کی ضروریات کے مطابق ہیں، اور اس پانی کا پے در پے سمندروں سے اٹھایا جانا اور زمین کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً ایک باقاعدگی کے ساتھ برسایا جانا اور زمین، ہوا، پانی اور درجۂ حرارت وغیرہ مختلف قوتوں کے درمیان ایسا متناسب تعاون قائم کرنا کہ اس سے نباتی زندگی کو نشوونما نصیب ہو اور وہ ہر طرح کی حیوانی زندگی کے لیے اس کی بے شمار ضروریات پوری کرے، کیا یہ سب کچھ ایک حکیم کی منصوبہ بندی اور دانشمندانہ تدبیر اور غالب قدرت و ارادے کے بغیر خود بخود اتفاقاً ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ اتفاقی حادثہ مسلسل ہزارہا برس بلکہ لاکھوں کروڑوں برس تک اسی باقاعدگی سے رونما ہوتا چلا جائے؟ صرف ایک ہٹ دھرم آدمی ہی جو تعصب میں اندھا ہو چکا ہو، اسے ایک امرِ اتفاقی کہہ سکتا ہے۔ کسی راستی پسند عاقل انسان کے لیے ایسا لغو دعویٰ کرنا اور ماننا ممکن نہیں ہے۔ [2]

❖

نباتات کی ہر نوع میں تناسُل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے ہی کی نسل کو زمین میں بڑھنے کا موقع مل جاتا تو چند سال کے اندر رُوئے زمین پر بس وہی نظر آتی، کسی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۵، ۲۰۶، حاشیہ ۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۸۹، ۵۹۰، حاشیہ ۷۳

دوسری قسم کی نباتات کے لیے کوئی جگہ نہ رہتی۔ مگر یہ ایک حکیم اور قادرِ مطلق کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے مطابق بے حد وحساب اقسام کی نباتات اِس زمین پر اُگ رہی ہیں اور ہر نوع کی پیداوار اپنی ایک مخصوص حد پر پہنچ کر رُک جاتی ہے۔ اسی منظر کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کی جسامت، پھیلاؤ، اٹھان، اور نشوونما کی ایک حد مقرر ہے جس سے نباتات کی کوئی قسم بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہر درخت، ہر پودے اور ہر بیل بُوٹے کے لیے جسم، قد، شکل، برگ و بار اور پیداوار کی ایک مقدار پُورے ناپ تول اور حساب وشمار کے ساتھ مقرر کر رکھی ہے۔ [1]

❖

یہ معاملہ صرف نباتات ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام موجودات کے معاملے میں عام ہے۔ ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز، ہر نوع، ہر جنس اور ہر قوت و طاقت کے لیے ایک حد مقرر ہے جس پر وہ ٹھیری ہوئی ہے اور ایک مقدار مقرر ہے جس سے نہ وہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ اسی تقدیر اور کمال درجے کی حکیمانہ تقدیر ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک پُورے نظامِ کائنات میں یہ توازن، یہ اعتدال، اور یہ تناسُب نظر آرہا ہے۔ اگر یہ کائنات ایک اتفاقی حادثہ ہوتی، یا بہت سے خداؤں کی کاریگری وکارفرمائی کا نتیجہ ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ بے شمار مختلف اشیا اور قُوّتوں کے درمیان ایسا مکمل توازن وتناسب قائم ہوتا اور مسلسل قائم رہ سکتا؟ [2]

❖

اجرامِ فلکی کے ساتھ زمین کا تعلق، زمین کے ساتھ سُورج اور چاند کا تعلق، زمین کی بے شمار مخلوقات کی ضرورتوں سے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق، یہ ساری چیزیں اس بات پر کُھلی شہادت دیتی ہیں کہ ان کو نہ تو الگ الگ خداؤں نے بنایا ہے اور نہ مختلف بااختیار خدا ان کا انتظام کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان سب چیزوں میں باہم اتنی مناسبتیں اور ہم آہنگیاں اور موافقتیں نہ پیدا ہو سکتی تھیں اور نہ مسلسل قائم رہ سکتی تھیں۔ الگ الگ خداؤں کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مل کر پوری کائنات کے لیے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ص ۵۰۲، حاشیہ ۱۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ص ۵۰۳، حاشیہ ۱۴

تخلیق وتدبیر کا ایسا منصوبہ بنا لیتے جس کی ہر چیز زمین سے لے کر آسمانوں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کھاتی چلی جائے اور کبھی ان کی مصلحتوں کے درمیان تصادم واقع نہ ہونے پائے۔

زمین کے اس عظیم الشان کُرے کا فضائے بسیط میں معلق ہونا، اس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے پہاڑوں کا اُبھر آنا، اس کے سینے پر ایسے ایسے زبردست دریاؤں کا جاری ہونا، اس کی گود میں طرح طرح کے بے حد وحساب درختوں کا پھلنا، اور پیہم انتہائی باقاعدگی کے ساتھ رات اور دن کے حیرت انگیز آثار کا طاری ہونا، یہ سب چیزیں اُس خدا کی قدرت پر گواہ ہیں جس نے انھیں پیدا کیا ہے۔

زمین کی ساخت میں، اُس پر پہاڑوں کی پیدائش میں، پہاڑوں سے دریاؤں کی روانی کا انتظام کرنے میں، پھلوں کی ہر قسم میں دو دو طرح کے پھل پیدا کرنے میں، اور رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات باقاعدگی کے ساتھ لانے میں جو بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی ہیں وہ پکار پکار کر شہادت دے رہی ہیں کہ جس خدا نے تخلیق کا یہ نقشہ بنایا ہے وہ کمال درجے کا حکیم ہے۔ یہ ساری چیزیں خبر دیتی ہیں کہ یہ نہ تو کسی بے ارادہ طاقت کی کارفرمائی ہے اور نہ کسی کھلنڈرے کا کھلونا۔ ان میں سے ہر ہر چیز کے اندر ایک حکیم کی حکمت اور انتہائی بالغ حکمت کام کرتی نظر آتی ہے۔ [1]

❖

ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا ہے بلکہ اس میں بے شمار خِطّے پیدا کر دیے ہیں جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، مادّۂ ترکیب میں، خاصیتوں میں، قُوتوں اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان مختلف خِطّوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر اتنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ دوسری مخلوقات سے قطعِ نظر، صرف ایک انسان ہی کے مفاد کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی مختلف اغراض ومصالح اور زمین کے ان خطوں کی گوناگونی کے درمیان جو مناسبتیں اور مطابقتیں پائی جاتی ہیں، اور ان کی بدولت انسانی تمدن کو پھلنے پھولنے کے جو مواقع بہم پہنچے ہیں، وہ یقیناً کسی حکیم کی فکر اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کے دانشمندانہ ارادے کا نتیجہ

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج ۲، الرعد، ص ۴۴۴، ۴۴۵، حاشیہ ۸

ہیں۔اسے محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کے لیے بڑی ہٹ دھرمی درکار ہے۔ [1]

❖

اس کرۂ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر آدمی غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم و دانا قادرِ مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہ ہوسکتی تھیں۔ یہ کُرۂ فضائے بسیط میں معلق ہے، کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب اور اہتزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز ہوتا، جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آجانے سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں، تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ تھی۔ یہ کُرّہ باقاعدگی کے ساتھ سُورج کے سامنے آتا ہے اور چھپتا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رُونما ہوتا ہے۔ اگر اس کا ایک ہی رُخ ہر وقت سُورج کے سامنے رہتا اور دُوسرا رُخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی کیونکہ ایک رُخ کو سردی اور بے نُوری نباتات اور حیوانات کی پیدایش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رُخ کو گرمی کی شدت بے آب و گیاہ اور غیر آباد بنا دیتی۔ اس کُرے پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف رَدا چڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے۔ ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب، جو ۳۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں، یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان، حیوان، درخت جیتا نہ رہ سکتا تھا۔ یہی ہوا درجۂ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے، یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی اور زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوبہ گیسیں فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جائے قرار نہ بن سکتی۔ اس کُرے کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیاوی اجزا بڑے پیمانے پر فراہم کردیے گئے ہیں جو نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے لیے مطلوب ہیں۔ جس جگہ بھی یہ سروسامان مفقود ہوتا ہے وہاں کی زمین کسی زندگی کو سہارنے کے لائق نہیں ہوتی۔ اس کُرے پر سمندروں، دریاؤں، جھیلوں، چشموں اور زیرِ زمین سوتوں کی شکل میں پانی کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کردیا گیا ہے، اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، ص ۴۴۵، حاشیہ ۹

کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس تدبیر کے بغیر یہاں کسی زندگی کا امکان نہ تھا۔ پھر اس پانی، ہوا اور تمام ان اشیا کو جو زمین پر پائی جاتی ہیں، سمیٹے رکھنے کے لیے اس کُرے میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ہے۔ یہ کشش اگر کم ہوتی تو ہوا اور پانی، دونوں کو نہ روک سکتی اور درجۂ حرارت اتنا زیادہ ہوتا کہ زندگی یہاں دشوار ہوجاتی۔ یہ کشش اگر زیادہ ہوتی تو ہوا بہت کثیف ہوجاتی، اس کا دباؤ بہت بڑھ جاتا، بخاراتِ آبی کا اٹھنا بہت مشکل ہوتا اور بارشیں نہ ہوسکتیں۔ سردی زیادہ ہوتی، زمین کے بہت کم رقبے آبادی کے قابل ہوتے، بلکہ کششِ ثقل بہت زیادہ ہونے کی صورت میں انسان اور حیوانات کی جسامت بہت کم ہوتی اور ان کا وزن اتنا زیادہ ہوتا کہ نقل و حرکت بھی ان کے لیے مشکل ہوتی۔ علاوہ بریں اس کرے کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے جو آبادی کے لیے مناسب ترین ہے۔ اگر اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا تو سُورج سے اس کو حرارت کم ملتی، سردی بہت زیادہ ہوتی، موسم بہت لمبے ہوتے، اور مشکل ہی سے یہ آبادی کے قابل ہوتا۔ اور اگر فاصلہ کم ہوتا تو اس کے برعکس گرمی کی زیادتی اور دوسری بہت سی چیزیں مل جل کر اسے انسان جیسی مخلوق کی سکونت کے قابل نہ رہنے دیتیں۔

یہ صرف چند وہ مناسبتیں ہیں جن کی بدولت زمین اپنی موجودہ آبادی کے لیے جائے قرار بنی ہے۔ کوئی شخص عقل رکھتا ہو اور ان امور کو نگاہ میں رکھ کر سوچے تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ یہ تصور کر سکتا ہے کہ کسی خالق حکیم کی منصوبہ سازی کے بغیر یہ مناسبتیں محض ایک حادثے کے نتیجے میں خود بخود قائم ہوگئی ہیں، اور نہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس عظیم الشان تخلیقی منصوبے کو بنانے اور رُوبعمل لانے میں کسی دیوی دیوتا، یا جن، یا نبی ولی یا فرشتے کا کوئی دخل ہے۔ [1]

❖

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیروں میں سے ایک ہے کہ اس نے بحری اور بری سفروں میں انسان کی رہنمائی کے لیے وہ ذرائع پیدا کر دیے ہیں جن سے وہ اپنی سمتِ سفر اور منزلِ مقصود کی طرف اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع و غروب کی سمتیں اس کی مدد

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۹۰، ۵۹۱، حاشیہ ۷۴

کرتی ہیں اور تاریک راتوں میں تارے اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ [1]

❖

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کہیں بھی یکسانی نہیں رکھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے، مگر اس کے قطعے اپنے اپنے رنگوں، شکلوں اور خاصیتوں میں جدا ہیں۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی ہے مگر اس سے طرح طرح کے غلّے اور پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک ہی درخت ہے اور اس کا ہر پھل دوسرے پھل سے نوعیت میں متحد ہونے کے باوجود شکل اور جسامت اور دوسری خصوصیات میں مختلف ہے۔ ایک ہی جڑ ہے اور اس سے دو الگ تنے نکلتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی الگ انفرادی خصوصیات رکھتا ہے۔ ان باتوں پر جو شخص غور کرے گا وہ کبھی یہ دیکھ کر پریشان نہ ہوگا کہ انسانی طبائع اور میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا، مگر جس حکمت پر اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ یکسانی کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے۔ سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامۂ وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۹۲، حاشیہ ۷۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، ص ۴۴۵، ۴۴۶، حاشیہ ۱۱

۲۸۔ اَلشَّاکِرُ

بڑا قدردان

شکر کے اصل معنی اعترافِ نعمت یا احسان مندی کے ہیں۔ ایک محسن کے مقابلے میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہوسکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انھی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام شکر ہے۔ اور اس شکر کا اقتضا یہ ہے کہ اولاً آدمی احسان کو اُسی کی طرف منسوب کرے جس نے دراصل احسان کیا ہے، کسی دوسرے کو احسان کے شکریے اور نعمت کے اعتراف میں اس کا حصہ دار نہ بنائے۔ ثانیاً آدمی کا دل اپنے محسن کے لیے محبت اور وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو اور اُس کے مخالفوں سے محبت و اخلاص اور وفاداری کا ذرّہ برابر تعلق بھی نہ رکھے۔ ثالثاً وہ اپنے محسن کا مطیع و فرمانبردار ہو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے منشا کے خلاف استعمال نہ کرے۔

شکر جب اللہ کی طرف سے بندے کی جانب ہو تو اس کے معنی ''اعترافِ خدمت'' یا قدردانی کے ہوں گے، اور جب بندے کی طرف سے اللہ کی جانب ہو تو اس کو اعترافِ نعمت یا احسان مندی کے معنی میں لیا جائے گا۔ اللہ کی طرف سے بندوں کا شکریہ ادا کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ناقدرشناس نہیں ہیں، جتنی اور جیسی خدمات بھی بندے اس کی راہ میں بجالائیں، اللہ کے ہاں ان کی قدر کی جاتی ہے۔ کسی کی خدمات صلہ و انعام سے محروم نہیں رہتیں، بلکہ وہ نہایت فیاضی کے ساتھ ہر شخص کو اس کی خدمت سے زیادہ صِلہ دیتا ہے۔ بندوں کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے کیا اس کی قدر کم کرتے ہیں اور جو کچھ نہ کیا اُس پر گرفت کرنے میں بڑی سختی دکھاتے ہیں۔ لیکن اللہ کا حال یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے نہیں کیا اس پر محاسبہ کرنے میں وہ بہت نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے، اور جو کچھ کیا ہے اس کی قدر اس کے مرتبے

سے بڑھ کر کرتا ہے۔[1]

❖

جان بوجھ کر نافرمانی کرنے والے مجرمین کے برعکس، نیکی کی کوشش کرنے والے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ (۱) جتنی کچھ اپنی طرف سے وہ نیک بننے کی سعی کرتے ہیں، اللہ ان کو اس سے زیادہ نیک بنا دیتا ہے۔ (۲) ان کے کام میں جو کوتاہیاں رہ جاتی ہیں، یا نیک بننے کی کوشش کے باوجود جو گناہ ان سے سرزد ہو جاتے ہیں، اللہ ان سے چشم پوشی کرتا ہے، اور (۳) جو تھوڑی سی نیک عمل کی پونجی وہ لے کر آتے ہیں اللہ اس پر ان کی قدر افزائی کرتا اور انھیں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔[2]

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج اول، النساء، ص ۴۱۲، ۴۱۳، حاشیہ ۱۷۵، ۱۷۶

[2] **تفہیم القرآن**، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۰۲، حاشیہ ۴۲

۲۹۔ اَلْعَلِیْمُ

سب کچھ جاننے والا

خدا اندھا، بہرا، بے خبر خدا نہیں ہے بلکہ دانا و بینا ہے۔ اس کی خدائی میں اندھا دُھند کام نہیں ہو رہا ہے۔ [1]

❖

آخر کار معاملہ اُس خدا کے ساتھ ہے جس سے کوئی چیز چُھپ نہیں سکتی۔ اس لیے بالفرض اگر کوئی شخص دنیا میں اپنے نفاق کو چُھپانے میں کامیاب ہو جائے اور انسان جن جن معیاروں پر کسی کے ایمان و اخلاص کو پرکھ سکتے ہیں ان سب پر بھی پُورا اتر جائے تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ نفاق کی سزا پانے سے بچ نکلا ہے۔ [2]

❖

اور اس کا علم سب پر اس طرح حاوی ہے کہ کوئی متنفس اُس سے چھوٹ نہیں سکتا، بلکہ کسی اگلے پچھلے انسان کی خاک کا کوئی ذرہ بھی اس سے گُم نہیں ہو سکتا، اس لیے جو شخص حیاتِ اُخروی کو مستبعد سمجھتا ہے وہ خدا کی صفتِ حکمت سے بے خبر ہے، اور جو شخص حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ "جب مرنے کے بعد ہماری خاک کا ذرّہ ذرّہ منتشر ہو جائے گا تو ہم کیسے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے" وہ خدا کی صفتِ علم کو نہیں جانتا۔ [3]

وہ جانتا ہے کہ کس نے فی الحقیقت اُسی کی راہ میں گھر بار چھوڑا ہے اور وہ کس انعام کا مستحق

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الانفال، ص ۱۴۷، حاشیہ ۳۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، التوبہ، ص ۲۳۱، حاشیہ ۱۰۰

[3] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ص ۵۰۴، حاشیہ ۱۶

ہے۔

❖

اللہ کی یہ مشیت کہ وہ کسے پاکیزگی بخشے، اندھا دھند نہیں ہے بلکہ علم کی بنا پر ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس میں بھلائی کی طلب موجود ہے اور کون بُرائی کی رغبت رکھتا ہے۔ ہر شخص اپنی خلوتوں میں جو باتیں کرتا ہے انھیں اللہ سُن رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے دل میں جو کچھ سوچا کرتا ہے، اللہ اس سے بے خبر نہیں رہتا۔ اسی براہِ راست علم کی بنا پر اللہ فیصلہ کرتا ہے کہ کسے پاکیزگی بخشے اور کسے نہ بخشے۔ [۲]

❖

سورۂ احزاب کی آیت ۱ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا، یعنی حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے کہ ہمارے دین کی مصلحت کس چیز میں ہے اور کس میں نہیں ہے، اس کو ہم زیادہ جانتے ہیں، ہم کو معلوم ہے کہ کس وقت کیا کام کرنا چاہیے اور کون سا کام خلافِ مصلحت ہے۔ [۳]

❖

وہ انسان کے صرف اُن اعمال ہی سے واقف نہیں ہے جو لوگوں کے علم میں آجاتے ہیں بلکہ اُن اعمال کو بھی جانتا ہے جو سب سے مخفی رہ جاتے ہیں۔ مزید برآں وہ اعمال کی ظاہری شکل ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کے پیچھے کیا ارادہ اور کیا مقصد کارفرما تھا اور جو کچھ اس نے کیا کس نیت سے کیا اور کیا سمجھتے ہوئے کیا۔ [۴]

❖

جن معاملات سے انسان کی قریب ترین دلچسپیاں وابستہ ہیں، انسان ان کے متعلق بھی کوئی علم نہیں رکھتا، پھر بھلا یہ جاننا اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ ساری دنیا کے انجام کا وقت کب آئے گا۔ تمھاری

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۶، حاشیہ ۱۰۳

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۳۷۲، حاشیہ ۱۹

[۳] تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، ص ۶۸، حاشیہ ۲

[۴] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۳۱، حاشیہ ۹

خوشحالی و بدحالی کا بڑا انحصار بارش پر ہے۔ مگر اس کا سر رشتہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب، جہاں، جتنی چاہتا ہے برساتا ہے اور جب چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں، کس وقت کتنی بارش ہوگی اور کون سی زمین اس سے محروم رہ جائے گی، یا کس زمین پر بارش اُلٹی نقصان دہ ہو جائے گی۔ تمھاری اپنی بیویوں کے پیٹ میں تمھارے اپنے نطفے سے حمل قرار پاتا ہے جس سے تمھاری نسل کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ کیا چیز اس پیٹ میں پرورش پا رہی ہے اور کس شکل میں کن بھلائیوں اور بُرائیوں کو لیے ہوئے وہ برآمد ہوگی۔ تم کو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کل تمھارے ساتھ کیا پیش آنا ہے، ایک اچانک حادثہ تمھاری تقدیر بدل سکتا ہے، مگر ایک منٹ پہلے بھی تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تمھاری اس زندگی کا خاتمہ آخر کار کہاں کس طرح ہوگا۔ یہ ساری معلومات اللہ نے اپنے ہی پاس رکھی ہیں اور ان میں سے کسی کا علم بھی تم کو نہیں دیا۔ ان میں سے ایک ایک چیز ایسی ہے جسے تم چاہتے ہو کہ پہلے سے تمھیں اس کا علم ہو جائے تو کچھ اس کے لیے پیش بندی کر سکو۔ لیکن تمھارے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ ان معاملات میں اللہ ہی کی تدبیر اور اسی کی قضا پر بھروسہ کرو۔ اسی طرح دنیا کے اختتام کی ساعت کے معاملے میں بھی اللہ کے فیصلے پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ اس کا علم بھی نہ کسی کو دیا گیا ہے نہ دیا جا سکتا ہے۔ [1]

❖

ایک انسان کے بس میں یہ ہے ہی نہیں کہ اُن تمام حقائق کا احاطہ کر لے جن کا جاننا ایک صحیح راہِ حیات متعین کرنے کے لیے ضروری ہے، یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہی سمیع و علیم ہے، اس لیے وہی یہ بتا سکتا ہے کہ انسان کے لیے ہدایت کیا ہے اور ضلالت کیا، حق کیا ہے اور باطل کیا، خیر کیا ہے اور شر کیا۔ [2]

❖

وہ سب کچھ جاننے والا ہے یعنی وہ قیاس و گمان کی بنا پر کوئی بات نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کا براہِ راست

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۸-۲۹، حاشیہ ۶۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، ص ۵۶۰، حاشیہ ۵

علم رکھتا ہے، اس لیے ماورائے حس وادراک حقیقتوں کے متعلق جو معلومات وہ دے رہا ہے، صرف وہی صحیح ہوسکتی ہیں، اور ان کو نہ ماننے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی خواہ مخواہ جہالت کی پیروی کرے۔ اسی طرح وہ جانتا ہے کہ انسان کی فلاح کس چیز میں ہے اور کون سے اصول وقوانین اور احکام اس کی بہتری کے لیے ضروری ہیں۔ اُس کی ہر تعلیم حکمت اور علمِ صحیح پر مبنی ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کی ہدایات کو قبول نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی خود اپنی تباہی کے راستے پر جانا چاہتا ہے۔ پھر انسانوں کی حرکات وسکنات میں سے کوئی چیز اُس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ حتیٰ کہ وہ ان نیتوں اور ارادوں تک کو جانتا ہے جو انسانی افعال کے اصل محرّک ہوتے ہیں۔ اس لیے انسان کسی بہانے اُس کی سزا سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ [1]

❖

مخالفتوں کے طوفان میں اللہ کی پناہ مانگ لینے کے بعد جو چیز مومن کے دل میں صبر وسکون اور اطمینان کی ٹھنڈک پیدا کرتی ہے وہ یہی یقین ہے کہ اللہ بے خبر نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ہمارے ساتھ کیا جارہا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ ہماری اور ہمارے مخالفین کی ساری باتیں وہ سُن رہا ہے اور دونوں کا طرزِ عمل جیسا کچھ بھی ہے اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ اسی اعتماد پر بندۂ مومن اپنا اور دشمنانِ حق کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے پوری طرح مطمئن ہوجاتا ہے۔ [2]

❖

اگر کبھی تم نے اللہ اور اس کے رسُول سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے اور خیال کو ان کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمھارا سابقہ اُس خدا سے ہے جو تمھاری سب باتیں سُن رہا ہے اور تمھاری نیتوں تک سے واقف ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۳۹۱، حاشیہ ۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، ص ۴۶۰، حاشیہ ۴۱

[3] تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات، ص ۷۱، حاشیہ ۲

یہ بات اللہ ہی جانتا ہے کہ کون فی الواقع ایک اعلیٰ درجے کا انسان ہے اور کون اوصاف کے لحاظ سے ادنیٰ درجے کا ہے۔ لوگوں نے بطورِ خود اعلیٰ اور ادنیٰ کے جو معیار بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں چلنے والے نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جس کو دنیا میں بہت بلند مرتبے کا آدمی سمجھا گیا ہو وہ اللہ کے آخری فیصلے میں کم ترین خلائق قرار پائے، اور ہوسکتا ہے کہ جو یہاں بہت حقیر سمجھا گیا ہو وہ وہاں بڑا اونچا مرتبہ پائے۔ اصل اہمیت دنیا کی عزت و ذلت کی نہیں بلکہ اُس ذلت و عزت کی ہے جو خدا کے ہاں کسی کو نصیب ہو۔ اس لیے انسان کو ساری فکر اس امر کی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے اندر وہ حقیقی اوصاف پیدا کرے جو اسے اللہ کی نگاہ میں عزت کے لائق بنا سکتے ہوں۔ [1]

❖

وہ محض کلیات ہی کا عالم نہیں ہے بلکہ جزئیات کا علم بھی رکھتا ہے۔ ایک ایک دانہ جو زمین کی تہوں میں جاتا ہے، ایک ایک پتی اور کونپل جو زمین سے پُھوٹتی ہے، بارش کا ایک ایک قطرہ جو آسمان سے گرتا ہے، اور بخارات کی ہر مقدار جو سمندروں اور جھیلوں سے اُٹھ کر آسمان کی طرف جاتی ہے، اس کی نگاہ میں ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کون سا دانہ زمین میں کس جگہ پڑا ہے۔ تبھی تو وہ اسے پھاڑ کر اس میں سے کونپل نکالتا ہے اور اسے پرورش کر کے بڑھاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ بخارات کی کتنی کتنی مقدار کہاں کہاں سے اٹھی ہے اور کہاں پہنچی ہے، تبھی تو وہ ان سب کو جمع کر کے بادل بناتا ہے اور زمین کے مختلف حصوں پر بانٹ کر ہر جگہ ایک حساب سے بارش برساتا ہے۔ اسی پر اُن دوسری تمام چیزوں کی تفصیلات کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو زمین میں جاتی اور اس سے نکلتی ہیں اور آسمان کی طرف چڑھتی اور اس سے نازل ہوتی ہیں۔ ان سب پر اللہ کا علم حاوی نہ ہو تو ہر چیز کی علیحدہ علیحدہ تدبیر اور ہر ایک کا انتہائی حکیمانہ طریقے سے انتظام کیسے ممکن ہے۔ [2]

❖

اللہ کو معلوم ہے کہ کون شخص واقعی ایمان رکھتا ہے اور کس شان کا ایمان رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الحجرات، ص۹۹، حاشیہ ۲۹

[2] تفہیم القرآن، ج۵، الحدید، ص ۳۰۴، حاشیہ ۵

علم کی بنا پر اُسی قلب کو ہدایت بخشتا ہے جس میں ایمان ہو، اور اُسی شان کی ہدایت بخشتا ہے جس شان کا ایمان اس میں ہو۔

اپنے مومن بندوں کے حالات سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔ اس نے ایمان کی دعوت دے کر، اور اس ایمان کے ساتھ دنیا کی شدید آزمائشوں میں ڈال کر اُنھیں اُن کے حال پر چھوڑ نہیں دیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مومن پر دنیا میں کیا کچھ گزر رہی ہے اور وہ کن حالات میں اپنے ایمان کے تقاضے کس طرح پورے کر رہا ہے۔ اس لیے اطمینان رکھو کہ جو مصیبت بھی اللہ کے اذن سے تم پر نازل ہوتی ہے، اللہ کے علم میں ضرور اس کی کوئی عظیم مصلحت ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی بڑی خیر پوشیدہ ہوتی ہے، کیونکہ اللہ اپنے مومن بندوں کا خیر خواہ ہے، بلا وجہ انھیں مصائب میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ [۱]

❖

کسی جگہ بھی تم اُس کے علم، اُس کی قدرت، اس کی فرمانروائی اور اس کی تدبیر و انتظام سے باہر نہیں ہو۔ زمین میں، ہوا میں، پانی میں، یا کسی گوشۂ تنہائی میں، جہاں بھی تم ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو۔ وہاں تمھارا زندہ ہونا بجائے خود اس کی علامت ہے کہ اللہ اُسی جگہ تمھاری زندگی کا سامان کر رہا ہے۔ تمھارا دل اگر دھڑک رہا ہے، تمھارے پھیپھڑے اگر سانس لے رہے ہیں۔ تمھاری سماعت، اور بینائی اگر کام کر رہی ہے تو یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کے انتظام سے تمھارے جسم کے سب کل پرزے چل رہے ہیں۔ اور اگر کسی جگہ بھی تمھیں موت آتی ہے تو اسی وجہ سے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھاری بقا کا انتظام ختم کر کے تمھیں واپس بُلا لینے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ [۲]

❖

اللہ نے جو طریقے اور قوانین مقرر کیے ہیں وہ سب علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ جس چیز کو حلال کیا ہے علم و حکمت کی بنا پر حلال کیا ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے اسے بھی علم و حکمت کی بنا پر حرام قرار دیا ہے۔ یہ کوئی اٹکل ٹپ کام نہیں ہے کہ جسے چاہا حلال کر دیا اور جسے چاہا حرام ٹھیرا دیا۔ لہٰذا جو لوگ اللہ پر ایمان

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۴۲، حاشیہ ۲۶

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۰۴، ۳۰۵، حاشیہ ۶

رکھتے ہیں انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ علیم و حکیم ہم نہیں ہیں بلکہ اللہ ہے اور ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اس کے دیے ہوئے احکام کی پیروی کریں۔[۱]

❖

مومن کو دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے ہر وقت یہ احساس اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہیے کہ اس کے کھلے اور چھپے اقوال و اعمال ہی نہیں ہیں، اس کی نیتیں اور اس کے خیالات تک اللہ سے مخفی نہیں ہیں۔ اور کافر اپنی جگہ خدا سے بے خوف ہو کر جو کچھ چاہے کرتا رہے، اس کی کوئی بات اللہ کی گرفت سے چھوٹی نہیں رہ سکتی۔[۲]

❖

کسی دوسرے کے پاس وہ علم ہی نہیں ہے جس سے وہ نظامِ کائنات اور اس کی مصلحتوں کو سمجھ سکتا ہو۔ انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسری مخلوقات سب کا علم ناقص اور محدود ہے۔ کائنات کی تمام حقیقتوں پر کسی کی نظر بھی محیط نہیں۔ پھر اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے جز میں بھی کسی بندے کی آزادانہ مداخلت یا اٹل سفارش چل سکے تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ نظامِ عالم تو رہا درکنار، بندے تو خود اپنی ذاتی مصلحتوں کو بھی سمجھنے کے اہل نہیں ہیں۔ ان کی مصلحتوں کو بھی خداوندِ عالم ہی پوری طرح جانتا ہے اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس خدا کی ہدایت و رہنمائی پر اعتماد کریں، جو علم کا اصلی سرچشمہ ہے۔[۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ٦، التحریم، ص ۲۰، ۲۱، حاشیہ ۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ٦، الملک، ص ٧۴، حاشیہ ۲۰

[۳] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۱۹۵، حاشیہ ۲۸۴

۳۰۔ اَلْغَنِیُّ

ہر ایک سے مُستغنی اور بے نیاز

غنی سے مُراد یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر ایک سے مُستَغْنی اور بے نیاز ہے، کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ (وہ) ایسا غنی ہے جسے ہر تعریف اور شکر کا استحقاق پہنچتا ہے کیونکہ وہ تمام موجوداتِ عالم کی حاجتیں پُوری کر رہا ہے۔ [۱]

تمھارے کُفر سے اس کی خدائی میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں آ سکتی۔ تم مانو گے تب بھی وہ خدا ہے، اور نہ مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا۔ اس کی فرمانروائی اپنے زور پر چل رہی ہے، تمھارے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا ۔ اے میرے بندو، اگر تم سب کے سب اگلے اور پچھلے، انسان اور جنّ اپنے میں سے کسی فاجر سے فاجر شخص کے دل کی طرح ہو جاؤ تب بھی میری بادشاہی میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ [۲]

وہ اُن حاجتوں سے بھی بے نیاز ہے جن کی وجہ سے فانی انسانوں کو اولاد کی یا بیٹا بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ [۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۸، حاشیہ ۳۷

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۶۰، حاشیہ ۱۹

[۳] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۹۹، حاشیہ ۶۸

وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے۔اس کی خدائی میں کسی کی شکر گزاری سے نہ ذرّہ برابر کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری و احسان فراموشی سے یک سرِ مُو کوئی کمی آتی ہے۔ وہ آپ اپنے ہی بل بوتے پر خدائی کر رہا ہے، بندوں کے ماننے یا نہ ماننے پر اس کی خدائی منحصر نہیں ہے۔ یہی بات قرآنِ مجید میں ایک جگہ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے نقل کی گئی ہے۔ وَاِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔اگر تم اور ساری دنیا والے مل کر بھی کفر کریں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔ (ابراہیم ۔آیت ۸) اور یہی مضمون اس حدیثِ قدسی کا ہے جو **صحیح مسلم** میں وارد ہوتی ہے کہ:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ ۔ مَا زَادَ ذَالِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا ۔ يَا عِبَادِيْ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا ۔ فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو، اگر اول سے آخر تک تم سب انس اور جن اپنے سب سے زیادہ متقی شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ ہو جائے گا۔ اے میرے بندو، اگر اول سے آخر تک تم سب انس اور جن اپنے سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو میری بادشاہی میں اس سے کوئی کمی نہ ہو جائے گی۔ اے میرے بندو، یہ تمھارے اپنے اعمال ہی ہیں جن کا میں تمھارے حساب میں شمار کرتا ہوں، پھر ان کی پوری پوری جزا تمھیں دیتا ہوں۔ پس جسے کوئی بھلائی نصیب ہو اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا

کرے اور جسے کچھ اور نصیب ہو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ [1]

❖

اسے اپنی ذات کے لیے تم سے لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی راہ میں تم سے کچھ خرچ کرنے کے لیے کہتا ہے تو وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمھاری ہی بھلائی کے لیے کہتا ہے۔ [2]

❖

اللہ کو ایسے ایمان لانے والوں کی کوئی حاجت نہیں ہے جو اس کے دین کو ماننے کا دعویٰ بھی کریں اور پھر اس کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ اس کی خدائی اس کی محتاج نہیں ہے کہ یہ لوگ اسے خدا مانیں۔ [3]

❖

اللہ کی کوئی غرض تو اُن سے اٹکی ہوئی نہ تھی کہ وہ اسے خدا مانیں گے تو وہ خدا رہے گا ورنہ خدائی کا تخت اس سے چھن جائے گا۔ وہ نہ اُن کی عبادت کا محتاج تھا، نہ ان کی حمد وثنا کا۔ [4]

❖

اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ خدا تمھارا محتاج ہے، تم اسے خدا نہ مانو گے تو اس کی خدائی نہ چلے گی، اور تم اس کی بندگی و عبادت نہ کرو گے تو اس کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ نہیں، اصل حقیقت یہ ہے کہ تم اس کے محتاج ہو۔ تمھاری زندگی ایک لمحے کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتی اگر وہ تمھیں زندہ نہ رکھے اور وہ اسباب تمھارے لیے فراہم نہ کرے جن کی بدولت تم دنیا میں زندہ رہتے ہو اور کام کر سکتے ہو۔ لہٰذا تمھیں اس کی طاعت و عبادت اختیار کرنے کی جو تاکید کی جاتی ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ خدا کو اس کی احتیاج ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اِسی پر تمھاری اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح کا انحصار ہے۔ ایسا نہ کرو گے تو

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۷۸، حاشیہ ۹۴

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، محمد، ص ۳۱، حاشیہ ۴۳

[3] تفہیم القرآن، ج ۵، الممتحنہ، ص ۴۳۲، حاشیہ ۱۰

[4] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۳۴، حاشیہ ۱۳

اپنا ہی سب کچھ بگاڑ لو گے، خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ [1]

❖

اس کی کوئی غرض تم سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، اس کا کوئی مفاد تم سے وابستہ نہیں ہے کہ تمھاری نافرمانی سے اس کا کچھ بگڑ جاتا ہو، یا تمھاری فرماں برداری سے اس کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہو۔ تم سب مل کر سخت نافرمان بن جاؤ تو اس کی بادشاہی میں ذرّہ برابر کمی نہیں کر سکتے اور سب کے سب مل کر اس کے مطیع فرمان اور عبادت گزار بن جاؤ تو اس کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ وہ نہ تمھاری سلامیوں کا محتاج ہے اور نہ تمھاری نذر و نیاز کا، اپنے بے شمار خزانے تم پر لٹا رہا ہے بغیر اس کے کہ ان کے بدلے میں اپنے لیے تم سے کچھ چاہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۷، حاشیہ ۳۶

[2] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۸۲، حاشیہ ۱۰۱

۳۱۔ الکریم

بڑا بزرگ، بہترین، عمدہ، اپنی ذات میں آپ بزرگ

سُورۂ انفطار میں ارشاد ہے: يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ ۔اے انسان، کس چیز نے تجھے اپنے اُس ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نِک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔

اوّل تو اس محسن پروردگار کے احسان و کرم کا تقاضا یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہو کر اس کا فرمانبردار بنتا اور اس کی نافرمانی کرتے ہوئے تجھے شرم آتی، مگر تو اس دھوکے میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور یہ خیال تجھے کبھی نہ آیا کہ اس وجود کے بخشنے والے کا احسان مانے۔ دوسرے، تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں جو کچھ تو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ جونہی تجھ سے کوئی خطا سرزد ہو وہ تجھ پر فالج گرا دے، یا تیری آنکھیں اندھی کر دے، یا تجھ پر بجلی گرا دے۔ لیکن تو نے اس کریمی کو کمزوری سمجھ لیا اور اس دھوکے میں پڑ گیا کہ تیرے خدا کی خدائی میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ [1]

❖

کوئی معقول وجہ اس دھوکے میں پڑنے کی نہیں ہے۔ تیرا وجود خود بتا رہا ہے کہ تو خود نہیں بن گیا ہے، تیرے ماں باپ نے بھی تجھے نہیں بنایا ہے، عناصر کے آپ سے آپ جڑ جانے سے بھی اتفاقاً تو انسان بن کر پیدا نہیں ہو گیا ہے، بلکہ ایک خدائے حکیم و توانا نے تجھے اس مکمل انسانی شکل میں ترکیب دیا ہے۔ تیرے سامنے ہر قسم کے جانور موجود ہیں جن کے مقابلے میں تیری بہترین ساخت اور تیری افضل و اشرف قوتیں صاف نمایاں ہیں۔ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو دیکھ کر تیرا سر بارِ احسان سے جھک جاتا اور

[1] تفہیم القرآن، ج ٦، الانفطار، ص ٢٧٤، حاشیہ ٣

اُس ربِ کریم کے مقابلے میں تو کبھی نافرمانی کی جرأت نہ کرتا۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ تیرا رب صرف رحیم و کریم ہی نہیں ہے، جبار و قہار بھی ہے۔ جب اس کی طرف سے کوئی زلزلہ یا سیلاب آجاتا ہے تو تیری ساری تدبیریں اس کے مقابلے میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیرا رب جاہل و نادان نہیں بلکہ حکیم و دانا ہے، اور حکمت و دانائی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اُسے اُس کے اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھیرایا جائے، جسے اختیارات دیے جائیں اس سے حساب بھی لیا جائے کہ اس نے اپنے اختیارات کو کیسے استعمال کیا، اور جسے اپنی ذمہ داری پر نیکی اور بدی کرنے کی طاقت دی جائے اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا بھی دی جائے۔ یہ سب حقیقتیں تیرے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں، اس لیے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے رب کریم کی طرف سے جس دھوکے میں تو پڑ گیا ہے اس کی کوئی معقول وجہ موجود ہے، تُو خود جب کسی کا افسر ہوتا ہے تو اپنے اُس ماتحت کو کمینہ سمجھتا ہے جو تیری شرافت اور نرم دلی کو کمزوری سمجھ کر تیرے سر چڑھ جائے۔ اس لیے تیری اپنی فطرت یہ گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ مالک کا کرم ہرگز اس کا موجب نہ ہونا چاہیے کہ بندہ اس کے مقابلے میں جری ہو جائے اور اس غلط فہمی میں پڑ جائے کہ میں جو کچھ چاہوں کروں، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ [۱]

❖

یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ آدمی اگر اس کے بخشے ہوئے مال کو اُسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے، بشرطیکہ وہ قرضِ حسن (اچھا قرض) ہو، یعنی خالص نیت کے ساتھ کسی ذاتی غرض کے بغیر دیا جائے، کسی قسم کی ریاکاری اور شہرت و ناموری کی طلب اُس میں شامل نہ ہو، اُسے دے کر کسی پر احسان نہ جتایا جائے، اُس کا دینے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے دے اور اُس کے سوا کسی کے اجر اور کسی کی خوشنودی پر نگاہ نہ رکھے۔ اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس دے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا فرمائے گا۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۶، الانفطار، ص ۲۷۴۔۲۷۵، حاشیہ ۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۱۰، حاشیہ ۱۶

۳۲۔ اَلْعَفُوُّ

درگزر کرنے والا۔ نرمی سے کام لینے والا

سورہ الحج آیت ۶۰ میں ارشاد ہے: لَيَنْصُرَنَّهُ اللهُ ۭ اِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۔ اللہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔

سورہ المجادلہ آیت ۲ میں ارشاد ہے: وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

سورہ نساء آیت ۴۳ میں ہے: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔ اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا بخشش فرمانے والا ہے۔

سورۂ نساء آیت ۹۹ میں ہے: فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔ بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کردے، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

سورۂ نساء آیت ۱۴۹ میں ہے: اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۔ اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ، یا کم از کم برائی سے درگزر کرو، تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، حالانکہ سزا دینے پر پُوری قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ایک نہایت بلند درجے کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔ منافق اور یہودی اور بُت پرست سب کے سب اُس وقت ہر ممکن طریقے سے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے اور اُس کی پیروی قبول کرنے والوں کو ستانے اور پریشان کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ کوئی بدتر سے بدتر تدبیر ایسی نہ تھی جو وہ اس نئی تحریک کے خلاف استعمال نہ کر رہے ہوں۔ اس پر مسلمانوں کے اندر نفرت اور غصے

کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس قسم کے جذبات کا طوفان اٹھتے دیکھ کر فرمایا کہ بدگوئی پر زبان کھولنا تمھارے خدا کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تم مظلوم ہو اور اگر مظلوم ظالم کے خلاف بدگوئی پر زبان کھولے تو اُسے حق پہنچتا ہے۔ لیکن پھر بھی افضل یہی ہے کہ خفیہ ہو یا علانیہ ہر حال میں بھلائی کیے جاؤ اور برائیوں سے درگزر کرو، کیونکہ تم کو اپنے اخلاق میں خدا کے اخلاق سے قریب تر ہونا چاہیے۔ جس خدا کا قرب تم چاہتے ہو اس کی شان یہ ہے کہ نہایت حلیم اور بُردبار ہے۔ سخت سے سخت مُجرموں تک کو رزق دیتا ہے اور بڑے سے بڑے قصوروں پر بھی درگزر کیے چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے قریب تر ہونے کے لیے تم بھی عالی حوصلہ اور وسیع الظرف بنو۔ [1]

❖

اللہ جس کے تم بندے ہو، عفو و درگزر کرنے والا ہے، اس لیے تم کو بھی، جہاں تک بھی تمھارے بس میں ہو، عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اہلِ ایمان کے اخلاق کا زیور یہی ہے کہ وہ حلیم، عالی ظرف اور متحمل ہوں۔ بدلہ لینے کا حق انھیں ضرور حاصل ہے مگر بالکل منتقمانہ ذہنیت اپنے اوپر طاری کر لینا ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ [2]

❖

سُورہ المجادلہ آیت ۲ میں ہے: تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

یہ حرکت تو ایسی ہے کہ اس پر آدمی کو بہت ہی سخت سزا ملنی چاہیے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے اوّل تو ظِہار کے معاملے میں جاہلیت کے قانون کو منسوخ کر کے تمھاری خانگی زندگی کو تباہی سے بچا لیا، دوسرے اس فعل کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے وہ سزا تجویز کی جو اس جرم کی ہلکی سے ہلکی

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، النساء، ص ۴۱۳۔ ۴۱۴، حاشیہ ۱۷۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۶، ۲۴۷، حاشیہ ۱۰۵

سزا ہو سکتی تھی، اور سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ سزا کسی ضرب یا قید کی شکل میں نہیں بلکہ چند ایسی عبادات اور نیکیوں کی شکل میں تجویز کی جو تمھارے نفس کی اصلاح کرنے والی اور تمھارے معاشرے میں بھلائی پھیلانے والی ہیں۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، ص ۳۴۱، حاشیہ ۶

۳۳۔ اَلْقَدِیْرُ

کامل قُدرت رکھنے والا۔ بڑی ہی قُدرت والا

سُورۂ بقرہ آیت ۲۰ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

نیز بقرہ آیات ۱۰۶۔ ۱۰۹۔ ۱۴۸۔ ۲۵۹۔ ۲۸۴۔ اور آلِ عمران آیات ۲۶۔ ۲۹۔ ۱۶۵۔ ۱۸۹۔ اور المائدہ آیات ۱۷۔ ۱۹۔ ۴۰۔ ۱۲۰۔ اور الانعام آیت ۱۷۔ الانفال آیت ۴۱۔ التوبہ آیت ۳۹۔ ہُود آیت ۴۔ النحل آیات ۷۰۔ ۷۷۔ الحج آیات ۶۔ ۳۹۔ النُّور آیت ۴۵۔ العنکبوت آیت ۲۰۔ الروم آیات ۵۰۔ ۵۴۔ فاطر آیت ۱۔ فصلت آیت ۳۹۔ الشُّوریٰ آیات ۹۔ ۲۹۔ ۵۰۔ الاحقاف آیت ۳۳۔ الحدید آیت ۲۔ الحشر آیت ۶۔ الممتحنہ آیت ۷۔ التغابن آیت ۱۔ الطلاق آیت ۱۲۔ التحریم آیت ۸۔ الملک آیت ۱۔

تمام نظامِ کائنات پر وہی حاکم ہے اور گردشِ لیل ونہار اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جو خدا رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نکال لاتا ہے اور چمکتے ہوئے دن پر رات کی ظلمت طاری کر دیتا ہے، وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کے اقتدار کا سُورج نصف النہار پر ہے اُن کے زوال و غروب کا منظر بھی دنیا کو جلدی ہی دکھا دے، اور کفر و جہالت کی جو تاریکی اس وقت حق وصداقت کی فجر کا راستہ روک رہی ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے حکم سے چھٹ جائے اور وہ دن نکل آئے جس میں راستی اور علم ومعرفت کے نُور سے دنیا روشن ہو جائے۔ [1]

❖

بچپن، جوانی اور بڑھاپا، یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ یہ اسی کی مشیت پر موقوف ہے کہ جسے چاہے کمزور پیدا کرے اور جس کو چاہے طاقت ور بنائے، جسے چاہے بچپن سے جوانی تک نہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۷، حاشیہ ۱۰۷

پہنچنے دے اور جس کو چاہے جواں مرگ کردے، جسے چاہے بُری عمر دے کر بھی تندرست وتوانا رکھے اور جس کو چاہے شاندار جوانی کے بعد بڑھاپے میں اس طرح ایڑیاں رگڑوائے کہ دنیا اسے دیکھ کر عبرت کرنے لگے۔ انسان اپنی جگہ جس گھمنڈ میں چاہے مبتلا ہوتا رہے مگر خدا کے قبضۂ قدرت میں وہ اس طرح بے بس ہے کہ جو حالت بھی خدا اس پر طاری کردے اسے وہ اپنی کسی تدبیر سے نہیں بدل سکتا۔ [1]

❖

مغرور بندے اس غلط فہمی میں ہیں کہ زمین اور اس کے بسنے والوں کی قسمتوں کے فیصلے کرنے والے وہ خود ہیں۔ مگر جو طاقت ایک ذرا سے بیج کو تناور درخت بنا دیتی ہے اور ایک تناور درخت کو ہیزمِ سوختنی میں تبدیل کر دیتی ہے، اسی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جن کے دبدبے کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے ہوں کہ بھلا ان کو کون ہلا سکے گا، انھیں ایسا گرائے کہ دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بن جائیں اور جنھیں دیکھ کر کوئی گمان بھی نہ کرسکتا ہو کہ یہ بھی کبھی اُٹھ سکیں گے انھیں ایسا سربلند کرے کہ دنیا میں ان کی عظمت و بزرگی کے ڈنکے بج جائیں۔ [2]

❖

کوئی انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہوسکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کرسکے۔ جسے خدا نے بانجھ کردیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا، جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کرسکا، اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پاسکا۔ اس معاملے میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدایش سے پہلے کوئی یہ نہ معلوم کرسکا کہ رحمِ مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی میں مختارِ کُل ہونے کا زعم کرے، یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں دخیل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۶۵، ۷۶۶، حاشیہ ۷۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۳۴، حاشیہ ۸۶

سے حقیقت میں ذرّہ برابر بھی تغیّر واقع نہیں ہوتا۔[1]

❖

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ساری کائنات کو چھوڑ کر صرف اپنی اسی زمین کو لے لیجیے، اور زمین کے بھی تمام حقائق و واقعات کو چھوڑ کر صرف انسان اور نباتات ہی کی زندگی پر نظر ڈال کر دیکھ لیجیے۔ یہاں اُس کی قدرت کے جو کرشمے آپ کو نظر آتے ہیں کیا انھیں دیکھ کر کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا بس وہی کچھ کر سکتا ہے جو آج ہم اسے کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور کل اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا؟ خدا تو خیر بہت بلند و برتر ہستی ہے، انسان کے متعلق پچھلی صدی تک لوگوں کے یہ اندازے تھے کہ یہ صرف زمین ہی پر چلنے والی گاڑیاں بنا سکتا ہے۔ ہوا پر اڑنے والی گاڑیاں بنانا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ مگر آج کے ہوائی جہازوں نے بتا دیا کہ انسان کے ''امکانات'' کی حدیں تجویز کرنے میں ان کے اندازے کتنے غلط تھے۔ اب اگر کوئی شخص خدا کے لیے صرف آج کے کام دیکھ کر امکانات کی کچھ حدیں تجویز کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا، تو وہ صرف اپنے ہی ذہن کی تنگی کا ثبوت دیتا ہے، خدا کی قدرت بہرحال اس کی باندھی ہوئی حدوں میں بند نہیں ہو سکتی۔[2]

❖

(اللہ مختارِ مطلق ہے) اُس کو کسی قانون نے باندھ نہیں رکھا ہے کہ اُس کے مطابق عمل کرنے پر وہ مجبور ہو، بلکہ وہ مالکِ مختار ہے۔[3]

❖

وہ قادرِ مُطلق ہے جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی طاقت اس کی قدرت کو محدود کرنے والی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۱۵، حاشیہ ۷۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۵، حاشیہ ۹

[3] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۲۲۳، حاشیہ ۳۳۶

نہیں ہے۔

❖

مسیح علیہ السلام کی اعجازی پیدائش اوران کے اخلاقی کمالات اور محسوس معجزات کو دیکھ کر جو لوگ اس دھوکے میں پڑ گئے ہیں کہ مسیح ہی خدا ہے وہ درحقیقت نہایت نادان ہیں۔ مسیحؑ تو اللہ کے بے شمار عجائبِ تخلیق میں سے محض ایک نمونہ ہے جسے دیکھ کر ان ضعیف البصر لوگوں کی نگاہیں چُندھیا گئیں۔ اگر ان لوگوں کی نگاہ کچھ وسیع ہوتی تو انھیں نظر آتا کہ اللہ نے اپنی تخلیق کے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز نمونے پیش کیے ہیں اور اس کی قدرت کسی حد کے اندر محدود نہیں ہے۔ پس یہ بڑی بے دانشی ہے کہ مخلوق کے کمالات کو دیکھ کر اسی پر خالق ہونے کا گمان کرلیا جائے۔ دانشمند وہ ہیں جو مخلوق کے کمالات میں خالق کی عظیم الشان قدرت کے نشانات دیکھتے ہیں اور ان سے ایمان کا نُور حاصل کرتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج۵، التغابن، ص۵۲۸، حاشیہ ۴

[۲] تفہیم القرآن، ج اوّل، المائدہ، ص۴۵۷، حاشیہ ۴۰

۳۴۔ اَللَّطِيفُ

غیر محسوس طریقوں سے اپنے ارادے پُورے کرنے والا۔ پوشیدہ حقائق جاننے والا

سُورۂ انعام آیت ۱۰۳ میں ہے:

وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

سُورۂ یُوسف آیت ۱۰۰ میں ہے:

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پُوری کرتا ہے، بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔

سُورۂ الحج آیت ۶۳ میں ہے:

فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

اور اس کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف و خبیر ہے

سُورۂ لقمان آیت ۱۶ میں ہے:

فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

کوئی چیز رائی کے دانے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چُھپی ہوئی ہو، اللہ اسے نکال لائے گا۔ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔

سُورۂ الشوریٰ آیت ۱۹ میں ہے:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ جسے جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے۔

سورۃ الملک آیت ۱۴ میں ہے:

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔

سورۃ الاحزاب آیت ۳۴ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا

بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔

مخفی سے مخفی باتوں تک اس کا علم پہنچ جاتا ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ [۱]

❖

اس کی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں کہ لوگ اُن کے آغاز میں کبھی اُن کے انجام کا تصور تک نہیں کرسکتے۔ لاکھوں بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہیں، کون جان سکتا ہے کہ ان میں سے کون ابراہیم علیہ السلام ہے جو تین چوتھائی دنیا کا روحانی پیشوا ہوگا اور کون چنگیز ہے جو ایشیا اور یورپ کو تہ و بالا کر ڈالے گا۔ خوردبین جب ایجاد ہوئی تھی اس وقت کون یہ تصوّر کرسکتا تھا کہ یہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک نوبت پہنچائے گی۔ کولمبس جب سفر کو نکل رہا تھا تو کسے معلوم تھا کہ یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بنا ڈالی جارہی ہے۔ غرض خدا کے منصوبے ایسے ایسے دقیق اور ناقابلِ ادراک طریقوں سے پورے ہوتے ہیں کہ جب تک وہ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس چیز کے لیے کام ہو رہا ہے۔ [۲]

❖

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ لطیف جس کا پورا مفہوم ''مہربان'' سے ادا نہیں ہوتا۔ اس لفظ میں دو مفہوم شامل ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت وعنایت رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، ص ۹۴، حاشیہ ۵۲

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۸، حاشیہ ۱۱۱

وہ بڑی باریک بینی کے ساتھ ان کی دقیق ترین ضروریات پر بھی نگاہ رکھتا ہے جن تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی، اور انھیں اس طرح پورا کرتا ہے کہ وہ خود بھی محسوس نہیں کرتے کہ ہماری کون سی ضرورت کب کس نے پوری کر دی۔ پھر بندوں سے مراد محض اہلِ ایمان نہیں، بلکہ تمام بندے ہیں یعنی اللہ کا یہ لُطف اس کے سب بندوں پر عام ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ۴۹۷، ۴۹۸، حاشیہ ۳۴

۳۵۔ الخبیر

نہایت باخبر ہستی

سُورۂ بقرہ آیات ۲۳۴ اور ۲۷۱ میں ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

سُورہ آلِ عمران آیت ۱۵۳ میں ہے: وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

المائدہ آیت ۸۔ الانعام آیت ۱۸۔ ۷۳۔ ۱۰۳۔ التوبہ آیت ۱۶۔ ہُود آیت ۱۔ ۱۱۱۔ الحج آیت ۶۳۔ النور آیت ۳۰۔ ۵۳۔ النمل آیت ۸۸۔ لقمان آیت ۱۶۔ ۲۹۔ ۳۴۔ سبا آیت ۱۔ فاطر آیت ۱۴۔ ۳۱۔ الشوریٰ ۲۷۔ الحجرات آیت ۱۳، الحدید ۱۰۔ المجادلہ آیت ۳۔ ۱۱۔ ۱۳۔ الحشر آیت ۱۸۔ المنافقون ۱۱۔ التغابن آیت ۸۔ التحریم آیت ۳۔ المُلک آیت ۱۴۔ العادیات آیت ۱۱ میں بیان ہُوا ہے۔

علاوہ ازیں: النساء آیت ۳۵۔ ۹۴۔ ۱۲۸۔ ۱۳۵۔ الاسراء آیات ۱۷۔ ۳۰۔ ۹۶۔ الفرقان آیت ۵۸۔ ۵۹۔ الاحزاب آیت ۲۔ ۳۴۔ الفتح آیت ۱۱ میں خَبِيْرًا استعمال ہوا ہے۔

وہ اپنی دنیا کے حالات، مصالح اور ضروریات سے باخبر ہے، اور جانتا ہے کہ اپنی خدائی کا کام کس طرح کرے۔ [1]

❖

بندوں کے لیے خیر کس چیز میں ہے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کیا اُصول موزوں ہیں اور کون سے ضابطے ٹھیک ان کی مصلحت کے مطابق ہیں۔ ان امور کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، کیونکہ بندوں کی فطرت اور اس کے تقاضوں سے وہی باخبر ہے، اور ان کے حقیقی مصالح پر وہی نگاہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۸، حاشیہ ۱۱۱

رکھتا ہے۔ بندے خود اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتے جتنا ان کا خالق ان کو جانتا ہے۔ [1]

❖

اسے اپنی ہر مخلوق کے متعلق پُورا علم ہے کہ وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے، کیا اس کی ضروریات ہیں، کیا کچھ اس کی مصلحت کے لیے مناسب ہے، کیا اس نے اب تک کیا ہے اور آگے کیا اس سے صادر ہونے والا ہے، وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا سے بے خبر نہیں ہے بلکہ اُسے ذرّے ذرّے کی حالت پُوری طرح معلوم ہے۔ [2]

❖

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق اپنی مخلوق سے بے خبر ہو؟ مخلوق خود اپنے آپ سے بے خبر ہوسکتی ہے، مگر خالق اُس سے بے خبر نہیں ہوسکتا۔ تمھاری رگ رگ اس نے بنائی ہے۔ تمھارے دل و دماغ کا ایک ایک ریشہ اس کا بنایا ہُوا ہے۔ تمھارا ہر سانس اس کے جاری رکھنے سے جاری ہے۔ تمھارا ہر عضو اس کی تدبیر سے کام کر رہا ہے۔ اُس سے تمھاری کوئی بات کیسے چھپی رہ سکتی ہے؟ [3]

❖

اللہ اندھا اور بہرا نہیں ہے کہ کسی شاہِ بے خبر کی طرح اندھا دُھند کام کرے اور اپنی عطا و بخشش میں بھلے اور بُرے کے درمیان کوئی تمیز نہ کرے۔ وہ پوری باخبری کے ساتھ اپنی اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ ہر ایک کے ظرف اور حوصلے پر اس کی نگاہ ہے۔ ہر ایک کے اوصاف کو وہ جانتا ہے۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ تم میں سے کون کس راہ میں اپنی محنتیں اور کوششیں صرف کر رہا ہے۔ [4]

❖

اگر کبھی تم نے اللہ اور اس کے رسُول سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۳۳، ۲۳۴، حاشیہ ۵۴

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۱۷۳، حاشیہ ۳

[3] تفہیم القرآن، ج ٦، الملک، ص ۴۸، حاشیہ ۲۱

[4] تفہیم القرآن، ج اول، النساء، ص ۴۰٦، حاشیہ ۱٦۳

اور خیال کو ان کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمھارا سابقہ اس خدا سے ہے جو تمھاری سب باتیں سن رہا ہے اور تمھاری نیتوں سے واقف ہے۔ [۱]

❖

اللہ جس کو جو اجر اور مرتبہ بھی دیتا ہے یہ دیکھ کر دیتا ہے کہ کس نے کن حالات میں کس جذبے کے ساتھ کیا عمل کیا ہے۔ اُس کی بانٹ اندھی بانٹ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کا درجہ اور اس کے عمل کا اجر پوری باخبری کے ساتھ متعین کرتا ہے۔ [۲]

(مثلاً) اگر آدمی گھر میں چُپکے سے بیوی کے ساتھ ظہار کر بیٹھے اور پھر کفارہ ادا کیے بغیر میاں اور بیوی کے درمیان حسبِ سابق زوجیت کے تعلقات چلتے رہیں، تو چاہے دنیا میں کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہو، اللہ کو تو بہر حال اس کی خبر ہوگی۔ اللہ کے مواخذے سے بچ نکلنا ان کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ [۳]

اگر انسان کو یہ یاد رہے کہ وہ آزاد نہیں ہے بلکہ ایک خدا کا بندہ ہے، اور وہ خدا اس کے تمام اعمال سے باخبر ہے، اور اس کے سامنے جا کر ایک دن اسے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے، تو وہ کبھی کسی گمراہی و بدعملی میں مبتلا نہ ہو، اور بشری کمزوری سے اس کا قدم اگر کسی وقت پھسل بھی جائے تو ہوش آتے ہی وہ فوراً سنبھل جائے۔ [۴]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج۵، الحجرات، ص۷۱، حاشیہ ۲

[۲] تفہیم القرآن، ج۵، الحدید، ص۳۰۹، ۳۱۰، حاشیہ ۱۵

[۳] تفہیم القرآن، ج۵، المجادلہ، ص۳۴۴، حاشیہ ۱۰

[۴] تفہیم القرآن، ج۵، المنافقون، ص۵۲۳، حاشیہ ۱۸

۳۶۔ السَّمِیْعُ

سب کچھ سننے والا

سُورۂ بقرہ کی آیات ۱۲۷۔ ۱۳۷۔ ۱۸۱۔ ۲۲۴۔ ۲۲۷۔ ۲۵۶ میں یہ اسم مُبارک آیا ہے۔ آلِ عمران آیات ۳۴۔ ۳۸۔ ۱۲۱ میں بھی۔

المائدہ آیت ۷۶۔ الانعام آیت ۱۳۔ ۱۱۵ میں۔ الاعراف آیت ۲۰۰۔ الانفال آیات ۱۷۔ ۴۲۔ ۵۳۔ ۶۱۔ التوبہ آیات ۹۸۔ ۱۰۳۔ یُونس ۶۵۔ ہُود ۲۴۔ یُوسف ۳۴۔ ابراہیم ۳۹۔ الاسراء آیت ۱۔ الانبیاء آیت ۴۔ الحج آیت ۶۱۔ ۷۵۔ النُّور ۲۱۔ ۶۰۔ الشعراء ۲۲۰۔ العنکبوت آیت ۵۔ ۶۰۔ لقمان آیت ۲۸۔ سبا۔ ۵۰۔ غافر آیت ۲۰۔ ۵۶۔ فصلت ۳۶۔ الشوریٰ ۱۱۔ الدّخان ۶۔ الحجرات آیت ۱۔ المجادلہ آیت ۱۔

خدا اندھا، بہرا، بے خبر خدا نہیں ہے (تفہیم ج ۲، ص ۱۴۷۔ حاشیہ ۳۵)۔ (لوگوں کو اس غلط فہمی میں بھی نہ رہنا چاہیے کہ ان کا سابقہ کسی شہِ بے خبر سے ہے۔ جس خدا کے سامنے انھیں جواب دہی کے لیے حاضر ہونا ہے وہ بے خبر نہیں بلکہ سمیع و علیم خدا ہے، ان کی کوئی بات بھی اس سے چُھپی ہوئی نہیں ہے۔ [1]

❖

وہ بیک وقت ساری کائنات کی آوازیں الگ الگ سُن رہا ہے اور کوئی آواز اس کی سماعت کو اس طرح مشغول نہیں کرتی کہ اسے سنتے ہوئے وہ دوسری چیزیں نہ سن سکے۔ [2]

❖

ایک انسان تو کیا، سارے انسان مل کر بھی اگر اپنے لیے کوئی راہِ حیات متعین کریں تو اس کے حق

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، ص ۶۷۷، حاشیہ ۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۳، حاشیہ ۴۹

ہونے کی کوئی ضمانت نہیں، کیونکہ پوری نوعِ انسانی یکجا ہو کر بھی ایک سمیع و علیم نہیں بنتی۔ اُس کے بس میں یہ ہے ہی نہیں کہ اُن تمام حقائق کا احاطہ کرے جن کا جاننا ایک صحیح راہِ حیات متعین کرنے کے لیے ضروری ہے، یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہی سمیع و علیم ہے۔ [1]

❖

تم لوگ جو کچھ باتیں بناتے ہو سب خدا سنتا اور جانتا ہے، خواہ زور سے کہو، خواہ چپکے چپکے کانوں میں پھونکو۔ [2]

❖

ہر شخص اپنی خلوتوں میں جو باتیں کرتا ہے انھیں اللہ سُن رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے دل میں بھی جو کچھ سوچا کرتا ہے، اللہ اس سے بے خبر نہیں رہتا۔ اسی براہِ راست علم کی بنا پر اللہ فیصلہ کرتا ہے کہ کسے پاکیزگی بخشے اور کسے نہ بخشے۔ [3]

❖

تمھارے معبودوں کی طرح وہ کوئی اندھا بہرا خدا نہیں ہے جسے کچھ پتہ نہ ہو کہ جس آدمی کے معاملے کا وہ فیصلہ کر رہا ہے اس کے کیا کرتوت تھے۔ [4]

❖

سُورۃ الشعراء آیت ۲۱۹۔۲۲۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اُٹھتے ہو، اور سجدہ گزار لوگوں میں تمھاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، ص ۵۶۰، حاشیہ ۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، ص ۱۴۷، حاشیہ ۶

[3] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۳۷۲، حاشیہ ۱۹

[4] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۴۰۲، حاشیہ ۳۳

اس سے کئی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ جب نماز با جماعت میں اپنے مقتدیوں کے ساتھ اُٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع و سجود کرتے ہیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ دوسرے جب راتوں کو اُٹھ کر آپ اپنے ساتھیوں کو جن کے لیے ''سجدہ گزار'' کا لفظ امتیازی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، دیکھتے پھرتے ہیں کہ وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں، اس وقت آپ اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہوتے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس تمام دوڑ دھوپ اور تگ و دو سے واقف ہے جو آپ اپنے سجدہ گزار ساتھیوں کی معیت میں اُس کے بندوں کی اصلاح کے لیے کر رہے ہیں۔ چوتھے یہ کہ سجدہ گزار لوگوں کے گروہ میں آپ کے تمام تصرفات اللہ کی نگاہ میں ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ آپ کس طرح ان کی تربیت کر رہے ہیں، کیسا کچھ ان کا تزکیہ آپ نے کیا ہے اور کس طرح مس خام کو کندن بنا کر رکھ دیا ہے۔ [1]

❖

سُورۂ سبا آیت ۵۰ میں ارشاد ہے: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ۔کہو اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اُس وحی کی بنا پر ہوں جو میرا رب میرے اُوپر نازل کرتا ہے، وہ سب کچھ سُنتا ہے اور قریب ہی ہے۔

اس زمانے کے بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ ہو سکتے تھے، بلکہ ہو جایا کرتے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے خود حضورؐ ہی کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ اگر میں گمراہ ہوتا ہوں تو اپنی گمراہی کا خود ذمّہ دار ہوتا ہوں اور راہ راست پر میں بس اُس وقت ہوتا ہوں جب میرا رب مجھ پر وحی یعنی آیاتِ قرآنی نازل کرتا ہے۔ اس غلط تاویل سے یہ ظالم گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی معاذ اللہ ہدایت و ضلالت کا مجموعہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے سامنے حضورؐ سے یہ اعتراف اس لیے کروایا تھا کہ کہیں کوئی شخص آپؐ کو بالکل ہی راہِ راست پر سمجھ کر آپؐ کی مکمل پیروی نہ اختیار کر بیٹھے۔ حالانکہ جو شخص بھی سلسلۂ کلام پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ یہاں

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۵۴۵، حاشیہ ۱۳۹

''اگر میں گمراہ ہوگیا ہُوں'' کے الفاظ اس معنی میں نہیں کہے گئے ہیں کہ معاذ اللہ حضورؐ فی الواقع گمراہ ہوجاتے تھے، بلکہ پُوری بات اس معنی میں کہی گئی ہے کہ اگر میں گمراہ ہوگیا ہُوں، جیسا کہ تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو، اور میرا یہ نبوت کا دعویٰ اور میری یہ دعوتِ توحید اسی گمراہی کا نتیجہ ہے جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر پڑے گا، اس کی ذمہ داری میں تم نہ پکڑے جاؤ گے۔ لیکن اگر میں ہدایت پر ہوں، جیسا کہ درحقیقت ہوں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی آتی ہے جس کے ذریعے سے مجھے راہِ راست کا علم حاصل ہوگیا ہے۔ میرا رب قریب ہی موجود ہے اور سب کُچھ سن رہا ہے، اسے معلوم ہے کہ میں گمراہ ہُوں، یا اس کی طرف سے ہدایت یافتہ۔ [1]

❖

سُورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۶ میں ارشاد ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

مخالفتوں کے طوفان میں اللہ کی پناہ مانگ لینے کے بعد جو چیز مومن کے دل میں صبر وسکون اور اطمینان کی ٹھنڈک پیدا کرتی ہے وہ یہی یقین ہے کہ اللہ بے خبر نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ ہماری اور ہمارے مخالفین کی ساری باتیں وہ سُن رہا ہے اور دونوں کا طرزِ عمل جیسا کچھ بھی ہے اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ اسی اعتماد پر بندۂ مومن اپنا اور دشمنانِ حق کا معاملہ اللہ کے سُپرد کرکے پُوری طرح مطمئن ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۲۱۳، حاشیہ ۷۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰمٓ السجدہ، ص ۴۶۰، حاشیہ ۴۱

۳۷۔ اَلْمَوْلٰی

آقا۔ سرپرست۔ قریبی عزیز۔ حامی و ناصر۔ خبر گیری کرنے والا

مولیٰ عربی زبان میں ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی تعلق کی بنا پر دوسرے شخص کی حمایت کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ رشتہ داری کا تعلق ہو یا دوستی کا یا کسی اور قسم کا۔ [1]

❖

جنگِ اُحد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر چند صحابہؓ کے ساتھ ایک گھاٹی میں ٹھیرے ہوئے تھے اُس وقت ابوسفیان نے نعرہ لگایا تھا: لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ۔ ہمارے پاس عُزّیٰ ہے اور تمھارا عزّیٰ نہیں ہے۔

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: اسے جواب دو: اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ ۔ ہمارا حامی و ناصر اللہ ہے اور تمھارا حامی و ناصر کوئی نہیں۔ [2]

❖

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سُورہ محمد کی آیت ۱۱ یعنی ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ سے ماخوذ ہے۔ یہ اس لیے کہ ایمان لانے والوں کا حامی و ناصر اللہ ہے اور کافروں کا حامی و ناصر کوئی نہیں۔

سُورۂ تحریم آیت ۲ میں ارشاد ہے: وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۔ اللہ تمھارا مولیٰ ہے۔ یعنی اللہ تمھارا آقا اور تمھارے معاملات کا متولی ہے۔ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تمھاری بھلائی کس چیز میں ہے اور جو احکام بھی اُس نے دیے ہیں سراسر حکمت کی بنا پر دیے ہیں۔ تم خود مختار نہیں ہو بلکہ اللہ کے بندے ہو اور وہ تمھارا آقا ہے، اس

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، ص ۵۷۱، حاشیہ ۳۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، محمد، ص ۲۰، حاشیہ ۱۶

لیے اس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں میں ردّوبدل کرنے کا اختیار تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تمھارے لیے حق یہی ہے کہ اپنے معاملات اس کے حوالے کر کے بس اُس کی اطاعت کرتے رہو۔ [1]

سُورہ آلِ عمران ۱۵۰ میں ارشادِ ربانی ہے: بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمھارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔

❖

سُورہ الانفال آیت ۴۰ میں ارشاد ربانی ہے: وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمھارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

❖

سُورہ الحج آیت ۷۸ میں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمھارا مولیٰ، بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔

سُورہ التحریم آیت ۲ میں ارشاد ہے وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ اللہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہی علیم و حکیم ہے۔

(لہٰذا) اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لو، ہدایت اور قانونِ زندگی بھی اللہ سے لو، اطاعت بھی اسی کی کرو، خوف بھی اسی کا رکھو، امیدیں بھی اسی سے وابستہ کرو، مدد کے لیے بھی اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ اور اپنے توکل و اعتماد کا سہارا بھی اسی کی ذات کو بناؤ۔ [2]

(کیونکہ) تنہا اللہ ہی قادرِ مطلق ہے اور وہی تمام اختیارات کا مالک اور تمھاری بھلائی اور بُرائی کا مختارِ کُل ہے اور اُسی کے ہاتھ میں تمھاری قسمتوں کی باگ ڈور ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، التحریم، ص ۲۰، حاشیہ ۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۵۶، حاشیہ ۱۳۴

[3] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۴۷، حاشیہ ۴۱

۳۸۔ اَلنَّصِیْرُ

بہترین مدد کرنے والا۔ بہترین حامی و مددگار

احمق لوگ سمجھ رہے ہیں کہ یہ معبود دنیا اور آخرت میں ان کے مددگار ہیں، حالانکہ ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہے۔ نہ یہ معبود، کیونکہ ان کے پاس مدد کی کوئی طاقت نہیں، اور نہ اللہ، کیونکہ اس سے یہ بغاوت اختیار کر چکے ہیں۔ [1]

❖

سورۂ عنکبوت آیت ۲۲ میں ارشاد ہے: وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۔ اور اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمھارے لیے نہیں ہے۔ یعنی نہ تمھارا اپنا زور اتنا ہے کہ خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ، اور نہ تمھارا کوئی مددگار ایسا زورآور ہے کہ خدا کے مقابلے میں تمھیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذے سے تمھیں بچالے۔ ساری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے، جنھوں نے احکامِ خداوندی کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے، جنھوں نے جرأت و جسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم و فساد کے طوفان اٹھائے ہیں، ان کا حمایتی بن کر اُٹھ سکے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے، یا خدا کی عدالت میں یہ کہنے کی ہمت کر سکے کہ یہ میرے ہیں اس لیے جو کچھ بھی انھوں نے کیا ہے اسے معاف کر دیا جائے۔ [2]

❖

انسان خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، خود اپنے بل بوتے پر باطل کے طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۵۰، حاشیہ ۱۲۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، ص ۶۹۰، حاشیہ ۳۵

جب تک کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہو۔[1]

❖

مدد سے مراد ہر قسم کی مدد ہے۔ حق اور باطل کی کشمکش میں جتنے محاذ بھی کھلیں، ہر ایک پر اہلِ حق کی تائید میں کمک پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ دلیل کی لڑائی ہو تو وہی باطل پرستوں کے دل پھاڑتا ہے اور اہلِ حق کے دل جوڑتا ہے۔ انسانی طاقت کا مقابلہ ہو تو وہی ہر مرحلے پر مناسب اور موزوں اشخاص اور گروہوں کو لا کر اہلِ حق کی جمعیت بڑھاتا ہے۔ مادّی وسائل کی ضرورت ہو، تو وہی اہلِ حق کے تھوڑے مال و اسباب میں وہ برکت دیتا ہے کہ اہلِ باطل کے وسائل کی فراوانی ان کے مقابلے میں محض دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوتی ہے۔ غرض کوئی پہلو مدد اور رہنمائی کا ایسا نہیں ہے جس میں اہلِ حق کے لیے اللہ کافی نہ ہو اور انھیں کسی دوسرے سہارے کی حاجت ہو، بشرطیکہ وہ اللہ کی کفایت پر ایمان و اعتماد رکھیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے رہیں بلکہ سرگرمی کے ساتھ باطل کے مقابلے میں حق کی سربلندی کے لیے جانیں لڑائیں۔[2]

ایمان دل میں ہو تو اس سے بڑھ کر ہمت دلانے والی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوندِ عالم آپ کی مدد اور رہنمائی کا ذمہ لے رہا ہے۔ اس کے بعد تو صرف ایک کم اعتقاد و بزدل ہی میدان میں آگے بڑھنے سے ہچکچا سکتا ہے۔[3]

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۳۳، حاشیہ ۸۸

[2] قرآن پاک میں مندرجۂ ذیل سورتوں میں یہ اسم گرامی بیان ہوا ہے:

التوبہ آیت ۱۱۶۔ الحج آیت ۱۷ اور ۷۸ میں، العنکبوت آیت ۲۲، فاطر آیت ۳۷ میں، الشوریٰ آیت ۸ اور ۳۱ میں...... نصیراً نصبی حالت میں، النساء آیت ۴۵، ۵۲، ۷۵، ۸۹، ۱۲۳، ۱۴۵، ۱۷۳ میں الاسراء آیات ۷۵، ۸۰ میں۔ الفرقان آیت ۳۱، الاحزاب آیت ۱۷ اور ۶۵ میں، الفتح آیت ۲۲ میں بیان ہوا ہے۔

[3] **تفہیم القرآن**، ج ۳، الفرقان، ص ۴۴۸۔۴۴۹، حاشیہ ۴۳

۳۹۔ اَلْقَرِیْبُ ۴۰۔ اَلْمُجِیْبُ

بہت قریب — دعاؤں کا جواب دینے والا

سورۃ البقرہ آیت ۱۸۶ میں ارشادِ ربانی ہے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الخ۔ اور اے نبیؐ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انھیں بتا دو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دور ہوں۔ نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے، مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے، حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اُسے بھی سن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں، فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے الٰہ اور رب قرار دے رکھا ہے، اُن کے پاس تو تمھیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمھاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمھاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے پایاں کا فرماں روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمھیں دے رہا ہوں، اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی و اطاعت میں آ جاؤ۔

❖

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، البقرہ، ص ۱۴۴، حاشیہ ۱۸۸

سُورۂ ہُود آیت ٦١ میں ارشاد ہے: فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اُس کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب ہے اور وہ دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔

مُشرکین کی ایک بہت بڑی غلط فہمی جو بالعموم ان سب میں پائی جاتی ہے اور اُن اہم اسباب میں سے ایک ہے جنھوں نے ہر زمانے میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے (یہ ہے کہ) یہ لوگ اللہ کو اپنے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں جو رعیت سے دُور اپنے محلوں میں دادِ عیش دیا کرتے ہیں، جن کے دربار تک عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی، جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہو تو مقربینِ بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور پھر اگر خوش قسمتی سے کسی کی درخواست ان کے آستانۂ بلند پر پہنچ بھی جاتی ہے تو ان کا پندارِ خدائی یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس کو جواب دیں، بلکہ جواب دینے کا کام مقربین ہی میں سے کسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس غلط گمان کی وجہ سے یہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں اور ہوشیار لوگوں نے ان کو ایسا سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ خداوندِ عالم کا آستانۂ قدس عام انسانوں کی دست رَس سے بہت ہی دُور ہے۔ اس کے دربار تک بھلا کسی عامی کی پہنچ کیسے ہوسکتی ہے۔ وہاں تک دعاؤں کا پہنچنا اور پھر ان کا جواب ملنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ پاک روحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈا جائے اور ان مذہبی منصب داروں کی خدمات نہ حاصل کی جائیں جو اُوپر تک نذریں، نیازیں اور عرضیاں پہنچانے کے ڈھب جانتے ہیں۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جس نے بندے اور خدا کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا ایک جمِ غفیر کھڑا کر دیا اور اس کے ساتھ مہنت گری کا وہ نظام پیدا کیا جس کے توسُّط کے بغیر جاہلی مذاہب کے پیرو پیدائش سے لے کر موت تک اپنی کوئی مذہبی رسم بھی انجام نہیں دے سکتے۔

[قرآن] نے جاہلیت کے اس پُورے طلسم کو صرف دو لفظوں سے توڑ کر پھینک دیا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ قریب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مجیب ہے۔ یعنی تمھارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ تم سے دُور ہے، اور یہ بھی غلط ہے کہ تم براہِ راست اس کو پُکار کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اگرچہ بہت بالا و برتر ہے مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہے۔ تم میں سے ایک ایک شخص اپنے پاس ہی اس کو

پاسکتا ہے۔اس سے سرگوشی کرسکتا ہے۔خلوت اور جلوت دونوں میں علانیہ بھی اور صیغۂ راز میں بھی اپنی عرضیاں خوداس کے حضور پیش کرسکتا ہے۔اور پھر وہ براہِ راست اپنے ہر بندے کی دعاؤں کا جواب خود دیتا ہے۔پس جب سلطانِ کائنات کا دربارِ عام ہروقت ہر شخص کے لیے کھلا ہے اور ہر شخص کے قریب ہی موجود ہے تو یہ تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ اس کے لیے واسطے اور وسیلے ڈھونڈتے پھرتے ہو۔[1]

❖

سورہ قٓ آیت ۱۶ میں ارشادِ ربانی ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

یعنی ہماری قدرت اور ہمارے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اُس کی رگِ گردن بھی اس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا ہمارا علم اور ہماری قدرت اس سے قریب ہے۔اُس کی بات سننے کے لیے ہمیں کہیں سے چل کر نہیں آنا پڑتا،اُس کے دل میں آنے والے خیالات تک ہم براہِ راست جانتے ہیں۔اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو ہم کہیں سے آکر اس کو نہیں پکڑیں گے،وہ جہاں بھی ہے ہر وقت ہماری گرفت میں ہے،جب چاہیں گے اسے دھرلیں گے۔[2]

❖

سورہ سبا آیت ۵۰ میں ارشاد ہے: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ۔ کہو اگر میں گمراہ ہوگیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے،اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی بنا پر ہُوں جو میرا رب میرے اُوپر نازل کرتا ہے۔وہ سب کچھ سنتا ہے اور قریب ہی ہے۔

میرا رب قریب ہی موجود ہے اور وہ سب کچھ سُن رہا ہے،اُسے معلوم ہے کہ میں گمراہ ہُوں یا اُس کی طرف سے ہدایت یافتہ۔[3]

---

[1] تفہیم القرآن،ج ۲،ہود،ص ۳۴۹۔۳۵۰،حاشیہ ۶۹

[2] تفہیم القرآن،ج ۵،قٓ،ص ۱۱۶،۱۱۷،حاشیہ ۲۰

[3] تفہیم القرآن،ج ۴،سبا،ص ۲۱۳،،حاشیہ ۷۱

۴۱۔ اَلرَّقِیْبُ

ہر چیز پر نگران۔ چشم براہ

سُورہ مائدہ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے: فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۔ جب آپ نے مجھے واپس بُلالیا تو آپ ان پر نگران تھے۔

سُورہ ہُود آیت ۹۳ میں ارشاد ہے: وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۔ میں بھی تمھارے ساتھ چشم براہ ہوں۔

سُورہ قٓ آیت ۱۸ میں ارشاد ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔

ایک طرف تو (اللہ تعالیٰ) خود براہ راست انسان کی حرکات وسکنات اور اس کے خیالات کو جانتا ہے، دوسری طرف ہر انسان پر دو فرشتے مامور ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور اس کا کوئی قول وفعل ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں انسان کی پیشی ہوگی اُس وقت اللہ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ کون کیا کر کے آیا ہے، اور اس پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ بھی موجود ہوں گے جو اس کے اعمال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے۔ یہ دستاویزی ثبوت کس نوعیت کا ہوگا، اس کا ٹھیک ٹھیک تصوّر کرنا تو ہمارے لیے مشکل ہے۔ مگر جو حقائق آج ہمارے سامنے آ رہے ہیں انھیں دیکھ کر یہ بات بالکل یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس فضا میں انسان رہتا اور کام کرتا ہے اُس میں ہر طرف اُس کی آوازیں، اُس کی تصویریں، اور اُس کی حرکات وسکنات کے نقوش ذرّے ذرّے پر ثبت ہو رہے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کو بعینہٖ انھی شکلوں اور آوازوں میں دوبارہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اصل اور نقل میں ذرّہ برابر فرق نہ ہو۔ انسان یہ کام نہایت ہی محدود پیمانے پر آلات کی مدد سے کر رہا ہے۔ لیکن خدا کے فرشتے نہ ان آلات کے محتاج ہیں نہ ان قیود

سے مقیّد۔ انسان کا اپنا جسم اور اس کے گرد و پیش کی ہر چیز اُن کی ٹیپ اور اُن کی فلم ہے جس پر وہ ہر آواز اور ہر تصویر کو اس کی نازک ترین تفصیلات کے ساتھ جُوں کی تُوں ثبت کر سکتے ہیں اور قیامت کے روز آدمی کو اس کے اپنے کانوں سے اُس کی اپنی آواز میں اُس کی وہ باتیں سُنوا سکتے ہیں جو وہ دنیا میں کرتا تھا، اور اس کی اپنی آنکھوں سے اس کے تمام کرتوتوں کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا سکتے ہیں جن کی صحت سے انکار کرنا اس کے لیے ممکن نہ رہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہ دے دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پُوری کر کے اس کو سزا دے گا۔ اسی لیے دُنیا میں ہر شخص کے اقوال و افعال کا مکمل ریکارڈ تیار کرایا جا رہا ہے تاکہ اس کی کارگزاریوں کا پُورا ثبوت ناقابلِ انکار شہادتوں سے فراہم ہو جائے۔ [1]، [2]

---

[1] علاوہ ازیں رقیب کا اسم سُورہ نساء آیت ۱ اور سورہ الاحزاب آیت ۵۲ میں بیان ہُوا ہے۔

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، ص ۱۱۷، حاشیہ ۲۱

مُحاسِب۔ حساب لینے والا

سُورۃ النساء آیت ٦ میں ہے: فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا۔ پھر جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنالو، اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔

سُورۃ النساء آیت ٨٦ میں ہے: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا۔ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

سُورۃ الاحزاب آیت ٣٩ میں ہے: وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا۔ ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبے کے لیے بس اللہ ہی کافی ہے۔

اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر خوف اور خطرے کے مقابلے میں اللہ کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کسی اور کی باز پرس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ [1]

❖

ہر انسان فرداً فرداً اللہ کے سامنے ذمّہ دار اور جواب دہ ہے۔ جس بادشاہ زمین و آسمان کے سامنے جوابدہ ہے، وہ غیب و شہادت کا علم رکھنے والا ہے، حتیٰ کہ دلوں کے چُھپے ہوئے ارادے اور خیالات تک اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ [2]

جس کا نامۂ اعمال اُس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اُس سے ہلکا حساب لیا جائے گا یعنی اُس سے سخت حساب فہمی نہ کی جائے گی۔ اُس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں کام تو نے کیوں کیے تھے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ٤، الاحزاب، ص ١٠٣، حاشیہ ٧٦

[2] تفہیم القرآن، ج اوّل، البقرہ، ص ٢٢٣، حاشیہ ٣٣٥

اور تیرے پاس اُن کاموں کے لیے کیا عُذر ہے۔ اُس کی بھلائیوں کے ساتھ اُس کی برائیاں بھی اُس کے نامۂ اعمال میں موجود ضرور ہوں گی، مگر بس یہ دیکھ کر کہ بھلائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہے، اس کے قصوروں سے درگزر کیا جائے گا اور اسے معاف کر دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں بداعمال لوگوں سے سخت حساب فہمی کے لیے سُوء الحساب (بُری طرح حساب لینے) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں (الرعد، آیت ۱۸)، اور نیک لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہتر اعمال قبول کر لیں گے اور اُن کی برائیوں سے درگزر کریں گے (الاحقاف، آیت ۱۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے اُسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، حاکم، ابنِ جریر، عَبد بن حُمید اور ابن مَردُوْیَہ نے مختلف الفاظ میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس سے بھی حساب لیا گیا مارا گیا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ، کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ جس کا نامۂ اعمال اُس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا؟ حضورؐ نے جواب دیا: وہ تو صرف اعمال کی پیشی ہے لیکن جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ مارا گیا۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضورؐ کو نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سُنا کہ خدایا مجھ سے ہلکا حساب لے۔ آپ نے جب سلام پھیرا تو میں نے اس کا مطلب پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: ہلکے حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال کو دیکھا جائے گا اور اُس سے درگزر کیا جائے گا۔ اے عائشہؓ، اُس روز جس سے حساب فہمی کی گئی وہ مارا گیا۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الانشقاق، ص ۲۸۹، ۲۹۰، حاشیہ ۶

بڑی قوّت رکھنے والا۔ نہایت طاقتور۔ زور آور

سُورہ الانفال آیت ۵۲ میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ

اللہ قوّت رکھتا ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔

سُورہ ہُود آیت ۶۶ میں ہے:

اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ

بے شک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور بالا دست ہے۔

سُورہ الحج آیت ۴۰ میں ارشاد ہے:

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ

اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

سُورہ الحج آیت ۷۴ میں ارشاد ہے:

مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔

سکے، یا زبردستی اس سے کچھ لے سکے، یا کسی کو دینے سے اس کو روک سکے۔ [1]

اللہ تو ہر وقت یہ قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے اپنے ایک اشارے سے تمام کافروں کو مغلوب کر دے اور اپنے رسولوں کو اُن پر غلبہ وتسلط عطا فرما دے۔ مگر اس میں پھر رسولوں پر ایمان لانے والوں کا کیا کمال ہوگا جس کی بنا پر وہ کسی انعام کے مستحق ہوں؟ اسی لیے اللہ نے اس کام کو اپنی غالب قدرت سے انجام دینے کے بجائے طریقِ کار یہ اختیار فرمایا کہ اپنے رسولوں کو بینات اور کتاب اور میزان دے کر انسانوں کے درمیان مبعوث کر دیا۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۹۸، حاشیہ ۳۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۲۳، حاشیہ ۴۷

۴۴۔ اَلشَّهِيْدُ

(بہترین) نگران، دیکھنے والا، گواہ

شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دریغ نہ کیا۔ ایسے راستباز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابلِ اعتماد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔[1]

❖

کیا لوگوں کو انجامِ بد سے ڈرانے کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ اس دعوت کو جھٹلانے اور زک پہنچانے کے لیے جو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ ان کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے۔[2]

❖

(اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ شَهِيْدٌ قرآن مجید کی کئی سورتوں میں مذکور ہے، مثلاً) سورۂ نساء آیت ۳۳ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔ آیت ۷۹ میں ارشاد ہے: وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔ اے محمدؐ! ہم نے تم کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔

سورہ نساء آیت ۱۶۶ میں ارشاد ہے: اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، النساء، ص ۳۷۰، حاشیہ ۹۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، ص ۴۷۱، حاشیہ ۷۱

شَهِيۡدًا ۔ اُس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور اس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں۔ اگرچہ اللہ کا گواہ ہونا بالکل کفایت کرتا ہے۔

سُورہ مائدہ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے: وَ كُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۔ اُسی وقت تک ان کا نگران تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔ جب آپ نے مجھے واپس بلالیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگران ہیں۔

سُورۂ یُونس آیت ۲۹ میں ارشاد ہے: فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۔ ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ (تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو) ہم تمھاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ یعنی وہ تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پُوجا گیا، اور وہ تمام جنّ، اَرْواح، اسلاف، اجداد، انبیاء، اولیاء، شہداء وغیرہ جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھیرا کر وہ حقوق انھیں ادا کیے گئے جو دراصل خدا کے حقوق تھے، وہاں اپنے پرستاروں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو، تھاری کوئی دُعا، کوئی التجا، کوئی پکار اور فریاد، کوئی نذر و نیاز، کوئی چڑھاوے کی چیز، کوئی تعریف و مدح اور ہمارے نام کی جاپ، اور کوئی سجدہ ریزی و آستانہ بوسی و درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی۔ [1]

❖

سُورۂ رعد آیت ۴۳ میں ارشاد ہے: وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۔ یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہو، میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے۔

سُورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۶ میں ہے: قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ۔ اے محمدؐ، ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمھارے درمیان بس ایک اللہ کی گواہی کافی ہے اور وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔...... اسی طرح سورۂ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۸۱، حاشیہ ۳۷

عنکبوت آیت ۵۲ میں ہے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ...... (اے نبیؐ) کہو کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہی کے لیے کافی ہے۔

سُورہ احزاب آیت ۵۵ میں ہے: وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۔ (اے عورتو!) تمھیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔

خواتین کو یہ روش ہرگز نہ اختیار کرنی چاہیے کہ وہ شوہر کی موجودگی میں تو پردے کی پابندی کریں مگر جب وہ موجود نہ ہو تو غیر محرم مردوں کے سامنے پردہ اٹھا دیں۔ ان کا یہ فعل چاہے ان کے شوہر سے چھپا رہ جائے خدا سے تو نہیں چھپ سکتا۔ [۱]

❖

سُورہ احقاف آیت ۸ میں ارشاد ہے: قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۔ ان سے کہو، اگر میں نے اسے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے تو تم مجھے خدا کی پکڑ سے کچھ بھی نہ بچا سکو گے، جو باتیں تم بناتے ہو اللہ ان کو خُوب جانتا ہے، میرے اور تمھارے درمیان وہی گواہی دینے کے لیے کافی ہے۔

مشرکین کے الزام کا محض بے اصل اور سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی ہونا بالکل ظاہر تھا اس لیے اس کی تردید میں دلائل پیش کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ پس یہ کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ اگر واقعی میں نے خود ایک کلام تصنیف کر کے اللہ کی طرف منسوب کرنے کا جُرمِ عظیم کیا ہے جیسا کہ تم الزام رکھتے ہو، تو مجھے خدا کی پکڑ سے بچانے کے لیے تم نہ آؤ گے، لیکن اگر یہ خدا ہی کا کلام ہے اور تم جُھوٹے الزامات رکھ رکھ کر اسے رد کر رہے ہو تو اللہ تم سے نمٹ لے گا۔ حقیقت اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اور جھوٹ سچ کا فیصلہ کرنے کے لیے وہ بالکل کافی ہے۔ ساری دنیا اگر کسی کو جھوٹا کہے اور اللہ کے علم میں وہ سچا ہو تو آخری فیصلہ لازماً اسی کے حق میں ہوگا۔ اور ساری دنیا اگر کسی کو سچا کہہ دے، مگر اللہ کے علم میں وہ جھوٹا ہو، تو آخر کار وہ جھوٹا ہی قرار پائے گا۔ لہٰذا اُلٹی سیدھی باتیں بنانے کے بجائے اپنے انجام کی فکر کرو۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، ص ۱۲۳، حاشیہ ۱۰۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، الاحقاف، ص ۶۰۴۔۶۰۵، حاشیہ ۱۰

سُورۂ فتح آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا [1] ۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُس کو پُوری جنسِ دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

حُدَیبیہ میں جب معاہدۂ صلح لکھا جانے لگا تھا اس وقت کفارِ مکہ نے حضورؐ کے اسمِ گرامی کے ساتھ رسُول اللہ کے الفاظ لکھنے پر اعتراض کیا تھا اور ان کے اصرار پر حضورؐ نے خود معاہدے کی تحریر میں سے یہ الفاظ مٹا دیے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہمارے رسول کا رسُول ہونا تو ایک حقیقت ہے جس میں کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس کو اگر کچھ لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ اس کے حقیقت ہونے پر ہماری شہادت کافی ہے۔ اُن کے انکار کر دینے سے یہ حقیقت بدل نہیں جائے گی، بلکہ اُن کے علی الرّغم اُس ہدایت اور اُس دینِ حق کو پُوری جنسِ دین پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا جسے لے کر یہ رسول ہماری طرف سے آیا ہے، خواہ یہ منکرین اسے روکنے کے لیے کتنا ہی زور مار کر دیکھ لیں۔ [2]

❖

اللہ جو کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہِ راست علم رکھتا ہے، جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے، جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، یہ اُس کی شہادت ہے۔ اور اس سے بڑھ کر معتبر عینی شہادت اور کس کی ہوگی...... کہ پورے عالمِ وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے، جو خدائی کی صفات سے مُتّصف ہو، خدائی کے اقتدار کی مالک ہو، اور خدائی کے حقوق کی مستحق ہو۔ [3]

---

[1] علاوہ ازیں یہ اسم گرامی مندرجہ ذیل سورتوں میں بیان ہوا ہے: آل عمران آیت ۹۸۔ المائدہ آیت ۱۱۷۔ الانعام آیت ۱۹، الحج آیت ۱۷، سبا آیت ۴۷، فصلت آیت ۵۳، المجادلہ آیت ۶، البروج آیت ۹، العادیات آیت ۷ وغیرہ

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، الفتح ص ۶۲، حاشیہ ۵۱

[3] تفہیم القرآن، ج اول، آل عمران، ص ۲۳۹، حاشیہ ۱۴

۴۵۔ الحمید

اپنی ذات میں آپ محمود۔ ستودہ صفات

سورہ البقرہ آیت ۲۶۷ میں ارشاد ہے: وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔ اور تم ہرگز اُسے لینا گوارا نہ کرو گے الّا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمھیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔

سورۂ ہود آیت ۷۳ میں ارشاد ہے: رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۚ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

سورۂ ابراہیم آیت ۸ میں ارشاد ہے: وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اگر تم کُفر کرو اور زمین کے سارے رہنے والے بھی کافر ہو جائیں تو اللہ بے نیاز ہے اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

سورہ الحج آیت ۶۴ میں ارشاد ہے: مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بے شک وہی غنی و حمید ہے۔

سورۂ لقمان آیت ۱۲ میں ارشاد ہے: وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔ جو کوئی شکر کرے اُس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے اور جو کُفر کرے تو حقیقت میں اللہ بے نیاز اور آپ سے آپ محمود ہے۔

سورۂ فاطر آیت ۱۵ میں ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۔ تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی و حمید ہے۔

سورہ فصلت آیت ۴۲ میں ارشاد ہے: لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔

سُورۂ شُوریٰ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ۔ وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی قابلِ تعریف ولی ہے۔

سُورۂ الحدید آیت ۲۴ میں ہے: وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ اب کوئی رُوگردانی کرتا ہے تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

سُورۃ التغابن آیت ۶ میں ہے: فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ اُس طرح انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور مُنہ پھیر لیا، تب اللہ بھی ان سے بے پروا ہو گیا اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود۔

سُورۃ البروج آیت ۸ میں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ اور اہلِ ایمان سے اُن کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اُس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

سُورہ نساء آیت ۱۳۱ میں ہے: فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا۔ آسمان وزمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا مستحق ہے۔

حمید سے مُراد یہ ہے کہ وہ آپ سے آپ محمود ہے۔ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے مگر حمد (شکر و تعریف) کا استحقاق اسی کو پہنچتا ہے۔ ان دونوں صفات کو (سُورۂ فاطر آیت ۱۵) میں ایک ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ محض غنی تو وہ بھی ہو سکتا ہے جو اپنی دولت مندی سے کسی کو نفع پہنچائے اس صورت میں وہ غنی تو ہو گا مگر حمید نہ ہو گا۔ حمید وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ کسی سے خود تو کوئی فائدہ نہ اٹھائے مگر اپنی دولت کے خزانوں سے دوسروں کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ان دونوں صفات میں کامل ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ محض غنی نہیں ہے بلکہ ایسا غنی ہے جسے ہر تعریف اور شکر کا استحقاق

پہنچتا ہے کیونکہ وہ تمھاری اور تمام موجوداتِ عالم کی حاجتیں پوری کر رہا ہے۔ [1]

❖

کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے کمال و جمال اور اس کی خلّاقی اور رزّاقی پر شہادت دے رہا ہے اور ہر مخلوق زبانِ حال سے اس کی حمد بجالا رہی ہے۔ [2]

---

[1] تفهیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۸، حاشیہ ۳۷

[2] تفهیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۱۵، حاشیہ ۱۹

بلند پایہ۔ بڑی شان والا۔ بزرگ و برتر

سُورہ ہُود آیت ۷۳ میں ارشاد ہے: اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ یقیناً اللہ نہایت قابلِ تعریف اور بڑی شان والا ہے۔

مجید کا لفظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک بلند مرتبہ، باعظمت، بزرگ اور صاحبِ عزّت و شرف۔ دوسرے، کریم، کثیر العطاء، بہت نفع پہنچانے والے۔

بزرگ و برتر کہہ کر انسان کو اس کمینے پن پر متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایسی ہستی کے مقابلے میں گستاخی کا رویہ اختیار کرتا ہے (جو بلند پایہ، بڑی شان والی اور بزرگ و برتر ہے)۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، البروج، ص ۳۰۰، حاشیہ ۷

۴۸۔ اَلْمُحِيْطُ

تمام طاقتوں کے ساتھ احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا، ہر چیز پر مُحیط

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (النساء ۴:۱۲۶)

اللہ کی قدرت اور اس کے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اُس کی رگِ گردن بھی اُس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا اُس کا علم اور اُس کی قدرت اس سے قریب ہے۔ اُس کی بات سننے کے لیے اسے کہیں سے چل کر نہیں آنا پڑتا، اس کے (انسان) دل میں آنے والے خیالات تک کو وہ براہِ راست جانتا ہے۔ اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو وہ کہیں سے آ کر اس کو نہیں پکڑے گا، وہ جہاں بھی ہے ہمہ وقت اس کی گرفت میں ہے جب چاہے گا اُسے دھر [۱] لے گا۔ [۲]

❖

رسول پر بھی اور فرشتوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اس طرح محیط ہے کہ اگر بال برابر بھی وہ اس کی مرضی کے خلاف جنبش کریں تو فوراً گرفت میں آ جائیں۔ جو پیغامات اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے ان کا حرف حرف گنا ہوا ہے، رسولوں اور فرشتوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ان میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی کر سکیں۔ [۳]

❖

انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسری مخلوقات سب کا علم ناقص اور محدود ہے۔ کائنات کی تمام حقیقتوں پر کسی کی نظر بھی محیط نہیں۔ [۴]

---

[۱] اس پیرے میں ضمیریں بدلی گئی ہیں۔ (از مرتب)

[۲] تفہیم القرآن، ج۵، قٓ، ص۱۱۶، حاشیہ ۲۰

[۳] تفہیم القرآن، ج۶، الجنّ، ص۱۲۲، حاشیہ ۳۰

[۴] تفہیم القرآن، ج اوّل، البقرہ، ص۱۹۵، حاشیہ ۲۸۲

اگر انسان اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کرے اور سرکشی سے باز نہ آئے تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتا، اللہ کی قدرت اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ [1]

❖

یہ بات کہ اللہ نے مخالفین کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور نبی کی دعوت اللہ کی حفاظت میں ہے، مکے کے ابتدائی دَور کی سُورتوں میں متعدد جگہ ارشاد ہوئی ہے مثلاً سُورۂ بُروج میں فرمایا:

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ وَّاللَّهُ مِن وَرَآئِهِم مُّحِيطٌ ۔ [2] مگر یہ کافر جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، النساء، ص ۴۰۱، حاشیہ ۱۵۱

[2] مندرجۂ ذیل آیات میں بھی یہ اسمِ گرامی بیان ہُوا ہے۔

البقرہ آیت ۱۹۔ آلِ عمران آیت ۱۲۰۔ الانفال آیت ۴۷۔ ہُود آیت ۹۲۔ فصلت آیت ۵۴۔ اور محیطاً کسی حالت میں۔ النساء آیت ۱۰۸ اور ۱۲۶ میں بیان ہوا ہے۔

[3] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۲۷، حاشیہ ۷۰

۴۹۔ الحفیظ

ہر چیز پر نگران، پاسبان، حفاظت کرنے والا

سورۂ ہود آیت ۵۷ میں ارشاد ہے:

اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ

یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔

سورۂ شوریٰ آیت ۶ میں ہے:

وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡہِمۡ

جن لوگوں نے اُس کو چھوڑ کر اپنے کچھ دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں، اللہ ہی ان پر نگران ہے۔

سورۂ سبا آیت ۲۱ میں ہے:

وَرَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ

تیرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔

سورۂ الشوریٰ میں ہے: اللّٰہُ حَفِیۡظٌ عَلَیۡہِمۡ ۔ اللہ ہی اُن پر نگران ہے۔ یعنی وہ ان کے سارے افعال دیکھ رہا ہے اور ان کا نامۂ اعمال تیار کر رہا ہے۔ ان کا محاسبہ اور مواخذہ کرنا اُسی کا کام ہے۔ تم ان کے حوالہ دار نہیں ہو۔ یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی قسمت تمھارے حوالے نہیں کر دی گئی ہے جو تمھاری بات نہ مانے گا اُسے تم جلا کر خاک کر دو گے، یا اُس کا تختہ اُلٹ دو گے، یا اُسے تہس نہس کر کے رکھ دو گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو ایسا سمجھتے تھے اور آپ کی غلط فہمی یا بر خود غلطی کو رفع کرنے کے لیے یہ بات ارشاد ہوئی ہے۔ بلکہ اس سے مقصود کفار کو سنانا ہے۔ اگرچہ بظاہر مخاطب حضورؐ ہی ہیں، لیکن اصل مدعا کفار کو یہ بتانا

ہے کہ اللہ کا نبی اُس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا جیسے بلند بانگ دعوے خدارسیدگی اور روحانیت کے ڈھونگ رچانے والے عموماً تمھارے ہاں کیا کرتے ہیں۔ جاہلیت کے معاشروں میں بالعموم یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ''حضرت'' قسم کے لوگ ہر اس شخص کی قسمت بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے۔ بلکہ مرجانے کے بعد ان کی قبر کی بھی اگر کوئی توہین کر گزرے، یا اور کچھ نہیں تو ان کے متعلق کوئی بُرا خیال ہی دل میں لے آئے تو وہ اس کا تختہ اُلٹ دیتے ہیں۔ یہ خیال زیادہ تر ''حضرتوں'' کا اپنا پھیلایا ہُوا ہوتا ہے، اور نیک لوگ جو خود ایسی باتیں نہیں کرتے، ان کے نام اور ان کی ہڈیوں کو اپنے کاروبار کا سرمایہ بنانے کے لیے کچھ دوسرے ہوشیار لوگ اُن کے متعلق اس خیال کو پھیلاتے ہیں۔ بہرحال عوام میں اسے روحانیت وخدارسیدگی کا لازمہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کو قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کے اختیارات حاصل ہوں۔ اسی فریب کا طلسم توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ کفار کو سناتے ہوئے اپنے رسولِ پاک سے فرمارہا ہے کہ بلاشبہ تم ہمارے پیغمبر ہو اور ہم نے اپنی وحی سے تمھیں سرفراز کیا ہے، مگر تمھارا کام صرف لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ اُن کی قسمتیں تمھارے حوالے نہیں کر دی گئی ہیں۔ وہ ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہیں۔ بندوں کے اعمال کو دیکھنا اور اُن کو عذاب دینا یا نہ دینا ہمارا اپنا کام ہے۔ [۱]

❖

اس زمین پر تمھارا ابقا اور تمھاری سلامتی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اپنے بل بوتے پر تم یہاں مزے سے نہیں دندنا رہے ہو۔ تمھاری زندگی کا ایک ایک لمحہ جو یہاں گزر رہا ہے، اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کا رہینِ منت ہے۔ ورنہ کسی وقت بھی اُس کے ایک اشارے سے ایک زلزلہ ایسا آسکتا ہے کہ یہی زمین تمھارے لیے آغوشِ مادر کے بجائے قبر کا گڑھا بن جائے، یا ہوا کا ایسا طوفان آسکتا ہے جو تمھاری بستیوں کو غارت کر کے رکھ دے۔ [۲]

❖

(جب کسی شخص کو حفیظ کہیں گے تو ایسے شخص کو کہیں گے) جو اللہ کے حدود اور اس کے فرائض اور

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ۴۸۱، حاشیہ ۷

[۲] تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، ص ۴۹، حاشیہ ۲۶

اس کی حُرمتوں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتوں کی حفاظت کرے، جو ان حقوق کی نگہداشت کرے جو اللہ کی طرف سے اُس پر عائد ہوتے ہیں، جو اس عہد و پیمان کی نگہداشت کرے جو ایمان لا کر اس نے اپنے رب سے کیا ہے، جو اپنے اوقات اور اپنی قوتوں اور محنتوں اور کوششوں کی پاسبانی کرے کہ ان میں سے کوئی چیز غلط کاموں [1] میں ضائع نہ ہو۔ [2]

---

[1] علاوہ ازیں مندرجہ ذیل سُورتوں میں بھی یہ اسمِ الٰہی بیان ہُوا ہے:

الانعام آیت ۱۰۴۔ ہُود آیت ۸۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، ص ۱۲۲، حاشیہ ۴۱

۵۰۔ اَلْحَقُّ

حقیقی آقا

سُورہ انعام آیت ۶۲ میں ارشاد ہے: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۔ پھر سب کے سب اللہ، اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں...... اسی طرح سُورہ یونس آیت ۳۰ میں ہے وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۔ سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیے جائیں گے۔ پھر آیت ۳۲ میں بھی ہے: فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۔ تب تو یہی اللہ تمھارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟

تمھارا حقیقی پروردگار، مالک، آقا، اور تمھاری بندگی وعبادت کا حق دار اللہ ہی ہے۔

سُورہ طٰہٰ آیت ۱۱۴ میں ارشاد ہے: فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۔ پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہِ حقیقی۔

سُورۂ حج کی آیت ۶ میں ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اللہ کا وجود محض ایک خیالی اور فرضی وجود نہیں ہے جسے بعض عقلی مشکلات رفع کرنے کی خاطر مان لیا گیا ہو۔ وہ نرا فلسفیوں کے خیال کا آفریدہ، واجب الوجود اور علت العلل (First Cause) ہی نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی فاعلِ مختار ہے جو ہر آن اپنی قدرت، اپنے ارادے، اپنے علم اور اپنی حکمت سے پُوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ کھلنڈرا نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے کھلونے بنائے اور پھر یونہی توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دے۔ وہ حق ہے، اس کے سب کام سنجیدہ اور بامقصد اور پُرحکمت ہیں۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج۳، الحج، ص ۲۰۲، ۲۰۳، حاشیہ ۸

❖

پُورے نظامِ کائنات کو چھوڑ کر آدمی صرف اپنی ہی پیدائش پر غور کرے تو معلوم ہو جائے کہ ایک ایک انسان کی ہستی میں اللہ کی حقیقی اور واقعی تدبیر ہر وقت بالفعل کارفرما ہے اور ہر ایک کے وجود اور نشوونما کا ایک ایک مرحلہ اس کے ارادی فیصلے پر ہی طے ہوتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک لگے بندھے قانون پر ہو رہا ہے جس کو ایک اندھی بہری، بے علم و بے ارادہ فطرت چلا رہی ہے۔ لیکن وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ ایک ایک فردِ انسان جس طرح وجود میں آتا ہے اور پھر جس طرح وہ وجود کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اس میں ایک حکیم و قادرِ مطلق ہستی کا ارادی فیصلہ کس شان سے کام کر رہا ہے۔ آدمی جو غذا کھاتا ہے اس میں کہیں انسانی تخم موجود نہیں ہوتا، نہ اس میں کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جو نفسِ انسانی کے خواص پیدا کرتی ہو۔ یہ غذا جسم میں جا کر کہیں بال، کہیں گوشت اور کہیں ہڈی بنتی ہے، اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر یہی اُس نطفے میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے اندر انسان بننے کی استعداد رکھنے والے تخم موجود ہوتے ہیں۔ ان تخموں کی کثرت کا حال یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک مرد سے جتنا نطفہ خارج ہوتا ہے اس کے اندر کئی کروڑ تخم پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک بیضۂ اُنثیٰ سے مل کر انسان بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر یہ کسی حکیم و قدیر اور حاکمِ مطلق کا فیصلہ ہے جو ان بے شمار امیدواروں میں سے کسی ایک کو کسی خاص وقت پر چھانٹ کر بیضۂ انثیٰ سے ملنے کا موقع دیتا ہے اور اس طرح استقرارِ حمل رُونما ہوتا ہے۔ پھر استقرار کے وقت مرد کے تخم اور عورت کے بیضی خلیّے (Egg Cell) کے ملنے سے جو چیز ابتداً بنتی ہے وہ اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ خوردبین کے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی۔ یہ حقیری چیز ۹ مہینے اور چند روز میں رحم کے اندر پرورش پا کر جن بے شمار مرحلوں سے گزرتی ہوئی ایک جیتے جاگتے انسان کی شکل اختیار کرتی ہے ان میں سے ہر مرحلے پر غور کرو تو تمھارا دل گواہی دے گا کہ یہاں ہر آن ایک حکیمِ فعّال کا ارادی فیصلہ کام کرتا رہا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسے تکمیل کو پہنچانا ہے اور کسے خون کے لوتھڑے یا گوشت کی بوٹی، یا نا تمام بچے کی شکل میں ساقط کر دینا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو زندہ نکالنا ہے اور کس کو مُردہ۔ کس کو معمولی انسان کی صورت و ہیئت میں نکالنا ہے اور کسے اَن گنت غیر معمولی صورتوں میں سے کوئی صورت دے دینی ہے۔ کس کو صحیح

وسالم نکالنا ہے اور کسے اندھا، بہرا، گونگا یا ٹنڈا اور لنجا بنا کر پھینک دینا ہے۔ کس کو خوبصورت بنانا ہے اور کسے بدصورت۔ کس کو مرد بنانا ہے اور کس کو عورت۔ کس کو اعلیٰ درجے کی قوتیں اور صلاحیتیں دے کر بھیجنا ہے اور کسے کودن اور کند ذہن پیدا کرنا ہے۔ یہ تخلیق و تشکیل کا عمل جو ہر روز کروڑوں عورتوں کے رحموں میں ہو رہا ہے، اس کے دوران میں کسی وقت کسی مرحلے پر بھی ایک خدا کے سوا دنیا کی کوئی طاقت ذرّہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتی، بلکہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس پیٹ میں کیا چیز بن رہی ہے اور کیا بن کر نکلنے والی ہے۔ حالانکہ انسانی آبادیوں کی قسمت کے کم از کم ۹۰ فی صد فیصلے انھی مراحل میں ہو جاتے ہیں اور یہیں افراد ہی کے نہیں، قوموں کے، بلکہ پوری نوعِ انسانی کے مستقبل کی شکل بنائی اور بگاڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد جو بچے دنیا میں آتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ کسے زندگی کا پہلا سانس لیتے ہی ختم ہو جانا ہے، کسے بڑھ کر جوان ہونا ہے، اور کس کو قیامت کے بورے سمیٹنے ہیں؟ یہاں بھی ایک غالب ارادہ کارفرما نظر آتا ہے اور غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی کارفرمائی کسی عالمگیر تدبیر و حکمت پر مبنی ہے جس کے مطابق وہ افراد ہی کی نہیں، قوموں اور ملکوں کی قسمت کے بھی فیصلے کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کسی کو اس امر میں شک ہے کہ اللہ ''حق'' ہے اور صرف اللہ ہی ''حق'' ہے تو بے شک وہ عقل کا اندھا ہے۔ [1]

❖

حقیقی اختیارات کا مالک اور واقعی رب وہی ہے، اس لیے اس کی بندگی کرنے والے خائب و خاسر نہیں رہ سکتے۔ اور دوسرے تمام معبود سراسر بے حقیقت ہیں، ان کو جن صفات اور اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا ہے اُن کی سرے سے کوئی اصلیت نہیں ہے، اس لیے خدا سے مُنہ موڑ کر اُن کے اعتماد پر جینے والے کبھی فلاح و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے۔ [2]

❖

سارے بناوٹی خدا بیچارے خود اپنے بندوں کے محتاج ہیں۔ صرف ایک خداوندِ عالم ہی وہ حقیقی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۳، ۲۰۴، حاشیہ ۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۷، حاشیہ ۱۰۹

خدا ہے جس کی خدائی آپ اپنے بل بوتے پر قائم ہے اور جو کسی کی مدد کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ [1]

❖

سُورۂ لقمان آیت ۳۰ میں ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الخ [2]۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔

حقیقی فاعلِ مختار ہے۔ خلق وتدبیر کے اختیارات کا اصل مالک ہے۔ باقی سب گمراہ انسانوں کے تخیلات کے آفریدہ خدا ہیں جو فرض کر لیے گئے ہیں کہ فلاں صاحب خدائی میں کوئی دخل رکھنے والا ہے اور فلاں حضرت کو مشکل کشائی وحاجت روائی کے اختیارات حاصل ہیں۔ حالانکہ فی الواقع ان میں سے کوئی صاحب بھی کچھ نہیں بنا سکتے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۲۸، حاشیہ ۱۰

[2] یہ اسم الٰہی مندرجہ ذیل سورتوں میں بھی مذکور ہے: المومنون آیت ۱۲۶۔ النور آیت ۲۵

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۴، حاشیہ ۵۲، ۵۳

۵۱۔ المُبِیْنُ

صاف صاف، کھول کر، واضح کرنے والا، سچ کو سچ کر دکھانے والا

سُورۃ النّور آیت ۲۵ میں ارشاد ہے: يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۔ اُس دن اللہ وہ بدلہ انھیں بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا ہے۔

اپنے احکام، اپنی تعلیمات اور ہدایات کو بالکل واضح طریقے سے بیان کرنے والا۔ حق اور باطل کا فرق نمایاں طریقے سے کھول دینے والا [1] ۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۵۴، حاشیہ ۱

[2] ضمائر میں قدرے ردّ و بدل کے ساتھ (از مرتّب)

۵۲۔ الغفار

درگزر کرنے والا

سورۂ طٰہٰ آیت ۸۲ میں ہے: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہُوں۔

سورۂ زمر آیت ۵ میں ہے: اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔ جان رکھو، وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔

سورۂ المؤمن آیت ۴۲ میں ہے: وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ۔ حالانکہ میں تمھیں اُس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بُلا رہا ہوں۔

سورۂ ص آیت ۶۶ میں ہے: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔ [1]

سورۂ نوح آیت ۱۰ میں ہے: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ [2]

زبردست ایسا ہے کہ اگر وہ تمھیں عذاب دینا چاہے تو کوئی طاقت اس کی مزاحمت نہیں کر سکتی۔ مگر یہ اس کا کرم ہے کہ تم یہ کچھ گستاخیاں کر رہے ہو اور پھر بھی وہ تم کو فوراً پکڑ نہیں لیتا بلکہ مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے۔ اس مقام پر عقوبت میں تعجیل نہ کرنے اور مہلت دینے کو مغفرت (درگزر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [3]

❖

مغفرت کے لیے چار شرطیں ہیں۔ اوّل توبہ، یعنی سرکشی و نافرمانی یا شرک و کفر سے باز آجانا۔

---

[1] آسمانوں اور زمین کا مالک اور اُن ساری چیزوں کا مالک جو ان کے درمیان ہیں، زبردست اور درگزر فرمانے والا۔

[2] میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۵۹، حاشیہ ۱۱

دوسرے ایمان، یعنی اللہ اور رسُول اور کتاب اور آخرت کو صدقِ دل سے مان لینا۔ تیسرے عملِ صالح، یعنی اللہ اور رسُول کی ہدایات کے مطابق نیک عمل کرنا، چوتھے اھتدیٰ، یعنی راہِ راست پر ثابت قدم رہنا اور پھر غلط راستے پر نہ جا پڑنا۔ [1]

❖

صغائر کے مرتکب کا معاف کر دیا جانا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ صغیرہ [2] گناہ، گناہ نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ تنگ نظری اور خوردہ گیری کا معاملہ نہیں فرماتا۔ بندے اگر نیکی اختیار کریں اور کبائر و فواحش سے اجتناب کرتے رہیں تو وہ اُن کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہ فرمائے گا اور اپنی رحمتِ بے پایاں کی وجہ سے ان کو ویسے ہی معاف کر دے گا۔ [3]

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج ۳، طٰہٰ، ص ۱۱۲، حاشیہ ۶۰

[2] اب رہا یہ سوال کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں فرق کیا ہے اور کس قسم کے گناہ صغیرہ اور کس قسم کے کبیرہ ہیں، تو اس معاملے میں جس بات پر ہمارا اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ ''ہر وہ فعل گناہِ کبیرہ ہے جسے کتاب و سنت کی کسی نصِ صریح نے حرام قرار دیا ہو، یا اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں کوئی سزا مقرر کی ہو، یا اُس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو، یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہو، یا اس کے مرتکبین پر نزولِ عذاب کی خبر دی ہو۔'' اس نوعیت کے گناہوں کے ماسوا جتنے افعال بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ سب صغائر کی تعریف میں آتے ہیں۔ اسی طرح کبیرہ کی محض خواہش یا اس کا ارادہ بھی کبیرہ نہیں بلکہ صغیرہ ہے۔ حتیٰ کہ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر جانا بھی اُس وقت تک گناہِ کبیرہ نہیں ہے جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گزرے۔ البتہ گناہ صغیرہ بھی ایسی حالت میں کبیرہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ دین کے استخفاف اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں استکبار کے جذبے سے کیا جائے۔ اور اس کا مرتکب اُس شریعت کو کسی اعتنا کے لائق نہ سمجھے جس نے اُسے ایک برائی قرار دیا ہے۔ **تفہیم القرآن**، ج ۵، النجم، ص ۲۱۳۔ ۲۱۴، حاشیہ ۳۲

[3] **تفہیم القرآن**، ج ۵، النجم، ص ۲۱۴، حاشیہ ۳۳

۵۳۔ القَھَّارُ

سب پر غالب

سورہ یُوسف آیت ۳۹ میں آیا ہے:

أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔

سُورۂ الرعد آیت ۱۶ میں ہے:

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب۔

سُورۂ ابراہیم آیت ۴۸ میں ہے:

وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔

سُورہ صٓ آیت ۶۵ میں ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

اے نبی ان سے کہو کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں، کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ، جو یکتا ہے سب پر غالب۔

سُورۂ زُمَر آیت ۴ میں ہے:

سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

پاک ہے وہ اس سے (کہ کوئی اس کا بیٹا ہو) وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر

غالب۔

سورۂ غافر آیت ۱۶ میں ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

(اُس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی۔

وہ ہستی جو اپنے زور سے سب پر حکم چلائے اور سب کو مغلوب کر کے رکھے۔ یہ بات کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، مُشرکین کی اپنی تسلیم کردہ حقیقت ہے جس سے انھیں کبھی انکار نہ تھا۔ اور یہ بات کہ ''وہ یکتا اور قہار ہے'' اس تسلیم شدہ حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے جس سے انکار کرنا، پہلی حقیقت کو مان لینے کے بعد، کسی صاحبِ عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے، وہ لامحالہ یکتا و یگانہ ہے، کیونکہ دوسری جو چیز بھی ہے وہ اسی کی مخلوق ہے، پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی ذات یا صفات، یا اختیارات یا حقوق میں اس کی شریک ہو؟ اسی طرح وہ لامحالہ قہار بھی ہے، کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے مغلوب ہو کر رہنا عین تصورِ مخلوقیت میں شامل ہے۔ غلبۂ کامل اگر خالق کو حاصل نہ ہو تو وہ خلق ہی کیسے کر سکتا ہے۔ پس جو شخص اللہ کو خالق مانتا ہو اس کے لیے ان دو خالص عقلی و منطقی نتیجوں سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اور اس کے بعد یہ بات سراسر غیر معقول ٹھہرتی ہے کہ کوئی شخص خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی کرے اور غالب کو چھوڑ کر مغلوب کو مشکل کشائی کے لیے پکارے۔ [1]

❖

دنیا میں جو چیز بھی ہے اس سے مغلوب اور اس کی قاہرانہ گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں کوئی کسی درجے میں بھی اس سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا جس کی بنا پر اس کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی رشتہ ہے۔ [2]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، ص ۴۵۲، ۴۵۳، حاشیہ ۳۰

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۵۸، حاشیہ ۹

معبودِ حقیقی صرف ایک اللہ ہی ہے، کیونکہ وہ سب پر غالب ہے، زمین و آسمان کا مالک ہے، اور کائنات کی ہر چیز اس کی مِلک ہے۔ اُس کے ماسوا اس کائنات میں جن ہستیوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کوئی ہستی بھی ایسی نہیں ہے جو اُس سے مغلوب اور اس کی مملوک نہ ہو۔ یہ مغلوب اور مملوک ہستیاں اُس غالب اور مالک کے ساتھ خدائی میں شریک کیسے ہو سکتی ہیں اور آخر کس حق کی بنا پر انھیں معبود قرار دیا جا سکتا ہے۔ [1]

❖

دنیا میں تو بہت سے برخود غلط لوگ اپنی بادشاہی و جباری کے ڈنکے پیٹتے رہے، اور بہت سے احمق ان کی بادشاہیاں اور کبریائیاں مانتے رہے، (قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا) اب بتاؤ کہ بادشاہی فی الواقع کس کی ہے؟ اختیارات کا اصل مالک کون ہے؟ اور حکم کس کا چلتا ہے؟ یہ ایسا مضمون ہے جسے اگر کوئی شخص گوشِ ہوش سے سنے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا بادشاہ یا آمرِ مطلق بنا بیٹھا ہو، اُس کا زُہرہ آب ہو جائے اور ساری جباریت کی ہوا اس کے دماغ سے نکل جائے۔ اس موقع پر تاریخ کا یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ سامانی خاندان کا فرمانروا نصر بن احمد (۳۰۱۔۳۳۱ھ) جب نیشا پور میں داخل ہوا تو اس نے ایک دربار منعقد کیا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمائش کی کہ کارروائی کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت سے ہو۔ یہ سُن کر ایک بزرگ آگے بڑھے اور انھوں نے یہی رکوع تلاوت کیا۔ جس وقت وہ اس آیت پر پہنچے تو نصر پر ہیبت طاری ہو گئی۔ لرزتا ہوا تخت سے اُترا، تاج سر سے اُتار کر سجدے میں گر گیا اور بولا، اے رب، بادشاہی تیری ہی ہے نہ کہ میری۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، ص، ص ۳۴۷، حاشیہ ۵۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۳۹۹۔۴۰۰، حاشیہ ۲۷

۵۴۔ الخلاق

ماہر خلاق

سورہ الحجر آیت ۸۶ میں ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ

یقیناً تمھارا رب سب کا خالق ہے۔

سورۂ یٰسٓ آیت ۸۱ میں ارشادِ گرامی ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں جبکہ وہ ماہر خلّاق ہے۔

خالق ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مخلوق پر کامل غلبہ و تسلط رکھتا ہے، کسی مخلوق کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی گرفت سے بچ سکے۔ [۱]

❖

خدا کی پیدا کردہ کائنات میں کہیں بھی یک رنگی و یکسانی نہیں ہے۔ ہر طرف تنوّع ہی تنوّع ہے۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی سے طرح طرح کے درخت نکل رہے ہیں اور ایک درخت کے دو پھل تک اپنے رنگ، اپنی ساخت اور مزے میں یکساں نہیں ہیں۔ ایک ہی پہاڑ کو دیکھو تو اس میں کئی کئی رنگ تمھیں نظر آئیں گے اور اس کے مختلف حصوں کی مادّی ترکیب میں بڑا فرق پایا جائے گا۔

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ص ۵۱۶، حاشیہ ۴۸

انسانوں اور جانوروں میں ایک ماں باپ کے دو بچے تک یکساں نہ ملیں گے۔ اس کائنات میں اگر کوئی مزاجوں اور طبیعتوں اور ذہنوں کی یکسانی ڈھونڈے اور وہ اختلافات دیکھ کر گھبرا اُٹھے تو اس کے اپنے فہم کی کوتاہی ہے۔ یہی تنوّع اور اختلاف تو پتہ دے رہا ہے کہ اس کائنات کو کسی زبردست حکیم نے بے شمار حکمتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کا بنانے والا کوئی بے نظیر خلاّق اور بے مثل صنّاع ہے جو ہر چیز کا کوئی ایک ہی نمونہ لے کر نہیں بیٹھ گیا ہے، بلکہ اس کے پاس ہر شے کے لیے نئے سے نئے ڈیزائن اور بے حد و حساب ڈیزائن ہیں۔ پھر خاص طور پر انسانی طبائع اور اذہان کے اختلاف پر کوئی شخص غور کرے تو اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت حکمتِ تبلیغ کا شاہکار ہے۔ اگر تمام انسان پیدائشی طور پر افتادِ طبع اور اپنی خواہشات، جذبات، میلانات اور طرزِ فکر کے لحاظ سے یکساں بنا دیے جاتے اور کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رکھی جاتی تو دنیا میں انسان کی قسم کی ایک نئی مخلوق پیدا کرنا ہی سرے سے لاحاصل ہو جاتا۔ خالق نے جب اس زمین پر ایک ذمہ دار مخلوق اور اختیارات کی حامل مخلوق وجود میں لانے کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے کی نوعیت کا لازمی تقاضا یہی تھا کہ اس کی ساخت میں ہر قسم کے اختلاف کی گنجائش رکھی جاتی۔ یہ چیز اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ انسان کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم الشان منصوبے کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ حکیمانہ منصوبہ جہاں پایا جائے گا وہاں لازماً اس کے پیچھے ایک حکیم ہستی کارفرما ہوگی۔ حکیم کے بغیر حکمت کا وجود صرف ایک احمق ہی فرض کر سکتا ہے۔ [1]

❖

خالق کا کمالِ حکمت یہ ہے کہ اس نے انسان کی صرف ایک صنف نہیں بنائی، بلکہ اسے دو صنفوں (Sexes) کی شکل میں پیدا کیا جو انسانیت میں یکساں ہیں، جن کی بناوٹ کا فارمولا بھی یکساں ہے، مگر دونوں ایک دوسرے سے مختلف جسمانی ساخت، مختلف ذہنی و نفسی اوصاف اور مختلف جذبات و داعیات لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ اور پھر ان کے درمیان یہ حیرت انگیز مناسبت رکھ دی گئی ہے کہ ان میں

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۳۱، ۲۳۲، حاشیہ ۴۸

سے ہر ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہے، ہر ایک کا جسم اور اس کے نفسیات و داعیات دوسرے کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کا مکمل جواب ہیں۔ مزید براں وہ خالقِ حکیم ان دونوں صنفوں کے افراد کو آغازِ آفرینش سے برابر اس تناسب کے ساتھ پیدا کیے چلا جا رہا ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی کسی قوم یا کسی خطۂ زمین میں صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوئے ہوں، یا کسی قوم میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان ذرہ برابر بھی نہ اس معاملے میں اثر انداز ہو سکتا ہے کہ لڑکیاں مسلسل ایسی زنانہ خصوصیات اور لڑکے مسلسل ایسی مردانہ خصوصیات لیے ہوئے پیدا ہوتے رہیں جو ایک دوسرے کا ٹھیک جوڑ ہوں، اور نہ اس معاملے ہی میں اس کے پاس اثر انداز ہونے کا کوئی ذریعہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی پیدائش اس طرح مسلسل ایک تناسب کے ساتھ ہوتی چلی جائے۔ ہزار ہا سال سے کروڑوں اور اربوں انسانوں کی پیدائش میں اس تدبیر و انتظام کا اتنے متناسب طریقے سے پیہم جاری رہنا اتفاقاً بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ بہت سے خداؤں کی مشترک تدبیر کا نتیجہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز صریحاً اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک خالق حکیم اور ایک ہی خالق حکیم نے اپنی غالب حکمت و قدرت سے ابتداً مرد اور عورت کا ایک موزوں ترین ڈیزائن بنایا، پھر اس بات کا انتظام کیا کہ اس ڈیزائن کے مطابق بے حد و حساب مرد اور بے حد و حساب عورتیں اپنی اپنی الگ الگ انفرادی خصوصیات لیے ہوئے دنیا بھر میں ایک تناسب کے ساتھ پیدا ہوں۔ [1]

❖

انسان کا مایۂ تخلیق اس کے سوا کیا ہے کہ چند بے جان مادّے ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کچھ کاربن، کچھ کیلشیم، کچھ سوڈیم اور ایسے ہی چند اور عناصر۔ انھی کو ترکیب دے کر وہ حیرت انگیز ہستی بنا کر کھڑی کی گئی ہے جس کا نام انسان ہے اور اس کے اندر احساسات، جذبات، شعور، تعقّل اور تخیل کی وہ عجیب قوتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن میں سے کسی کا منبع بھی اس کے عناصرِ ترکیبی میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہی نہیں کہ ایک انسان اتفاقاً ایسا بن کھڑا ہوا ہو، بلکہ اس کے اندر وہ عجیب تولیدی قوّت

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۴، حاشیہ ۲۸

بھی پیدا کر دی گئی جس کی بدولت کروڑوں اور اربوں انسان وہی ساخت اور وہی صلاحیتیں لیے ہوئے بے شمار موروثی اور بے حد وحساب انفرادی خصوصیات کے حامل نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا عقل اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ انتہائی حکیمانہ خلقت کسی صانع حکیم کی تخلیق کے بغیر آپ سے آپ ہو گئی ہے؟ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۳، حاشیہ ۲۷

۵۵۔ الفتّاح

زبردست حاکم۔ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا

سورہ سبا آیت ۲۶ میں ارشاد ربانی ہے: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۔ کہو ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا وہ زبردست حاکم ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔

حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ ہمیں اور تمھیں، دونوں ہی کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور رب وہ ہے جو حقیقت کو بھی جانتا ہے اور ہم دونوں گروہوں کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ وہاں جا کر نہ صرف اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ ہم میں اور تم میں سے حق پر کون تھا اور باطل پر کون۔ بلکہ اس مقدمے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ ہم نے تم پر حق واضح کرنے کے لیے کیا کچھ کیا اور تم نے باطل پرستی کی ضد میں آکر ہماری مخالفت کس کس طرح کی۔ [1]

❖

اللہ تعالیٰ کے فیصلے تمھاری خواہشات کے تابع نہیں ہیں کہ کسی کام کے لیے جو وقت تم مقرر کرو اُسی وقت پر وہ اُس کام کو کرنے کا پابند ہو۔ اپنے معاملات کو وہ اپنی ہی صوابدید کے مطابق انجام دیتا ہے۔ تم اسے کیا سمجھ سکتے ہو کہ اللہ کی اسکیم میں نوعِ انسانی کو کب تک اس دنیا کے اندر کام کرنے کا موقع ملنا ہے، کتنے اشخاص اور کتنی قوموں کی کس کس طرح آزمائش ہونی ہے، اور کون سا وقت اس کے لیے موزوں ہے کہ اس دفتر کو لپیٹ دیا جائے اور تمام اولین و آخرین کو محاسبے کے لیے طلب کر لیا جائے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۲۰۲، حاشیہ ۴۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۲۰۴، حاشیہ ۴۹

بہت محبّت رکھنے والا

سُورۂ ہُود آیت ۹۰ میں ہے:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ

دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

سُورۂ بروج آیت ۱۴ میں ہے:

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ

وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سنگ دل اور بے رحم نہیں ہے۔ اس کو اپنی مخلوق سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ سزا دینے ہی کو اس کا جی چاہے اور اپنے بندوں کو مار مار کر ہی وہ خوش ہو۔ تم لوگ اپنی سرکشیوں میں جب حد سے گزر جاتے ہو اور کسی طرح فساد پھیلانے سے باز ہی نہیں آتے تب وہ بادلِ نخواستہ سزا دیتا ہے۔ ورنہ اس کا حال تو یہ ہے کہ تم خواہ کتنے ہی قصور کر چکے ہو، جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اس کی طرف پلٹو گے اس کے دامنِ رحمت کو اپنے لیے وسیع پاؤ گے۔ کیونکہ اپنی پیدا کی ہوئی وسیع مخلوق سے وہ بے پایاں محبت رکھتا ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، ہود، ص ۳۶۳، حاشیہ ۱۰۱

بہت ہی درگزر فرمانے والا

سُورۂ توبہ آیات ۲۷۔۹۱۔۹۹۔۱۰۲۔ یُونس آیت ۱۰۷۔ ہُود آیت ۴۱۔ یُوسف آیات ۵۳۔ ۹۸۔ ابراہیم آیت ۳۶۔ الحجر آیت ۴۹۔ النحل آیات ۱۸۔۱۱۰۔۱۱۵۔۱۱۹۔ الکہف ۵۸۔ الحج آیت ۶۰۔ النُّور آیت ۵۔۲۲۔۳۳۔۶۲۔ النّمل آیت ۱۱۔ القصص آیت ۱۶۔ سبا آیت ۲۔۱۵۔ فاطر آیات ۲۸۔۳۰۔۳۴۔ الزّمر آیت ۵۳۔ فصلت آیت ۳۲۔ الشوریٰ آیت ۵۔۲۳۔ فاطر آیات ۲۸۔۳۰۔۳۴۔ الاحقاف آیت ۸۔ الحجرات آیات ۵۔۱۴۔ الحدید آیت ۲۸۔ المجادلہ آیت ۲۔ ۱۲۔ الممتحنہ آیات ۷۔۱۲۔ التغابن آیت ۱۴۔ التحریم آیت ۱۔ الملک آیت ۲۔ المزمل آیت ۲۰۔ البروج آیت ۱۴ میں یہ اسم الٰہی بیان ہوا ہے۔

غَفُوراً۔ سُورہ نساء آیات...... ۴۳۔۹۶۔۹۹۔۱۰۰۔۱۰۶۔۱۱۰۔۱۲۹۔۱۵۲۔ سُورۂ الاسراء آیات ۲۵۔۴۴۔ الفرقان آیات ۶۔۷۰۔ الاحزاب آیات ۵۔۲۴۔۵۰۔۵۹۔۷۳۔ فاطر آیت ۴۱۔ الفتح آیت ۱۴ میں بیان ہُوا ہے۔

وہ بے انتہا زبردست اور سب پر پُوری طرح غالب ہونے کے باوجود اپنی مخلوق کے حق میں رحیم وغفور ہے، ظالم اور سخت گیر نہیں ہے، بُرے عمل کرنے والوں کو سزا دینے کی وہ پُوری قدرت رکھتا ہے، کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اُس کی سزا سے بچ سکے۔ مگر جو نادم ہو کر بُرائی سے باز آجائے اور معافی مانگ لے اس کے ساتھ وہ درگزر کا معاملہ کرنے والا ہے۔ [1]

❖

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، ص ۴۲، حاشیہ ۵

اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جس وقت کسی سے قصور سرزد ہو اُسی وقت پکڑ کر اُسے سزا دے ڈالے۔ یہ اُس کی شانِ رحیمی کا تقاضا ہے کہ مجرموں کو پکڑنے میں وہ جلد بازی سے کام نہیں لیتا اور مدتوں ان کو سنبھلنے کا موقع دیتا رہتا ہے۔ مگر سخت نادان ہیں وہ لوگ جو اس ڈھیل کو غلط معنی میں لیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ خواہ کچھ ہی کرتے رہیں، اُن سے کبھی باز پرس ہوگی ہی نہیں۔ [1]

❖

قصور کرنے والا بھی اگر توبہ کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لے اور بُرے عمل کے بجائے نیک عمل کرنے لگے تو (اس کے) ہاں عفو و درگزر کا دروازہ کھلا ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، ص ۳۳، حاشیہ ۵۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۵۹، حاشیہ ۱۵

۵۸۔ الرَّءُوْفُ

بڑی شفقت اور مہربانی فرمانے والا، خیر خواہ، نرم خُو

سُورہ البقرہ آیت ۱۴۳ میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اللہ تمھارے ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، یقین جانو کہ وہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم ہے۔

سُورہ البقرہ آیت ۲۰۷ میں ہے:

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

سُورۂ آلِ عمران آیت ۳۰ میں ارشاد ہے:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے۔

سُورۂ توبہ آیت ۱۱۷ میں ہے:

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اُس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔

سُورہ توبہ آیت ۱۲۸ میں ارشاد ہے:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ

رَّحِيْمٌ

تمھارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمھاری فلاح کا وہ حریص ہے ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

سورۂ نحل آیت ۷ میں ہے:

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

وہ تمھارے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

سُورہ نحل آیت ۴۷ میں ہے:

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

یا ایسی حالت میں انھیں پکڑے جبکہ انھیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہُوا ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکنے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا رب بڑا ہی نرم خُو اور رحیم ہے۔

سُورۂ حج آیت ۶۵ میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔

سُورۂ نور آیت ۲۰ میں ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق و رحیم ہے (تو یہ چیز جو ابھی تمھارے اندر پھیلائی گئی تھی بدترین نتائج دکھا دیتی)

سُورۂ حدید آیت ۹ میں ارشاد ہے:

لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

تا کہ تمھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

سُورۂ حشر آیت ۱۰ میں آیا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی بُغض نہ رکھ، اے ہمارے رب، تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

یہ اس کی انتہائی خیر خواہی ہے کہ وہ تمھیں قبل از وقت ایسے اعمال پر متنبہ کر رہا ہے جو تمھارے انجام کی خرابی کے موجب ہو سکتے ہیں۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، آل عمران، ص ۲۴۵، حاشیہ ۲۷

۵۹۔ الشَّكُورُ

قدردان

سُورۂ فاطر آیت ۳۰ میں آیا ہے:

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ

تا کہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے۔

سُورۂ فاطر آیت ۳۴ میں ہے:

إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ

یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔

سُورہ الشوریٰ آیت ۲۳ میں ہے:

وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ

جو کوئی بھلائی کمائے گا ہم اس کے بدلے اس بھلائی میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور قدردان ہے۔

سُورۂ التغابن آیت ۱۷ میں ہے: وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۔ اللہ بڑا قدردان اور بُردبار ہے۔

مخلص اہلِ ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اُس تنگ دل آقا کا سا نہیں ہے جو بات بات پر گرفت کرتا ہو اور ایک ذرا سی خطا پر اپنے ملازم کی ساری خدمتوں اور وفاداریوں پر پانی پھیر دیتا ہو۔ وہ فیاض اور کریم آقا ہے۔ جو بندہ اس کا وفادار ہو اس کی خطاؤں پر چشم پوشی سے کام لیتا ہے اور جو کچھ بھی

خدمت اس سے بن آئی ہو اس کی قدر فرماتا ہے۔[1]

❖

جان بوجھ کر نافرمانی کرنے والے مجرمین کے برعکس، نیکی کی کوشش کرنے والے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ (۱) جتنی کچھ اپنی طرف سے وہ نیک بننے کی سعی کرتے ہیں، اللہ ان کو اس سے زیادہ نیک بنا دیتا ہے۔ (۲) ان کے کام میں جو کوتاہیاں رہ جاتی ہیں، یا نیک بننے کی کوشش کے باوجود جو گناہ ان سے سرزد ہو جاتے ہیں، اللہ ان سے چشم پوشی کرتا ہے، اور (۳) جو تھوڑی سی نیک عمل کی پونجی وہ لے کر آتے ہیں اللہ اس پر ان کی قدر افزائی کرتا ہے۔ اور انھیں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔[2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ۲۴۳، حاشیہ ۵۲

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۰۲، حاشیہ ۴۲

٦٠۔ البَصِیرُ

سب کچھ دیکھنے والا

(یہ اسم گرامی قرآن مجید کی بہت سی سُورتوں میں آیا ہے) مثلاً بقرہ آیات ۹۶۔ ۱۱۰۔ ۲۳۳۔ ۲۳۷۔ ۲۶۵۔ آلِ عمران آیات ۱۵۔ ۲۰۔ ۱۵۶۔ ۱۶۳۔ المائدہ آیت ۷۱۔ الانفال آیات ۳۹۔ ۷۲۔ ہود، آیت ۱۱۲۔ الاسراء آیت ۱۔ الحج آیات ۶۱۔ ۷۵۔ لقمان آیت ۲۸۔ سبا ۱۱۔ فاطر ۳۱۔ غافر آیات ۲۰۔ ۴۴۔ ۵۶۔ فصلت آیت ۴۰۔ الشوریٰ آیت ۱۱۔ ۲۷۔ الحجرات آیت ۱۰۔ الحدید آیت ۴۔ المجادلہ آیت ۱۔ الممتحنہ آیت ۳۔ التغابن ۲۔ الملک آیت ۱۹۔

مثلاً سُورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۴۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

کرتے رہو جو کچھ تم چاہو، تمھاری ساری حرکتوں کو اللہ دیکھ رہا ہے۔

سُورہ الشوریٰ آیت ۱۱ میں ہے:

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔

سُورہ الشوریٰ آیت ۲۷ میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ

اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کُھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کردیتے، مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، یقیناً وہ اپنے

بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔

سورۃ الحجرات آیت ۱۸ میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کی نگاہ میں ہے۔

سورہ الحدید آیت ۴ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔

سورہ المجادلہ آیت ۱ میں ارشاد ہے:

وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

سورۃ الممتحنہ آیت ۳ میں ارشاد ربانی ہے:

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اُس روز (قیامت کے روز) اللہ تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا، اور وہی تمھارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

سورہ التغابن آیت ۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔

سورہ الملک آیت ۱۹ میں ہے:

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ

رحمن کے سوا کوئی نہیں جو انھیں تھامے ہوئے ہو۔ وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

وہ بیک وقت ساری کائنات کو اس کی ایک ایک چیز اور ایک ایک واقعہ کی تفصیل کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور کسی چیز کے دیکھنے میں اس کی بینائی اس طرح مشغول نہیں ہوتی کہ اسے دیکھتے ہوئے وہ دوسری چیزیں نہ دیکھ سکے۔ [۱]

❖

جو کچھ وہ کر رہا ہے دیکھ کر ہی کر رہا ہے۔ اس کی نگری اندھیر نگری نہیں ہے۔ سورۂ فرقان آیت ۲۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا۔ تمھارا رب سب کچھ دیکھتا ہے۔ جس خلوص اور راست بازی کے ساتھ اس کٹھن خدمت کو تم انجام دے رہے ہو وہ بھی تمھارے رب کی نگاہ میں ہے، اور تمھاری مساعیِ خیر کا مقابلہ جن زیادتیوں اور بے ایمانیوں سے کیا جا رہا ہے وہ بھی اس سے کچھ چھپا ہُوا نہیں ہے، لہٰذا پورا اطمینان رکھو کہ نہ تم اپنی خدمات کی قدر سے محروم رہو گے اور نہ وہ اپنی زیادتیوں کے وبال سے بچے رہ جائیں گے۔ [۲]

❖

جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے اللہ کی نگہبانی کی بدولت موجود ہے۔ وہی ہر شے کے لیے وہ اسباب فراہم کر رہا ہے جو اس کے وجود کے لیے درکار ہیں، اور وہی اس بات کی نگرانی کر رہا ہے کہ اس کی پیدا کردہ ہر مخلوق کو اس کی ضروریات بہم پہنچیں۔ [۳]

❖

سورۂ التغابن آیت ۲ میں ارشادِ ربانی ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔

اس فقرے میں ''دیکھنے'' کا مطلب محض دیکھنا ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے خود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۴، حاشیہ ۴۹

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۴۵، حاشیہ ۳۲

[۳] تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، ص ۵۰، حاشیہ ۳۰

جیسے تمھارے اعمال ہیں ان کے مطابق تم کو جزا یا سزا دی جائے گی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی حاکم اگر کسی شخص کو اپنی ملازمت میں لے کر یہ کہے کہ ''میں دیکھتا ہوں تم کس طرح کام کرتے ہو۔'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ٹھیک طرح کام کرو گے تو تمھیں انعام اور ترقی سے نوازوں گا، ورنہ تم سے سخت مواخذہ کروں گا۔ [1]

❖

سورۂ آل عمران آیت ۱۵ میں آیا ہے: وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اللہ غلط بخش نہیں ہے اور نہ سرسری اور سطحی طور پر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کے اعمال و افعال اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ بندوں میں سے کون اُس کے انعام کا مستحق ہے اور کون نہیں ہے۔ [2]

❖

کیونکہ بندوں کی فطرت اور اس کے تقاضوں سے وہی باخبر ہے اور ان کے حقیقی مصالح پر وہی نگاہ رکھتا ہے۔ [3]

(بگڑے ہوئے گم کردہ راہ لوگوں کے) معبودوں کی طرح وہ کوئی اندھا بہرا خدا نہیں ہے جسے کچھ پتا نہ ہو کہ جس آدمی کے معاملے کا وہ فیصلہ کر رہا ہے اس کے کیا کرتوت تھے۔ [4]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۲۹، حاشیہ ۶

[2] تفہیم القرآن، ج اوّل، آل عمران، ص ۲۳۸، حاشیہ ۱۲

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۳۴، حاشیہ ۵۴

[4] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۴۰۲، حاشیہ ۳۳

سورہ الرعد آیت ۹ میں ارشاد ربانی ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ

وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔

٦٢۔ اَلْمُقِیْتُ

قدرت رکھنے والا ۔ نگہبان، روزی دینے والا، گواہ

سُورہ نساء آیت ۸۵ میں ارشاد ہے: وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک جس جس قسم کی جتنی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا تھا، ہر ایک کی مانگ اور حاجت کے ٹھیک مطابق غذا کا پُورا سامان حساب لگا کر اُس نے زمین کے اندر رکھ دیا۔ نباتات کی بے شمار اقسام خشکی اور تری میں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی غذائی ضروریات دوسری اقسام سے مختلف ہیں۔ جاندار مخلوقات کی بے شمار انواع ہوا اور خشکی اور تری میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور ہر نوع ایک الگ قسم کی غذا مانگتی ہے۔ پھر ان سب سے جُدا، ایک اور مخلوق انسان ہے جس کو محض جسم کی پرورش ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے بھی طرح طرح کی خوراکیں درکار ہیں۔ اللہ کے سوا کون جان سکتا تھا کہ اس کرۂ خاکی پر زندگی کا آغاز ہونے سے لے کر اُس کے اختتام تک کس کس قسم کی مخلوقات کے کتنے افراد کہاں کہاں اور کب کب وجود میں آئیں گے اور ان کو پالنے کے لیے کیسی اور کتنی غذا درکار ہوگی۔ اپنی تخلیقی اسکیم میں جس طرح اُس نے غذا طلب کرنے والی ان مخلوقات کو پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اُسی طرح اُس نے اُن کی طلب کو پُورا کرنے کے لیے خوراک کا بھی مکمل انتظام کر دیا۔

موجودہ زمانے میں مارکسی تصورِ اشتراکیت کے ماننے والوں کا نظریہ ہے کہ اللہ نے زمین میں سب لوگوں کے لیے برابر خوراک رکھی ہے لہٰذا ریاست کا ایک ایسا نظام درکار ہے جو سب کو غذا کا مساوی راشن دے، کیونکہ انفرادی ملکیت کے نظام میں وہ مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔ یہ حضرات یہ بات بھول جاتے ہیں کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ مختلف اقسام کی سب مخلوقات ہیں جنھیں زندہ رہنے کے لیے

غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا واقعی اب سب کے درمیان، یا ایک ایک قسم کی مخلوقات کے تمام افراد کے درمیان خدا نے سامانِ پرورش میں مساوات رکھی ہے؟ کیا فطرت کے اس پورے نظام میں کہیں آپ کو غذا کے مساوی راشن کی تقسیم کا انتظام نظر آتا ہے؟ اگر واقعہ یہ نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نباتات اور حیوانات کی دنیا میں، جہاں انسانی ریاست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ریاست براہِ راست تقسیمِ رزق کا انتظام کر رہی ہے، اللہ میاں خود اپنے اس ''قرآنی قانون'' کی خلاف ورزی...... بلکہ معاذ اللہ، بے انصافی...... فرما رہے ہیں! پھر وہ یہ بات بھی بھول جاتے ہیں کہ [ان میں] وہ حیوانات بھی ہیں جنھیں انسان پالتا ہے، اور جن کی خوراک کا انتظام انسان ہی کے ذمے ہے۔ مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، گھوڑے، گدھے، خچر اور اونٹ وغیرہ، تو کیا وہ ریاست انسان اور ان حیوانات کے درمیان بھی معاشی مساوات قائم کرے گی۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، ص ۴۴۳۔ ۴۴۴، حاشیہ ۱۲

۶۳- اَلْمُسْتَعَانُ

فریادرس، جس سے مدد مانگی جائے، مدد کا سہارا

سورۂ یوسف آیت ۱۸ میں ارشاد ربانی ہے: وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

سورۃ الانبیاء آیت ۱۱۲ میں ارشاد ہے: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ ان کے مقابلے میں ہمارا رب رحمان ہی ہمارے لیے مدد کا سہارا ہے۔

سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہے: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ یعنی تیرے ساتھ ہمارا تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے بلکہ استعانت کا تعلق بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ساری کائنات کا رب تو ہی ہے، اور ساری طاقتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں، اور ساری نعمتوں کا تو ہی اکیلا مالک ہے، اس لیے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں، تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے اور تیری مدد ہی پر ہمارا اعتماد ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، الفاتحہ، ص ۴۵، حاشیہ ۷

۶۴۔ اَلْوَهَّابُ

اصل داتا۔ فیاضِ حقیقی

سورۂ آلِ عمران آیت ۸ میں ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے راستے پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔

سورۂ ص آیت ۹ میں ارشاد ہے: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ۔ کیا تیرے داتا اور غالب پروردگار کی رحمت کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟

سورہ ص آیت ۳۵ میں ہے: قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ اے میرے رب، مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو، بے شک تو ہی اصل داتا ہے۔

بندے کے لیے صحیح رویہ قصور کر کے اکڑنا نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ جس وقت بھی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اسی وقت وہ عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے آگے جُھک جائے۔ اس رویے کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف ہی نہیں کرتا بلکہ زیادہ الطاف وعنایات سے نوازتا ہے۔ [1]

❖

اللہ تعالیٰ کو بندے کی اکڑ جتنی مبغوض ہے، اُس کی عاجزی کی ادا اتنی ہی محبوب ہے۔ بندہ اگر قصور کرے اور تنبیہ کرنے پر اُلٹا اور زیادہ اکڑ جائے تو انجام وہ ہوتا ہے جو ابلیس کا ہوا۔ اس کے برعکس ذرا لغزش بھی اگر بندے سے ہو جائے اور وہ توبہ کر کے عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے آگے جھک جائے تو

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۳۶، حاشیہ ۳۶

اس پر وہ نوازشات فرمائی جاتی ہیں جو داوٗد و سلیمان علیہما السلام پر فرمائی گئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے استغفار کے بعد جو دعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ بلفظ پورا کیا اور ان کو فی الواقع ایسی بادشاہی دی جو نہ اُن سے پہلے کسی کو ملی تھی، نہ اُن کے بعد آج تک کسی کو عطا کی گئی۔ ہواؤں پر تصرف اور جنوں پر حکمرانی ایک ایسی غیر معمولی طاقت ہے جو انسانی تاریخ میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو بخشی گئی ہے، کوئی دوسرا اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔ [1]

❖

اللہ کے نیک بندے جب مصائب و شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے رب سے شکوہ سنج نہیں ہوتے بلکہ صبر کے ساتھ اس کی ڈالی ہوئی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ کچھ مدت تک خدا سے دعا مانگتے رہنے پر بلا نہ ٹلے تو پھر اس سے مایوس ہو کر دوسروں کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا شروع کر دیں۔ بلکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا ہے اللہ کے ہاں سے ملنا ہے، اس لیے مصیبتوں کا سلسلہ چاہے کتنا ہی دراز ہو وہ اُسی کی رحمت کے امیدوار بنے رہتے ہیں۔ اسی لیے وہ اُن الطاف و عنایات سے سرفراز ہوتے ہیں جن کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی میں ملتی ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۳۹، حاشیہ ۴۰

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۴۲، حاشیہ ۴۷

۶۵۔ الحفی

بڑا ہی مہربان

سورہ مریم آیت ۴۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا

ابراہیم علیہ السلام نے کہا: سلام ہے آپ کو، میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے، میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی حفی کا اسم سورۂ اعراف آیت ۱۸۷ میں وارد ہوا ہے۔

یَسْــٴَـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ۔ یہ لوگ اس کے متعلق تم سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تم اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہو۔

۶۶۔ اَلْوَارِثُ

حقیقی وارث

سورۂ الحجر آیت ۲۳ میں ارشادِ ربانی ہے: وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ۔ زندگی اور موت ہم دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔

یعنی تمھارے بعد ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ تمھیں جو کچھ ملا ہوا ہے محض عارضی استعمال کے لیے ملا ہوا ہے۔ آخر کار ہماری دی ہوئی ہر چیز کو یونہی چھوڑ کر تم خالی ہاتھ رخصت ہو جاؤ گے اور یہ سب چیزیں جُوں کی تُوں ہمارے خزانے میں رہ جائیں گی۔ [1]

❖

سورۂ انبیاء آیت ۸۹ میں ارشاد ہوا ہے: وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ اور زکریاؑ کو، جبکہ اس نے اپنے رب کو پُکارا کہ اے پروردگار، مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور بہترین وارث تو تُو ہی ہے۔ یعنی تُو اولاد نہ بھی دے تو غم نہیں، تیری ذات پاک وارث ہونے کے لیے کافی ہے۔ [2]

❖

زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے وہ دراصل اللہ کی مِلک ہے اور اس پر مخلوق کا قبضہ و تصرف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنے مقبوضات سے بہر حال بے دخل ہونا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ ہی کے پاس رہ جانے والا ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ص ۵۰۳، حاشیہ ۱۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، ص ۱۸۳، حاشیہ ۸۶

[3] تفہیم القرآن، ج اول، آل عمران، ص ۳۰۶، حاشیہ ۱۲۷

❖

یہ مال تمھارے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے، ایک دن تمھیں لازماً اُسے چھوڑ کر ہی جانا ہے اور اللہ ہی اس کا وارث ہونے والا ہے۔ پھر کیوں نہ اپنی زندگی میں اسے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کردو تاکہ اللہ کے ہاں اس کا اجر تمھارے لیے ثابت ہوجائے۔ نہ خرچ کرو گے تب بھی یہ اللہ ہی کے پاس واپس جا کر رہے گا، البتہ فرق یہ ہوگا کہ اس پر تم کسی اجر کے مستحق نہ ہو گے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے تم کو کسی فقر اور تنگ دستی کا اندیشہ لاحق نہ ہونا چاہیے، کیونکہ جس خدا کی خاطر تم اسے خرچ کرو گے وہ زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے، اُس کے پاس تمھیں دینے کو بس اتنا ہی کچھ نہ تھا جو اُس نے آج تمھیں دے رکھا ہے، بلکہ کل وہ تمھیں اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے، [جیسا کہ سورہ سبا آیت ۳۹ میں ارشاد ہے]:

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

اے نبیؐ، ان سے کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہی مزید رزق تمھیں دیتا ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔ [1]

❖

سُورۃ القصص آیت ۵ میں ہے: وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ۔ اور انھیں پیشوا بنادیں اور انھی کو وارث بنائیں۔

سُورۃ القصص آیت ۵۸ میں ہے: وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ۔ آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے۔

سورۂ مریم آیت ۴۰ میں ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ۔ ہم ہی زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، ص ۳۰۸، حاشیہ ۱۳

بڑی سے بڑی دولت بھی جو دنیا میں کسی شخص کو ملی ہے، ایک تھوڑی سی مدت ہی کے لیے ملی ہے۔ چند سال وہ اُس کو برت لیتا ہے اور پھر سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دولت بھی چاہے بہی کھاتوں میں کتنی ہی بڑی ہو، عملاً اس کا ایک قلیل سا حصہ ہی آدمی کے اپنے استعمال میں آتا ہے۔ اس مال پر اِترانا کسی ایسے انسان کا کام نہیں ہے جو اپنی اور اس مال و دولت کی اور خود اس دنیا کی حقیقت کو سمجھتا ہو۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ۵۰۶۔۵۰۷، حاشیہ ۵۵

۶۷۔ اَلْوَلِیُّ

حامی، ولی، ساتھی، دوست، سنبھالنے والا

ولی سے مراد وہ ہستی ہے جو اپنی پیدا کردہ ساری مخلوق کے معاملات کی متولی ہے، جس نے بندوں کی حاجات وضروریات پُوری کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ [۱]

ولایت کوئی من سمجھوتے کی چیز نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں اپنا ولی بنا بیٹھیں اور وہ حقیقت میں بھی آپ کا سچا اور اصلی ولی بن جائے اور ولایت کا حق ادا کر دے۔ یہ تو ایک امرِ واقعی ہے جو لوگوں کی خواہشات کے ساتھ بنتا اور بدلتا نہیں چلا جاتا، بلکہ جو حقیقت میں ولی ہے وہی ولی ہے، خواہ آپ اسے ولی نہ سمجھیں اور نہ مانیں، اور جو حقیقت میں ولی نہیں ہے وہ ولی نہیں ہے، خواہ آپ مرتے دم تک اسے ولی سمجھتے اور مانتے چلے جائیں۔ اب رہا یہ سوال کہ صرف اللہ ہی کے ولی حقیقی ہونے اور دوسرے کسی کے نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا حقیقی ولی وہی ہوسکتا ہے جو موت کو حیات میں تبدیل کرتا ہے، جس نے بے جان مادّوں میں جان ڈال کر جیتا جاگتا انسان پیدا کیا ہے، اور جو حقِ ولایت ادا کرنے کی قدرت اور اختیارات بھی رکھتا ہے، وہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہو تو اسے ولی بناؤ، اور اگر وہ صرف اللہ ہی ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور کو اپنا ولی بنا لینا جہالت وحماقت اور خودکشی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ [۲]

❖

[سُورۂ عنکبوت آیت ۲۲ میں ارشاد ہے: وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ] اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمھارے لیے نہیں ہے یعنی نہ تمھارا اپنا زور اتنا ہے کہ خدا کی پکڑ

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۰۴، ۵۰۵، حاشیہ ۴۹

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۳، ۴۸۴، حاشیہ ۱۲

سے بچ جاؤ، اور نہ تمھارا کوئی ولی وسرپر [illegible] کے مقابلے میں تمھیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذے سے تمھیں بچالے۔ ساری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفر وشرک کا ارتکاب کیا ہے، جنھوں نے احکامِ خداوندی کے آگے جُھکنے سے انکار کیا ہے، جنھوں نے جرأت وجسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم وفساد کے طوفان اٹھائے ہیں، ان کا حمایتی بن کر اُٹھ سکے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے، یا خدا کی عدالت میں یہ کہنے کی ہمت کر سکے کہ یہ میرے ہیں اس لیے جو کچھ بھی انھوں نے کیا ہے اسے معاف کر دیا جائے۔ [1]

❖

جو ظالم اللہ ہی سے مُنہ موڑ لے اور اس کے بجائے دوسروں کو اپنا ولی بنا بیٹھے، اللہ کو کچھ ضرورت نہیں پڑی ہے کہ خواہ مخواہ زبردستی اس کا ولی بنے، اور دوسرے جن کو وہ ولی بناتا ہے، سرے سے کوئی علم، کوئی طاقت اور کسی قسم کے اختیارات ہی نہیں رکھتے کہ اس کی ولایت کا حق ادا کر کے اسے کامیاب کرا دیں۔ [2]

❖

یہ اللہ تعالیٰ کے مالک کائنات اور ولی حقیقی ہونے کا فطری اور منطقی تقاضا ہے (کہ) جب بادشاہی اور ولایت اُسی کی ہے تو لامحالہ پھر حاکم بھی وہی ہے اور انسانوں کے باہمی تنازعات اور اختلافات کا فیصلہ کرنا بھی اُسی کا کام ہے۔ [3]

❖

(ولی بمعنی سنبھالنے والا) سُورۂ شوریٰ آیت ۴۴ میں ارشاد ہے: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۔ جس کو اللہ ہی گمراہی میں پھینک دے اُس کا کوئی سنبھالنے والا اللہ کے بعد نہیں ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، ص ۶۹۰، حاشیہ ۳۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۳، حاشیہ ۱۱

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۴، حاشیہ ۱۴

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن جیسی بہترین کتاب ان لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی جو نہایت معقول اور نہایت مؤثر و دل نشین طریقے سے ان کو حقیقت کا علم دے رہی ہے اور زندگی کا صحیح راستہ بتا رہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی ان کی رہنمائی کے لیے بھیجا جس سے بہتر سیرت و کردار کا آدمی کبھی ان کی نگاہوں نے نہ دیکھا تھا۔ اور اس کتاب اور اس رسول کی تعلیم و تربیت کے نتائج بھی اللہ نے ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں انھیں آنکھوں سے دکھا دیے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ہدایت سے منہ موڑتا ہے تو اللہ پھر اُسی گمراہی میں اسے پھینک دیتا ہے جس سے نکلنے کا وہ خواہشمند نہیں ہے۔ اور جب اللہ ہی نے اسے اپنے دروازے سے دھتکار دیا تو کون یہ ذمہ لے سکتا ہے کہ اسے راہِ راست پر لے آئے گا۔ [1]

(ولی بمعنی ساتھی) سورۂ جاثیہ آیت ۱۹ میں ارشاد ہے: وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے [2] ۔

بعض مقامات پر قرآن میں ولی کا لفظ ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے،

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۱۲۔ ۵۱۳، حاشیہ ۶۹

[2] قرآن پاک کا تتبع کرنے سے لفظ ولی کے حسبِ ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں:

(۱) جس کے کہنے پر آدمی چلے، جس کی ہدایات پر عمل کرے اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں، رسموں اور قوانین وضوابط کی پیروی کرے۔ (النساء ۱۱۸ تا ۱۲۰۔ الاعراف ۳، ۲۷ تا ۳۰)

(۲) جس کی رہنمائی (Guidance) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے۔ (البقرہ ۲۵۷۔ بنی اسرائیل ۹۷۔ الکہف ۱۷، ۵۰۔ الجاثیہ ۱۹)۔

(۳) جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ میں دُنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں، وہ مجھے اُس کے بُرے نتائج سے اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے تو اُس کے عذاب سے بچا لے گا۔ (النساء ۱۲۳۔ ۱۷۳۔ الانعام ۵۱۔ الرعد ۳۷۔ العنکبوت ۲۲۔ الاحزاب ۶۵۔ الزمر ۳)

(۴) جس شخص کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے، آفات و مصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے، اولاد دیتا ہے، مُرادیں برلاتا ہے، اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پُوری کرتا ہے۔ (ہود ۲۰۔ الرعد ۱۶۔ العنکبوت ۴۱)۔

اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ اُن کے سارے ہی مفہومات مراد ہیں۔ [1]

❖

انسان کا اور ساری مخلوقات کا ولی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دوسرے نہ حقیقت میں ولی ہیں، نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ ولایت کا حق ادا کر سکیں۔ انسان کی کامیابی کا مدار اسی پر ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے اختیار سے ولی کا انتخاب کرنے میں غلطی نہ کرے اور اُسی کو اپنا ولی [2] بنائے جو درحقیقت ولی ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۰، حاشیہ ۶

[2] مندرجۂ ذیل سورتوں میں بھی اسمِ الٰہی الولی بیان ہوا ہے۔

البقرہ ۱۰۷۔ ۱۲۰۔ ۲۵۷۔ آل عمران آیت ۶۸۔ الانعام آیت ۵۱ اور آیت ۷۰۔ التوبہ آیات ۷۴۔ ۱۱۶۔ الرعد آیت ۳۷۔ الاسراء آیت ۱۱۱۔ الکہف آیت ۲۶۔ العنکبوت آیت ۲۲۔ السجدہ آیت ۴۔ الشوریٰ آیات ۹۔ ۲۸۔ ۳۱۔ ۴۴۔ الجاثیہ ۱۹ وغیرہ وَلِيًّا نصبی حالت میں النساء آیات ۴۵۔ ۷۵۔ ۸۹۔ ۱۱۹۔ ۱۲۳۔ ۱۷۳۔ الانعام میں آیت ۱۴۔ الکہف آیت ۱۷۔ مریم آیت ۵۔ ۴۵۔ الاحزاب آیت ۱۷۔ ۶۵۔ الفتح آیت ۲۲ وغیرہ

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۷۵، حاشیہ دیباچہ

سورہ آلِ عمران آیت ۱۸ میں ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ۗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہلِ علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔

٦٩۔ اَلْقَادِرُ

پُوری طرح قدرت رکھنے والا

سُورہ الانعام آیت ۳۷ میں ارشادِ ربانی ہے: قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً ۔ کہو، اللہ نشانی اُتارنے کی پُوری قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ نہ دکھائے جانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم اس کو دکھانے سے عاجز ہیں، بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جسے یہ لوگ محض اپنی نادانی سے نہیں سمجھتے۔ [1]

❖

دوسرے مقام پر الانعام کی آیت ۶۵ میں ارشاد ہے: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اُوپر سے نازل کردے، یا تمھارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے، یا تمھیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے کی طاقت کا مزا چکھوادے۔

جو لوگ عذابِ الٰہی کو اپنے سے دُور پا کر حق دشمنی میں جرأت پر جرأت (دکھاتے ہیں) انھیں متنبہ کیا جارہا ہے کہ اللہ کے عذاب کو آتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ہوا کا ایک طوفان تمھیں اچانک برباد کرسکتا ہے۔ زلزلے کا ایک جھٹکا تمھاری بستیوں کو پیوندِ خاک کردینے کے لیے کافی ہے۔ قبیلوں اور قوموں اور ملکوں کی عداوتوں کے میگزین میں ایک چنگاری وہ تباہی پھیلا سکتی ہے کہ سالہا سال تک خونریزی و بدامنی سے نجات نہ ملے۔ پس اگر عذاب نہیں آرہا ہے تو یہ تمھارے لیے غفلت و مدہوشی کی پینک نہ بن جائے کہ مطمئن ہوکر صحیح و غلط کا امتیاز کیے بغیر اندھوں کی طرح زندگی کے راستے پر چلتے رہو۔ غنیمت سمجھو

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۳۷، حاشیہ ۲۶

کہ اللہ تمھیں مہلت دے رہا ہے اور وہ نشانیاں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہے جن سے تم حق کو پہچان کر صحیح راستہ اختیار کر سکو۔ [1]

❖

سُورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۹ میں ارشادِ ربانی ہے: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ۔ کیا ان کو یہ نہ سُوجھا کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کو پیدا کرنے کی ضرور قدرت رکھتا ہے؟

سُورۂ یٰسٓ آیت ۸۱ میں ارشاد ہے: اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟

سُورۂ احقاف آیت ۳۳ میں ارشاد ہے: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ۔ اور کیا ان لوگوں کو یہ سُجھائی نہیں دیتا کہ جس خدا نے یہ زمین اور آسمان پیدا کیے ہیں اور ان کو بناتے ہوئے جو نہ تھکا وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو جلا اُٹھائے؟

سُورہ قیامہ آیت ۴۰ میں ارشاد ہے: اَلَیۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر دے؟

جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی نطفے سے تخلیق کا آغاز کر کے پُورا انسان بنا دینے تک کا سارا فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے اُن کے لیے تو فی الحقیقت اس دلیل کا کوئی جواب ہے ہی نہیں، کیونکہ وہ خواہ کتنی ہی ڈِھٹائی برتیں، ان کی عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی کہ جو خدا اس طرح انسان کو دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ دوبارہ بھی اسی انسان کو وجود میں لے آنے پر قادر ہے۔ رہے وہ لوگ جو اس صریح حکیمانہ فعل کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، وہ اگر ہٹ دھرمی پر تُلے ہوئے نہیں ہیں تو آخر ان کے پاس اس بات کی کیا توجیہ ہے کہ آغازِ آفرینش سے آج تک دنیا کے ہر حصے اور ہر قوم میں کس طرح ایک ہی نوعیت کے تخلیقی فعل کے نتیجے میں لڑکوں اور لڑکیوں

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۴۸، حاشیہ ۴۲

کی پیدائش مسلسل اس تناسب سے ہوتی چلی جارہی ہے کہ کبھی کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسانی آبادی میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی چلی جائیں اور آئندہ اُس کی نسل چلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے؟ کیا یہ بھی اتفاقاً ہی ہوئے چلا جارہا ہے؟ اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لیے آدمی کو کم از کم اتنا بے شرم ہونا چاہیے کہ وہ اُٹھ کر بے تکلف ایک روز یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ لندن اور نیویارک، ماسکو اور پیکنگ اتفاقاً آپ سے آپ بن گئے ہیں۔ [1]

❖

سورۃ الطارق آیت ۸ میں ارشاد ہے: إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ۔ یقیناً وہ (خالق) اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

جس طرح وہ انسان کو وجود میں لاتا ہے اور استقرارِ حمل کے وقت سے مرتے دم تک اس کی نگہبانی کرتا ہے، یہی اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ اُسے موت کے بعد پلٹا کر پھر وجود میں لاسکتا ہے۔ اگر وہ پہلی چیز پر قادر تھا اور اُسی قدرت کی بدولت انسان دنیا میں زندہ موجود ہے، تو آخر کیا معقول دلیل یہ گمان کرنے کے لیے پیش کی جاسکتی ہے کہ دوسری چیز پر وہ قادر نہیں ہے۔ اس قدرت کا انکار کرنے کے لیے آدمی کو سرے سے اس بات ہی کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اُسے وجود میں لایا ہے، اور جو شخص اس کا انکار کرے اُس سے کچھ بعید نہیں کہ ایک روز اُس کے دماغ کی خرابی اُس سے یہ دعویٰ بھی کرادے کہ دنیا کی تمام کتابیں ایک حادثے کے طور پر چھپ گئی ہیں، دنیا کے تمام شہر ایک حادثے کے طور پر بن گئے ہیں، اور زمین پر کوئی اتفاقی حادثہ ہوگیا تھا جس سے تمام کارخانے بن کر خود بخود چلنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے باقی رہنا اُن تمام کاموں سے بدرجہا زیادہ پیچیدہ عمل ہے جو انسان کے ہاتھوں دنیا میں ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اتنا بڑا پیچیدہ عمل اس حکمت اور تناسب اور تنظیم کے ساتھ اگر اتفاقی حادثے کے طور پر ہوسکتا ہو تو پھر کون سی چیز ہے جسے ایک دماغی مریض حادثہ نہ کہہ سکے؟ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، القیامہ، ص ۱۷۷۔۱۷۸، حاشیہ ۲۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۶، الطارق، ص ۳۰۴، ۳۰۵، حاشیہ ۴

۷۰۔ اَلْغَالِبُ

ہر کام کرنے پر قادر

سُورہ یوُسف آیت ۲۱ میں ارشاد ہے: وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

زمین پر ہر طرف ایک غالب طاقت کی کارفرمائی کے یہ آثار نظر آتے ہیں کہ اچانک کبھی قحط کی شکل میں، کبھی وبا کی شکل میں، کبھی سیلاب کی شکل میں، کبھی زلزلے کی شکل میں، کبھی سردی یا گرمی کی شکل میں، اور کبھی کسی اور شکل میں کوئی بلا ایسی آجاتی ہے جو انسان کے سب کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں آدمی مرجاتے ہیں بستیاں تباہ ہوجاتی ہیں۔ لہلہاتی کھیتیاں غارت ہوجاتی ہیں۔ پیداوار گھٹ جاتی ہے تجارتوں میں کساد بازاری آنے لگتی ہے۔ غرض انسان کے وسائلِ زندگی میں کبھی کسی طرف سے کمی واقع ہوجاتی ہے اور کبھی کسی طرف سے۔ اور انسان اپنا سارا زور لگا کر بھی ان نقصانات کو نہیں روک سکتا۔ [1]

❖

دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بالکل بخیریت ہی نہیں رکھا ہے کہ پُورے آرام وسکون سے زندگی کی گاڑی چلتی رہے اور آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے کہ اُس سے بالاتر کوئی طاقت نہیں ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ وقتاً فوقتاً افراد پر بھی اور ملکوں اور قوموں پر بھی ایسی آفات بھیجتا رہتا ہے جو اسے اپنی بے بسی کا اور اپنے سے بالاتر ایک ہمہ گیر سلطنت کی فرمانروائی کا احساس دلاتی ہیں۔ یہ آفات ایک ایک شخص کو، ایک ایک گروہ کو اور ایک ایک قوم کو یہ یاد دلاتی ہیں کہ اوپر تمھاری قسمتوں کو کوئی اور کنٹرول کر رہا ہے۔ سب کچھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دے دیا گیا ہے۔ اصل

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء ص ۱۶۱، حاشیہ ۴۵

طاقت اسی کارفرما اقتدار کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی طرف سے جب کوئی آفت تمھارے اُوپر آئے تو نہ تمھاری کوئی تدبیر اسے دفع کرسکتی ہے، اور نہ کسی جِنّ، یا رُوح، یا دیوی اور دیوتا، یا نبی اور ولی سے مدد مانگ کر تم اس کو روک سکتے ہو۔ [1]

❖

جب کہ ان کے تمام وسائلِ زندگی ہمارے ہاتھ میں ہیں، جس چیز کو چاہیں گھٹا دیں اور جسے چاہیں روک لیں، تو کیا یہ اتنا بل بوتا رکھتے ہیں کہ ہمارے مقابلے میں غالب آجائیں اور ہماری پکڑ سے بچ نکلیں؟ کیا یہ آثار ان کو یہی اطمینان دلا رہے ہیں کہ تمھاری طاقت لازوال اور تمھارا عیش غیر فانی ہے اور کوئی تمھیں پکڑنے والا نہیں ہے۔ [2]

❖

جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں، انسان خدا کو بُھولا اور دنیا کی زندگی پر پُھولا رہتا ہے۔ جہاں اسباب نے ساتھ چھوڑا اور وہ سب سہارے جن کے بل پر وہ جی رہا تھا ٹوٹ گئے، پھر کٹے سے کٹے مُشرک اور سخت سے سخت دہریے کے قلب سے بھی یہ شہادت اُبلنی شروع ہو جاتی ہے کہ اس سارے عالمِ اسباب پر کوئی خدا کارفرما ہے اور وہ ایک ہی خدائے غالب و توانا ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، ص ۷۴-۴۸، حاشیہ ۳۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، ص ۱۶۱، حاشیہ ۴۶

[3] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۷۹، حاشیہ ۳۱

۱۷۔ القاھر

کامل اختیارات رکھنے والا۔ پوری قُدرت رکھنے والا

سُورہ انعام آیت ۱۸ میں ارشاد ربانی ہے: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ۔ وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔ اسی طرح آیت ۶۱ میں بھی ارشاد ہے: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۔ اپنے بندوں پر وہ پُوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ تنہا اللہ ہی قادرِ مطلق ہے، اور وہی تمام اختیارات کا مالک اور تمھاری بھلائی اور بُرائی کا مختارِ کُل ہے، اور اسی کے ہاتھ میں تمھاری قسمتوں کی باگ ڈور ہے، اس کی شہادت تو تمھارے اپنے نفس میں موجود ہے۔ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے سررشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اُسی کی طرف رجوع کرتے ہو۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج اوّل، الانعام، ص ۵۴۷، حاشیہ ۴۱

۷۲۔ اَلبَرُّ

بڑا ہی محسن

سُورۂ طُور آیت ۲۸ میں ارشادِ ربانی ہے: **اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ** ۔ وہ واقعی بڑا محُسن ہے۔

سُورۂ ابراہیم ۳۲ تا ۳۴ میں ارشاد ہے: اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے تمھاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ جس نے کشتی کو تمھارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمھارے لیے مُسخر کیا۔ جس نے سُورج اور چاند کو تمھارے لیے مُسخر کیا کہ لگا تار چلے جارہے ہیں اور رات اور دن کو تمھارے لیے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمھیں دیا جو تم نے مانگا۔

یعنی تمھاری فطرت کی ہر مانگ پُوری کی، تمھاری زندگی کے لیے جو جو کچھ مطلوب تھا مہیا کیا، تمھارے بقاء اور ارتقاء کے لیے جن جن وسائل کی ضرورت تھی سب فراہم کر دیے۔ [1]

❖

سُورۂ النحل آیات ۴ تا ۱۶ میں ارشاد ہے: اُس نے انسان کو ایک ذرا سی بُوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑالو ہستی بن گیا۔ اُس نے جانور پیدا کیے جن میں تمھارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ اُن میں تمھارے لیے جمال ہے، جب کہ صبح تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب کہ شام انھیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمھارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ اُس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمھاری زندگی کی رونق بنیں۔ وہ اور بہت سی چیزیں (تمھارے فائدے کے لیے) پیدا

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، ص ۴۸۸، حاشیہ ۴۵

کرتا ہے جن کا تمھیں علم تک نہیں ہے۔ اور اللہ ہی کے ذمے ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعے سے کھیتیاں اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اُس نے تمھاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مُسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اُسی کے حکم سے مُسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمھارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، ان میں بھی ضرور نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

وہی ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنھیں تم پہنا کرتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

اُس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اُس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔ اس نے زمین میں راستے بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

سُورہ النحل آیات ۷۸ تا ۸۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اللہ نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اُس نے تمھیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔ کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔ اس نے جانوروں کی کھالوں سے

تمھارے لیے ایسے مکان پیدا کیے جنھیں تم سفر اور قیام، دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ اُس نے جانوروں کے صوف اور اُون اور بالوں سے تمھارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدتِ مقررہ تک تمھارے کام آتی ہیں۔ اس نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمھارے لیے سائے کا انتظام کیا۔ پہاڑوں میں تمھارے لیے پناہ گاہیں بنائیں، اور تمھیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمھیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو آپس کی جنگ میں تمھاری حفاظت کرتی ہیں۔ اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے۔

❖

بندہ جو اپنے رب کی نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہے، اپنے نزدیک یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نعمتیں کسی کی دی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ سے آپ اسے مل گئی ہیں، یا یہ کہ یہ نعمتیں خدا کا عطیہ نہیں بلکہ اس کی اپنی قابلیت یا خوش نصیبی کا ثمرہ ہیں، یا یہ کہ یہ ہیں تو خدا کا عطیہ مگر اُس خدا کا اپنے بندے پر کوئی حق نہیں ہے، یا یہ کہ خدا نے خود یہ مہربانیاں اُس پر نہیں کی ہیں بلکہ یہ کسی دوسری ہستی نے اُس سے کروادی ہیں۔ یہی وہ غلط تصورات ہیں جن کی بنا پر آدمی خدا سے بے نیاز اور اُس کی اطاعت و بندگی سے آزاد ہو کر دنیا میں وہ افعال کرتا ہے جن سے خدا نے منع کیا ہے اور وہ افعال نہیں کرتا جن کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس لحاظ سے ہر جرم اور ہر گناہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی تکذیب ہے قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص زبان سے ان کا انکار کرتا ہو یا اقرار۔ مگر جو شخص فی الواقع تکذیب کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ اُس کے ذہن کی گہرائیوں میں تصدیق موجود ہوتی ہے، وہ احیاناً کسی بشری کمزوری سے کوئی قصور کر بیٹھے تو اس پر استغفار کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ چیز اُسے مکذّبین میں شامل ہونے سے بچا لیتی ہے۔ اِس کے سوا باقی تمام مجرم درحقیقت اللہ کی نعمتوں کے مُکذِّب اور اُس کے احسانات کے مُنکر ہیں۔ سُورہ الرحمن آیت ۳۹ میں ہے کہ جب تم مجرم کی حیثیت سے گرفتار ہو جاؤ گے اُس وقت ہم دیکھیں گے کہ تم ہمارے کس احسان کا انکار کرتے ہو۔ سُورۂ تکاثر میں یہی بات اس طرح فرمائی گئی ہے، کہ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ اُس روز ضرور تم سے اُن نعمتوں کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی جو تمھیں دی گئی تھیں یعنی پُوچھا جائے گا کہ یہ نعمتیں ہم نے تمھیں دی تھیں یا نہیں، اور انھیں پا کر

تم نے اپنے محسن کے ساتھ کیا روّیہ اختیار کیا، اور اُس کی نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ [۱]

❖

ساری نعمتیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ساری مخلوقات کا حقیقی محسن اُس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ دوسری کسی ہستی کے کسی احسان کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں تو اس بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی نعمت اُس کے ہاتھوں ہم تک پہنچائی، ورنہ وہ خود نہ اس نعمت کا خالق ہے، نہ اللہ کی توفیق کے بغیر وہ اس نعمت کو ہم تک پہنچا سکتا تھا۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، ص ۲۶۵۔۲۶۶، حاشیہ ۳۷

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۲۸، حاشیہ ۳

۴۳۔ الحافظ

نگہبان

سورۂ الطارق کی آیت ۴ میں ارشادِ ربانی ہے: اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۔ کوئی جان ایسی نہیں جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو۔

نگہبان سے مراد خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی دیکھ بھال اور حفاظت کر رہی ہے، جس کے وجود میں لانے سے ہر شے وجود میں آتی ہے، جس کے باقی رکھنے سے ہر شے باقی ہے، جس کے سنبھالنے سے ہر شے اپنی جگہ سنبھلی ہوئی ہے، اور جس نے ہر چیز کو اس کی ضروریات بہم پہنچانے اور اُسے ایک مدتِ مقررہ تک آفات سے بچانے کا ذمّہ لے رکھا ہے۔

رات کو آسمان میں یہ بے حد و حساب تارے اور سیارے جو چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا وجود اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ کوئی ہے جس نے اُسے بنایا ہے، روشن کیا ہے، فضا میں معلّق رکھ چھوڑا ہے، اور اس طرح اس کی حفاظت و نگہبانی کر رہا ہے کہ نہ وہ اپنے مقام سے گرتا ہے، نہ بے شمار تاروں کی گردش کے دوران میں وہ کسی سے ٹکراتا ہے اور نہ کوئی دوسرا تارا اس سے ٹکراتا ہے۔

انسان خود ذرا اپنی ہستی پر غور کر لے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ کون ہے جو باپ کے جسم سے خارج ہونے والے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومے اور ماں کے اندر سے نکلنے والے بکثرت بیضوں میں سے ایک بیضے کا انتخاب کر کے دونوں کو کسی وقت جوڑ دیتا ہے اور اس سے ایک خاص انسان کا استقرارِ حمل واقع ہو جاتا ہے؟ پھر کون ہے جو استقرارِ حمل کے بعد سے ماں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ اُسے نشو و نما دے کر اسے اس حد کو پہنچاتا ہے کہ وہ ایک زندہ بچے کی شکل میں پیدا ہو؟ پھر کون ہے جو رحمِ مادر ہی میں اس کے جسم کی ساخت اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کا تناسب قائم کرتا ہے؟ پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت کے وقت تک اس کی مسلسل نگہبانی کرتا رہتا ہے؟ اُسے بیماریوں

سے بچاتا ہے۔حادثات سے بچاتا ہے۔طرح طرح کی آفات سے بچاتا ہے۔اس کے لیے زندگی کے اتنے ذرائع بہم پہنچاتا ہے جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔اور اس کے لیے ہر قدم پر دنیا میں باقی رہنے کے وہ مواقع فراہم کرتا ہے جن میں سے اکثر کا اُسے شعور تک نہیں ہوتا کجا کہ وہ انھیں خود فراہم کرنے پر قادر ہو۔کیا یہ سب کچھ ایک خدا کی تدبیر اور نگہبانی کے بغیر ہو رہا ہے؟[1]

❖

قرآن مجید کی حفاظت کے ضمن میں ارشادِ الٰہی ہے۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر آیت ۹) رہا یہ ذکر، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

[کُفّار سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے]: یہ ''ذکر'' جس کے لانے والے کو تم مجنون کہہ رہے ہو، یہ ہمارا نازل کیا ہُوا ہے، اُس نے خود نہیں گھڑا ہے۔ یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو کہ تم اس ''ذکر'' کا کچھ بگاڑ سکو گے۔ یہ براہِ راست ہماری حفاظت میں ہے۔ نہ تمھارے مٹائے مٹ سکے گا، نہ تمھارے دبائے دب سکے گا، نہ تمھارے طعنوں اور اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ تمھارے روکے اس کی دعوت رُک سکے گی، نہ اس میں تحریف اور ردّ و بدل کرنے کا کبھی کسی کو موقع مل سکے گا۔[2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الطارق، ص ۳۰۳۔۳۰۴، حاشیہ ۱۔۲

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ص ۴۹۹، حاشیہ ۶

۴۷۔ اَلْاَحَدُ

یکتا و یگانہ

سُورہ الاخلاص آیت ۱ میں ارشاد ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ کہو، وہ اللہ ہے یکتا۔

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس جملے میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ اَحَد جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں اِس لفظ کا غیر معمولی استعمال ہے۔ معمولاً یہ لفظ یا تو مضاف یا مضاف الیہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جیسے یَوْمُ الْاَحَدِ ہفتے کا دن، اور فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ۔ اپنے کسی آدمی کو بھیجو۔ یا نفیِ عام کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے مَا جَآءَنِيْ اَحَدٌ میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ یا عمومیت کا پہلو لیے ہوئے سوالیہ فقرے میں بولا جاتا ہے، جیسے هَلْ عِنْدَكَ اَحَدٌ؟ ''کیا تمھارے پاس کوئی ہے؟'' یا اسی عمومیت کے پہلو سے شرطیہ جملے میں بولا جاتا ہے، جیسے اِنْ جَآءَكَ اَحَدٌ، اگر تمھارے پاس کوئی آئے۔ یا گنتی میں بولا جاتا ہے، جیسے اَحَدٌ، اِثْنَانِ، اَحَدَ عَشَرَ، ایک، دو، گیارہ۔ ان استعمالات کے سوا نزولِ قرآن سے پہلے کی عربی زبان میں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محض لفظ اَحَد وصف کے طور پر کسی شخص یا چیز کے لیے بولا گیا ہو، اور نزولِ قرآن کے بعد یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کیا گیا ہے، دوسرے کسی کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ اس غیر معمولی طرزِ بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یکتا و یگانہ ہونا اللہ کی خاص صفت ہے، موجودات میں سے کوئی دوسرا اس صفت سے مُتصف نہیں ہے۔ وہ ایک ہے، کوئی اُس کا ثانی نہیں۔

مُشرکین اور اہلِ کتاب نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے بارے میں جو سوالات کیے تھے اُن کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دیکھیے کہ هُوَ اللّٰهُ کہنے کے بعد اَحَدٌ کہہ کر اُن کا جواب کس طرح دیا گیا ہے:

اولاً، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی اکیلا رب ہے، کسی دوسرے کا ربُوبیت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور

چونکہ الٰہ (معبود) وہی ہوسکتا ہے جو رب (مالک و پروردگار) ہو، اس لیے اُلوہیت میں بھی کوئی اُس کا شریک نہیں۔

ثانیاً، اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہی تنہا کائنات کا خالق ہے، تخلیق کے اس کام میں کوئی اور اُس کا شریک نہیں ہے۔ وہی اکیلا مالک الملک ہے، نظامِ عالم کا مدبر و منتظم ہے، اپنی مخلوقات کا رزق رساں ہے، اور آڑے وقت میں مدد کرنے والا فریادرس ہے۔ خدائی کے ان کاموں میں، جن کو تم خود مانتے ہو کہ یہ اللہ کے کام ہیں، کسی دوسرے کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔

ثالثاً، چونکہ انھوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ اُس کا نسب کیا ہے؟ وہ کس جنس سے ہے؟ کس سے اُس نے دُنیا کی میراث پائی ہے؟ اور اُس کے بعد کون اُس کا وارث ہوگا؟ اس لیے اُن کے ان سارے سوالات کا جواب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ایک لفظ اَحَد بول کر دے دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ:

(۱) وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اُس سے پہلے کوئی خدا تھا، نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا۔

(۲) خداؤں کی کوئی جنس نہیں ہے جس کا وہ فرد ہو، بلکہ وہ اکیلا خدا ہے اور کوئی اُس کا ہم جنس نہیں۔

(۳) اس کی ذات محض واحد نہیں بلکہ اَحد ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ اجزا سے مرکّب وجود نہیں ہے جو قابلِ تجزیہ و تقسیم ہو، جو کوئی شکل اور صورت رکھتا ہو، جو کسی جگہ میں رہتا ہو یا کوئی چیز اس کے اندر جگہ پاتی ہو، جس کا کوئی رنگ ہو، جس کے کچھ اعضا ہوں، جس کی کوئی سمت اور جہت ہو اور جس کے اندر کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوتا ہو۔ تمام اقسام کی کثرتوں سے بالکل پاک اور منزہ وہ ایک ہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے اَحَد ہے۔

اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ عربی زبان میں ''واحد'' کا لفظ بالکل اُسی طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ہم اُردو میں ''ایک'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بڑی سے بڑی کثرتوں پر مشتمل کسی مجموعہ کو بھی اس کی مجموعی حیثیت کے لحاظ سے واحد یا ایک کہا جاتا ہے، جیسے ایک آدمی، ایک قوم، ایک ملک، ایک دنیا، حتیٰ کہ ایک کائنات۔ اور کسی مجموعہ کے ہر جز کو الگ الگ بھی ایک ہی کہا جاتا

ہے۔ لیکن اَحَد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الٰہِ واحد، ایک ہی مَعبُود، یا **اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ**، اکیلا اللہ جو سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا ہے، کہا گیا ہے، محض واحد کہیں نہیں کہا گیا، کیونکہ یہ لفظ اُن چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں۔ بخلاف اس کے اللہ کے لیے اور صرف اللہ کے لیے اَحَد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے، جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج۶، الاخلاص، ۵۳۷۔۵۳۸، حاشیہ ۳

۷۵۔ اَلصَّمَدُ

سب سے بے نیاز

سُورۂ اخلاص آیت ۲ میں ارشاد ہے: اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔

جس کا مادّہ ص، م، د ہے۔ عربی زبان میں اس مادّے سے جو الفاظ نکلے ہیں اُن پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے معانی کی وسعت کس قدر ہے۔

الصَّمَدُ۔ قصد کرنا، بلند مقام جو بڑی ضخامت رکھتا ہو، سطحِ مُرتفع، وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو، وہ سردار جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہو۔

اَلصَّمَدُ۔ ہر چیز کا بلند حصّہ، وہ شخص جس سے بالاتر کوئی دُوسرا شخص نہ ہو، وہ سردار جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور اُس کے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ نہ کیا جاتا ہو، وہ سردار جس کی طرف حاجت مند لوگ رجوع کرتے ہوں۔ دائم، بلند مرتبہ، ٹھوس جس میں کوئی خول یا جھول نہ ہو اور جس سے نہ کوئی چیز نکلتی ہو نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو۔

اَلْمُصْمَدُ۔ ٹھوس چیز کا کوئی جَوف نہ ہو۔

اَلْمُصْمَدُ۔ مقصود، جس کی طرف جانے کا قصد کیا جائے، سخت چیز جس میں کوئی کمزوری نہ ہو۔

بَیْتٌ مُصَمَّدٌ۔ وہ گھر جس کی طرف حاجات میں رجُوع کیا جاتا ہو۔

بِنَآءٌ مُصَمَّدٌ۔ بلند عمارت

صَمَدَہٗ وَ صَمَدَ اِلَیْہِ صَمْدًا۔ اُس شخص کی طرف جانے کا قصد کیا۔

اَصْمَدَ اِلَیْہِ الْاَمْرَ۔ اُس کے سپرد معاملہ کر دیا، اُس کے آگے معاملہ پیش کر دیا۔ اُس کے اُوپر معاملے میں اعتماد کیا۔ (صِحاح، قاموس، لسان العرب)

اِن لغوی معنوں کی بنا پر آیت اَللّٰہُ الصَّمَدُ میں لفظ الصَّمَد کی جو تفسیریں صحابہ وتابعین اور بعد

کے اہلِ علم سے منقول ہیں انھیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

حضرت علیؓ، عِکرِمہ اور کَعبِ اَحبار: صَمَد، وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابووائل شقیق بن سَلَمہ: وہ سردار جس کی سیادت کامل ہو اور انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔

ابن عباسؓ کا دوسرا قول: صمد وہ ہے جس کی طرف لوگ کسی بلا یا مصیبت کے نازل ہونے پر مدد کے لیے رجوع کریں۔

اُن کا ایک اور قول: وہ سردار جو اپنی سیادت میں، اپنے شرف میں، اپنی عظمت میں، اپنے حلم اور بُردباری میں، اپنے علم میں اور اپنی حکمت میں کامل ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ: وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اُس کے محتاج ہوں۔

عکرمہ کے دوسرے اقوال: وہ جس میں سے نہ کوئی چیز کبھی نکلی ہو نہ نکلتی ہو۔ جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو۔ اسی کے ہم معنی اقوال شعبی اور محمد بن کعب القُرظی سے بھی منقول ہیں۔

سُدِّی: مطلوب چیزیں حاصل کرنے کے لیے لوگ جس کا قصد کریں اور مصائب میں مدد کے لیے جس کی طرف رجوع کریں۔

سعید بن جُبَیر: وہ جو اپنی تمام صفات اور اعمال میں کامل ہو۔

ربیع بن اَنس: وہ جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو۔

مُقاتل بن حیّان: وہ جو بے عیب ہو۔

ابن کیسان: وہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا مُتّصِف نہ ہو۔

حسن بصری اور قتادہ: جو باقی رہنے والا اور لازوال ہو۔ اسی سے ملتے جُلتے اقوال مجاہد اور مَعْمر اور مُرّۃ الھمدانی سے بھی منقول ہیں۔

مُرّۃ الھَمدانی کا ایک اور قول یہ ہے کہ وہ جو اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے فیصلہ کرے اور جو کام چاہے کرے، اس کے حکم اور فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے والا کوئی نہ ہو۔

ابوبکر الانباری: اہلِ لُغت کے درمیان میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صَمَد اُس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر اور کوئی سردار نہ ہو اور جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور اپنے معاملات میں رجوع کریں۔

ابراہیم نخعی: وہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں کے لیے رجوع کریں۔

اسی کے قریب الزجاج کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صَمَد وہ ہے جس پر سرداری ختم ہوگئی ہو اور ہر ایک اپنی حاجات کے لیے جس کی طرف رجوع کرے۔

لفظ اَحَدٌ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، کسی اور کے لیے سرے سے مستعمل ہی نہیں ہے، اس لیے اُسے اَحَدٌ یعنی نکرہ کی صورت میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن صَمَد کا لفظ چونکہ مخلوقات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے اَللّٰهُ صَمَدٌ کہنے کے بجائے اَللّٰهُ الصَّمَدُ کہا گیا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اصلی اور حقیقی صمد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مخلوق اگر کسی حیثیت سے صمد ہو بھی تو کسی دوسری حیثیت سے صمد نہیں ہے، کیونکہ وہ فانی ہے، لازوال نہیں ہے، قابلِ تجزیہ وتقسیم ہے، مُرَکَّب ہے، کسی وقت اس کے اجزا بکھر سکتے ہیں، بعض مخلوقات اُس کی محتاج ہیں تو بعض کا وہ خود محتاج ہے، اُس کی سیادت اضافی ہے نہ کہ مطلق، کسی کے مقابلے میں وہ برتر ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی اور برتر ہے، بعض مخلوقات کی بعض حاجات کو وہ پُورا کر سکتا ہے مگر سب کی تمام حاجات کو پُورا کرنا کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ بخلاف اِس کے اللہ تعالیٰ کی صمدیّت ہر حیثیت سے کامل ہے۔ ساری دنیا اُس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ دُنیا کی ہر چیز اپنے وجود و بقا اور اپنی حاجات وضروریات کے لیے شعُوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور سب کی حاجات پوری کرنے والا وہی ہے۔ وہ غیر فانی اور لازوال ہے۔ رزق دیتا ہے لیتا نہیں ہے، مُفرد ہے مُرَکَّب نہیں ہے کہ قابلِ تجزیہ وتقسیم ہو۔ ساری کائنات پر اس کی سیادت قائم ہے اور وہ سب سے برتر ہے۔ اس لیے وہ محض صَمَد نہیں بلکہ الصّمد ہے، یعنی ایک ایسی ہستی جو حقیقت میں صَمَدیت سے بتمام وکمال مُتّصِف ہے۔

پھر چونکہ وہ الصّمد ہے اس لیے لازم آتا ہے کہ وہ یکتا اور یگانہ ہو، کیونکہ ایسی ہستی ایک ہی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت مند نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔ دو یا دو سے زائد ہستیاں سب سے بے نیاز اور سب کی حاجت روا نہیں ہو سکتیں۔ نیز اس کے الصمد ہونے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہ ہو، کیونکہ جو حاجت روائی کی طاقت اور اختیارات ہی نہ رکھتا ہو اس کی بندگی وعبادت کوئی ہوش مند آدمی نہیں کر سکتا۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الاخلاص، ص ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، حاشیہ ۴

۷۶۔ الملیک

بادشاہ، فرمانروا

سُورۂ قمر آیت ۵۵ میں ارشاد ہے: فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔

سُورۂ بقرہ آیت ۱۰۷ میں ارشاد ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ کیا تمھیں خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی فرمانروائی اللہ ہی کے لیے ہے۔

سُورہ آلِ عمران آیت ۱۸۹ میں ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ زمین اور آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔

سُورہ المائدہ آیات ۱۷۔۱۸ اور ۱۲۰ میں ہے: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ زمین اور آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی مِلک ہیں۔

سُورۂ انعام آیت ۷۳ میں ہے: قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ۔ اُس کا ارشاد عین حق ہے اور جس روز صُور پھونکا جائے گا اُس روز بادشاہی اُسی کی ہوگی۔

سُورہ الاعراف آیت ۱۵۸ میں ہے: اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اے محمدؐ، کہو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اُس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔

سُورۂ توبہ آیت ۱۱۶ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ ہی کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

سُورہ الاسراء آیت ۱۱۱ میں ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی

المُلكِ

اور کہو تعریف ہے اُس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔

سُورہ الحج آیت ۵۶ میں ہے:

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

اُس روز بادشاہی اللہ کی ہوگی وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

سُورہ النور آیت ۴۲ میں ہے: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔

سُورۂ فرقان آیت ۲۔ سُورۂ ص آیت ۱۰۔ الزمر آیت ۶۔ ۴۴۔ الشوریٰ آیت ۴۹۔ الزخرف آیت ۸۵۔ الجاثیہ ۲۷۔ الفتح آیت ۱۴۔ الحدید آیت ۲۔ ۵۔ البروج آیت ۹۔ میں مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آیا ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ فرقان میں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ۔ اور نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ اور ۲۶ میں اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ۔ اُس روز حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی۔

سُورۂ غافر آیت ۱۶ میں ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔

سُورۂ مُلک آیت ۱ میں ارشاد ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ہے اور ساری کائنات میں اسی کا حکم چل رہا ہے [1]

❖

حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہی دنیا کے نام نہاد بادشاہوں اور جباروں اور سرداروں کے حوالے نہیں کردی گئی ہے، نہ کسی نبی یا ولی یا دیوی اور دیوتا کا اس میں کوئی حصہ ہے، بلکہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر ص ۳۶۰، حاشیہ ۱۶

اس کا مالک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔[1]

❖

اللہ کی بادشاہی کے مطلق (Absolute) ہونے کا ایک کُھلا ہوا ثبوت (یہ) ہے کہ کوئی انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو۔ کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا، جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا، اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا۔ اس معاملے میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک نہ معلوم کر سکا کہ رحم مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی میں مختارِ کُل ہونے کا زُعم کرے یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں دخیل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت میں ذرّہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا۔[2]

اُس کی ہستی اس سے بدر جہا بلند و برتر ہے کہ کوئی خدائی میں اُس کا شریک ہو اور اس عظیم کائنات کی فرمانروائی میں کچھ بھی دخل رکھتا ہو۔ زمین و آسمان میں جو بھی ہیں، خواہ وہ انبیا ہوں یا اولیا، فرشتے ہوں یا جن یا ارواح، ستارے ہوں یا سیّارے، سب اس کے بندے اور غلام اور تابع فرمان ہیں۔ اُن کا کسی خدائی صفت سے مُتصف یا خدائی اختیار کا حامل ہونا قطعی ناممکن ہے۔[3]

اس کی ملکیت میں، اس کی تدبیر میں اور اُس کی پادشاہی و حکمرانی میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۱۵، حاشیہ ۷۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۱۵۔۵۱۶، حاشیہ ۷۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، الزخرف، ص ۵۵۲، حاشیہ ۶۶

نہیں۔ [۱]

❖

وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور اُسی کے لیے ہے۔

❖

یہ پوری کائنات تنہا اُسی کی سلطنت ہے۔ وہ صرف اس کو بنا کر اور ایک دفعہ حرکت دے کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ وہی عملاً اس پر ہر آن حکومت کر رہا ہے۔ اس حکومت و فرمانروائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل یا حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کو اگر عارضی طور پر اور محدود پیمانے پر اس کائنات میں کسی جگہ تصرّف یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ اُن کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں جو انھیں اپنے زور پر حاصل ہوئے ہوں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہیں، جب تک اللہ چاہے وہ انھیں حاصل رہتے ہیں۔ اور جب چاہے وہ انھیں سلب کر سکتا ہے۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج اوّل، البقرہ، ص ۱۹۴، حاشیہ ۲۸۰

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۲۷، حاشیہ ۲

قُدرت رکھنے والا

سُورۃُ القمر آیت ۴۲ میں ہے: كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۔مگر انھوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا۔ آخر کار ہم نے انھیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑتا ہے۔

سُورہ القمر آیت ۵۵ میں ہے: فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے، سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔

سُورہ الکہف آیت ۴۵ میں ہے: وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

سُورہ الزخرف آیت ۴۲ میں ہے: اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ۔ یا تم کو آنکھوں سے ان کا وہ انجام دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، ہم ان پر پُوری قدرت رکھتے ہیں۔

وہ زندگی بھی بخشتا ہے اور موت بھی۔ وہ عروج بھی عطا کرتا ہے اور زوال بھی۔ اس کے حکم سے بہار آتی ہے تو خزاں بھی آجاتی ہے۔ اگر آج تمھیں عیش اور خوشحالی میسر ہے تو اس غرّے میں نہ رہو کہ یہ حالت لازوال ہے۔ جس خدا کے حکم سے یہ کچھ تمھیں ملا ہے اسی کے حکم سے سب کچھ تم سے چھن بھی سکتا ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، ص ۲۸، حاشیہ ۴۱

تمام نظامِ کائنات پر وہی حاکم ہے اور گردشِ لیل ونہار اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جو خدا رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نکال لاتا ہے اور چمکتے ہوئے دن پر رات کی ظلمت طاری کر دیتا ہے، وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر ہے اُن کے زوال و غروب کا منظر بھی دنیا کو جلدی ہی دکھا دے، اور کفر و جہالت کی جو تاریکی اس وقت حق وصداقت کی فجر کا راستہ روک رہی ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے حکم سے چھٹ جائے اور وہ دن نکل آئے جس میں راستی اور علم ومعرفت کے نور سے دنیا روشن ہو جائے۔ [۱]

❖

تم ماں اور باپ کی صُلب میں الگ الگ نطفوں کی شکل میں تھے۔ پھر خدا کی قدرت ہی سے یہ دونوں نطفے ملے اور تمھارا استقرارِ حمل ہُوا۔ پھر نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں بتدریج نشوونما دے کر تمھیں پُوری انسانی شکل دی گئی اور تمھارے اندر تمام وہ قوتیں پیدا کی گئیں جو دنیا میں انسان کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تمھیں درکار تھیں۔ پھر ایک زندہ بچے کی صورت میں تم بطنِ مادر سے باہر آئے اور ہر آن تمھیں ایک حالت سے دوسری حالت تک ترقی دی جاتی رہی یہاں تک کہ تم جوانی اور کہولت کی عمر کو پہنچے۔ ان تمام منازل سے گزرتے ہوئے تم ہر وقت پوری طرح خدا کے بس میں تھے۔ وہ چاہتا تو تمھارا استقرارِ حمل ہی نہ ہونے دیتا اور تمھاری جگہ کسی اور شخص کا استقرار ہوتا۔ وہ چاہتا تو ماں کے پیٹ ہی میں تمھیں اندھا، بہرا، گونگا، یا اپاہج بنا دیتا یا تمھاری عقل میں کوئی فتور رکھ دیتا۔ وہ چاہتا تو تم زندہ بچے کی صورت میں پیدا ہی نہ ہوتے۔ پیدا ہونے کے بعد بھی وہ تمھیں ہر وقت ہلاک کر سکتا تھا۔ اور اس کے ایک اشارے پر کسی وقت بھی تم کسی حادثے کے شکار ہو سکتے تھے۔ جس خدا کے بس میں تم اس طرح بے بس ہو اُس کے متعلق تم نے یہ کیسے سمجھ رکھا ہے کہ اس کی شان میں ہر گستاخی کی جا سکتی ہے، اس کے ساتھ ہر طرح کی نمک حرامی اور احسان فراموشی کی جا سکتی ہے، اس کے خلاف ہر قسم کی بغاوت کی جا سکتی ہے اور ان حرکتوں کا کوئی خمیازہ تمھیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۴۷، حاشیہ ۱۰۷

[۲] تفہیم القرآن، ج ۶، نوح، ص ۱۰۳، حاشیہ ۱۴

۷۸۔ اَلْوَکِیْلُ

کارساز، جس کے سپرد اپنے معاملات کیے جائیں، نگہبان، حوالہ دار

سورہ آلِ عمران آیت ۱۷۳ میں ارشاد ہے: فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ یہ سُن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے، اور وہی بہترین کارساز ہے۔

سورہ انعام آیت ۱۰۲ میں ہے: خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔

سورہ ہُود آیت ۱۲ میں ہے: اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ تم تو محض خبردار کرنے والے ہو، آگے ہر چیز کا حوالہ دار اللہ ہے۔

سورۂ یُوسف آیت ٦٦ میں ارشاد ہے: فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔ جب انھوں نے اس کو اپنے اپنے پیمان دے دیے تو اس نے کہا: دیکھو ہمارے اس قول پر اللہ نگہبان ہے۔

سورہ القصص آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول قرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔

سورہ الزّمر آیت ٦۲ میں ہے: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

سورۂ النساء آیت ۸۱ میں ارشاد ہے: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔ تم ان کی پروا نہ کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسے کے لیے کافی ہے۔

سُورۂ النساء آیت ۱۳۲ میں ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔

سورہ النساء آیت ۱۷۱ میں ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔ زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اس کی مِلک ہیں اور ان کی کفالت وخبر گیری کے لیے بھی وہی کافی ہے۔

سورۂ الاحزاب آیت ۳ میں ارشاد ہے: وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔

سُورۂ الاحزاب آیت ۴۸ میں ہے: وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔ کوئی پروانہ کرو ان کی اذّیت رسانی کی اور بھروسہ کرلو اللہ پر، اللہ ہی اُس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اُس کے سپرد کردے۔

اللہ اس کے لیے بالکل کافی ہے کہ بندہ اپنے معاملات اس کے سپرد کردے۔ وہ رہنمائی کے لیے بھی کافی ہے اور مدد کے لیے بھی، اور وہی اس امر کا ضامن بھی ہے کہ اس کی رہنمائی میں کام کرنے والا آدمی کبھی نتائج بد سے دوچار نہ ہو۔[1]

❖

اس نے دُنیا کو پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا ہے، بلکہ وہی ہر چیز کی خبر گیری اور نگہبانی کر رہا ہے۔ دُنیا کی تمام چیزیں جس طرح اُس کے پیدا کرنے سے وجود میں آئی ہیں اُسی طرح وہ اُس کے باقی رکھنے سے باقی ہیں، اُس کے پرورش کرنے سے پھل پھول رہی ہیں اور اس کی حفاظت ونگرانی میں کام کر رہی ہیں۔[2]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، ص ۶۹، حاشیہ ۴

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۸۱۔ ۳۸۲، حاشیہ ۷۳

جولوگ اللہ پر اعتماد کریں، اور جن کا بھروسہ اسی کی رہنمائی اور توفیق اور مدد پر ہو، اُن کا بھروسہ ہرگز غلط ثابت نہ ہوگا۔ انھیں کسی اور سہارے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اللہ ان کی ہدایت کے لیے بھی کافی ہوگا اور ان کی دست گیری واعانت کے لیے بھی۔ البتہ جن کا بھروسہ اپنی طاقت پر ہو، یا اللہ کے سوا کسی اور پر ہو، وہ اس آزمائش سے بخیریت نہ گزر سکیں گے۔ [۱]

❖

سورۂ المزمّل آیت ۹ میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۔ وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو۔

وکیل اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کرکے کوئی شخص اپنا معاملہ اُس کے سپرد کردے۔ قریب قریب اسی معنی میں ہم اُردو زبان میں وکیل کا لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالے اپنا مقدمہ کرکے ایک آدمی مطمئن ہوجاتا ہے کہ اس کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی دعوت پیش کرنے پر تمھارے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور جو مشکلات تمھیں پیش آرہی ہیں اُن پر کوئی پریشانی تم کو لاحق نہ ہونی چاہیے۔ تمھارا رب وہ ہے جو مشرق ومغرب، یعنی ساری کائنات کا مالک ہے، جس کے سوا خدائی کے اختیارات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ تم اپنا معاملہ اُسی کے حوالے کردو اور مطمئن ہوجاؤ کہ اب تمھارا مقدمہ وہ لڑے گا، تمھارے مخالفین سے وہ نمٹے گا اور تمھارے سارے کام وہ بنائے گا۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۳۰، حاشیہ ۸۱

[۲] تفہیم القرآن، ج ۶، المزمل، ص ۱۲۹، حاشیہ ۱۰

۷۹۔ اَلْھَادِیُ

رہنما

سورہ الاعراف آیت ۱۸۶ میں ارشادِ ربانی ہے: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۔ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کر دے اس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے، اور انھیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے دیتا ہے۔

(ہادی کا لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی قرآن پاک کی سورۃ النمل آیت ۸۱ اور الروم آیت ۵۳ میں وارد ہوا ہے) وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہو۔ تم تو اپنی بات انھی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر فرماں بردار بن جاتے ہیں۔

یعنی ان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی انھیں سیدھے راستے پر کھینچ لانا اور گھسیٹ کر لے چلنا تو تمھارا کام نہیں ہے۔ تم تو صرف زبان اور اپنی مثال ہی سے بتا سکتے ہو کہ یہ سیدھا راستہ ہے اور وہ راستہ غلط ہے جس پر یہ لوگ چل رہے ہیں۔ مگر جس نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہوں اور جو دیکھنا ہی نہ چاہتا ہو اس کی رہنمائی تم کیسے کر سکتے ہو۔[1]

❖

سورہ فرقان آیت ۳۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۔ اور تمھارے لیے تمھارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔

رہنمائی سے مُراد صرف علمِ حق عطا کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ تحریکِ اسلامی کو کامیابی کے ساتھ چلانے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۶۰۴، حاشیہ ۹۹

کے لیے، اور دشمنوں کی چالوں کو شکست دینے کے لیے بروقت صحیح تدبیریں سُجھاتی ہے۔ [1]

❖

تحریکِ اسلامی کے دوران میں جبکہ حق اور باطل کی مسلسل کشمکش چل رہی ہو، نبی اور اُس کے پیروؤں کی ہمت بندھائی جاتی رہے۔ اس کے لیے خدا کی طرف سے بار بار، وقتاً فوقتاً موقع بموقع پیغام آنا زیادہ کارگر ہے۔ [اس] صورت میں آدمی محسوس کرتا ہے کہ جس خدا نے اُسے اس کام پر مامور کیا ہے وہ اس کی طرف متوجہ ہے، اس کے کام سے دلچسپی لے رہا ہے، اس کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے، اس کی مشکلات میں رہنمائی کر رہا ہے، اور ہر ضرورت کے موقع پر اسے شرفِ باریابی و مخاطبت عطا فرما کر اس کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ کرتا رہتا ہے، یہ چیز حوصلہ بڑھانے والی اور عزم کو مضبوط رکھنے والی ہے۔ [2]

❖

سُورہ الحج آیت ۵۴ میں ارشادِ ربانی ہے: **وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ**۔ یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

سورہ المؤمن آیت ۳۳ میں ارشاد ہے: **مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ**۔ اس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے اُسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔

اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ ایک طالبِ حق کو علم کے ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشی جائے اور اللہ کی آیات میں اسے حقیقت تک پہنچنے کے نشانات ملتے چلے جائیں۔ بکثرت انسان ایسے ہیں جن کے سامنے آفاق اور اَنْفس میں اللہ کی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں مگر وہ جانوروں کی طرح انھیں دیکھتے ہیں اور کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔ اور بہت سے انسان ہیں جو حیوانیات (Zoology)، نباتیات (Botany)، حیاتیات (Biology)، ارضیات (Geology)، فلکیات (Astronomy)، عضویات (Physiology)، علم التشریح (Anatomy) اور سائنس کی دوسری شاخوں کا مطالعہ کرتے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۴۸، حاشیہ ۴۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۴۹، حاشیہ ۴۵

ہیں، تاریخ، آثارِ قدیمہ اور علومِ اجتماع (Social Sciences) کی تحقیق کرتے ہیں اور ایسی ایسی نشانیاں ان کے مشاہدے میں آتی ہیں جو قلب کو ایمان سے لبریز کردیں۔ مگر چونکہ وہ مطالعے کا آغاز ہی تعصّب کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کے پیشِ نظر دنیا اور اس کے فوائد و منافع کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس لیے اس مشاہدے کے دوران میں ان کو صداقت تک پہنچانے والی کوئی نشانی نہیں ملتی، بلکہ جو نشانی بھی سامنے آتی ہے وہ اُنھیں اُلٹی دہریت، الحاد، مادّہ پرستی اور نیچریت ہی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ ان کے مقابلے میں ایسے لوگ بھی ناپید نہیں ہیں جو آنکھیں کھول کر اس کارگاہِ عالم کو دیکھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ:

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار [1]

❖

دُنیا میں فکر و عمل کی تمام راہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ کوئی شخص کسی راہ پر بھی اللہ کے اذن اور اس کی توفیق کے بغیر نہیں چل سکتا۔ رہی یہ بات کہ کس انسان کو کس راہ پر چلنے کا اذن ملتا ہے اور کس راہ کی رہروی کے اسباب اس کے لیے ہموار کیے جاتے ہیں، تو اس کا انحصار سراسر آدمی کی اپنی طلب اور سعی پر ہے۔ اگر وہ خدا سے لگاؤ رکھتا ہے، سچائی کا طالب ہے، اور خالص نیت سے خدا کے راستے پر چلنے کی سعی کرتا ہے، تو اللہ اسی کا اذن اور اسی کی توفیق اسے عطا فرماتا ہے اور اسی راہ پر چلنے کے اسباب اس کے لیے موافق کر دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص خود گمراہی کو پسند کرتا ہے اور غلط راستوں ہی پر چلنے کی سعی کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہدایت کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور وہی راہیں اس کے لیے کھول دی جاتی ہیں جن کو اس نے آپ اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ ایسے شخص کو غلط سوچنے، غلط کام کرنے اور غلط راہوں میں اپنی قوتیں صرف کرنے سے بچا لینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اپنے نصیب کی راہِ راست جس نے خود کھو دی اور جس سے اللہ نے اس کو محروم کر دیا، اس کے لیے یہ گم شُدہ

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج اول، الانعام، ص ۵۳۸، ۵۳۹، حاشیہ ۲۸

نعمت کسی کے ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔[1]

❖

اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسانی کو جسم، حواس اور ذہن کی قوّتیں دے کر دنیا میں بالکل بے خبر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ایک فطری الہام کے ذریعے سے اُس کے لاشعور میں نیکی اور بدی کا فرق، بھلے اور بُرے کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس اُتار دیا ہے۔[2]

❖

ہر انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کر دیے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی اور کوئی چیز بُرائی، اچھے اخلاق و اعمال اور بُرے اخلاق و اعمال یکساں نہیں ہیں، فُجور (بدکرداری) ایک قبیح چیز ہے اور تقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز۔ یہ تصورات انسان کے لیے اجنبی نہیں ہیں بلکہ اس کی فطرت ان سے آشنا ہے اور خالق نے برے اور بھلے کی تمیز پیدائشی طور پر اس کو عطا کر دی ہے۔ یہی بات سورۂ بلد میں فرمائی گئی ہے کہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ اور ہم نے اس کو خیر وشر کے دونوں نمایاں راستے دکھا دیے۔ (آیت ۱۰)۔ اسی کو سُورۂ دہر میں یوں بیان کیا گیا ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا خواہ شاکر بن کر رہے یا کافر۔ (آیت ۳) اور اسی بات کو سُورۂ قیامہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے اندر ایک نفسِ لوّامہ (ضمیر) موجود ہے جو برائی کرنے پر اسے ملامت کرتا ہے (آیت ۲) اور ہر انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے مگر وہ اپنے آپ کو خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہے (آیات ۱۴۔۱۵)

فطری الہام اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق پر اُس کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے کیا ہے۔ جیسا کہ سُورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ اَلَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت عطا کی پھر راہ دکھائی۔ (آیت ۵۰)۔ مثلاً حیوانات کی ہر نوع کو اُس کی ضروریات کے مطابق الہامی علم دیا گیا ہے جس کی بنا پر مچھلی کو آپ سے آپ تیرنا، پرندے کو اڑنا، شہد کی مکھی کو چھتّہ بنانا اور بئے کو گھونسلا

[1] تفہیم القرآن، ج اول، النساء، ص ۴۱۱، حاشیہ ۱۷۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۶، الشمس، ص ۳۴۸، حاشیہ دیباچہ

تیار کرنا آجاتا ہے۔ انسان کو بھی اس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے الگ الگ قسم کے الہامی علوم دیے گئے ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے اور اس حیثیت سے جو الہامی علم اُس کو دیا گیا ہے اُس کی ایک نمایاں ترین مثال بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کا دُودھ چُوسنا ہے جس کی تعلیم اگر خدا نے فطری طور پر اُسے نہ دی ہوتی تو کوئی اُسے یہ فن نہ سکھا سکتا تھا۔ اُس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک عقلی وجود ہے۔ اس حیثیت سے خدا نے انسان کی آفرینش کے آغاز سے مسلسل اُس کو الہامی رہنمائی دی ہے جس کی بدولت وہ پے در پے اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا رہا ہے۔ ان ایجادات و اکتشافات کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو محض انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہو، ورنہ ہر ایک کی ابتدا اسی طرح ہوتی ہے کہ یکا یک کسی شخص کے ذہن میں ایک بات آگئی اور اُس کی بدولت اُس نے کسی چیز کا اکتشاف کیا یا کوئی چیز ایجاد کر لی۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان کی ایک اور حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے، اور اس حیثیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و شر کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔ یہ امتیاز و احساس ایک عالمگیر حقیقت ہے جس کی بنا پر دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ خیر و شر کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے، اور کوئی ایسا معاشرہ نہ تاریخ میں کبھی پایا گیا ہے نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ اس چیز کا ہر زمانے ہر جگہ اور ہر مرحلۂ تہذیب و تمدن میں پایا جانا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے اور مزید برآں یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ایک خالقِ حکیم و دانا نے اسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے، کیونکہ جن اجزا سے انسان مرکب ہے اور جن قوانین کے تحت دنیا کا مادی نظام چل رہا ہے اُن کے اندر کہیں اخلاق کے مآخذ کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی۔ [1]

❖

بھلائی اور بُرائی کا جو الہامی علم اللہ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے وہ بجائے خود انسان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو پُوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی انسان خیر و شر کے غلط فلسفے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الشمس، ص ۳۵۲، ۳۵۳، حاشیہ ۵

اور معیار تجویز کر کے گمراہ ہوتا رہا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس فطری الہام کی مدد کے لیے انبیا علیہم السلام پر واضح اور صاف صاف وحی نازل فرمائی تا کہ وہ لوگوں کو کھول کر بتائیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا۔ [1]

❖

پھر ایک انسان کو غور و فکر اور تحقیق و تجسس کے بغیر جو صحیح تدبیر، یا صائب رائے، یا فکر و عمل کی صحیح راہ سجھائی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے (وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ، القصص:۷) اور اس وحی سے کوئی انسان بھی محروم نہیں ہے۔ دنیا میں جتنے اکتشافات ہوئے ہیں، جتنی مفید ایجادیں ہوئی ہیں، بڑے بڑے مدبرین، فاتحین، مفکرین اور مصنفین نے جو معرکے کے کام کیے ہیں، اُن سب میں اُس وحی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ بلکہ عام انسانوں کو آئے دن اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں کہ کبھی بیٹھے بیٹھے دل میں ایک بات آئی، یا کوئی تدبیر سوجھ گئی، یا خواب میں کچھ دیکھ لیا، اور بعد میں تجربے سے پتہ چلا کہ وہ ایک صحیح رہنمائی تھی جو غیب سے انھیں حاصل ہوئی تھی۔ [2]

❖

دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہے کہ اس کو کھانے پینے پہننے اور زندگی بسر کرنے کا سامان بہم پہنچے اور آفات، مصائب اور نقصانات سے وہ محفوظ رہے۔ بلکہ اُس کی ایک ضرورت (اور درحقیقت سب سے بڑی ضرورت) یہ بھی ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو اور وہ جانے کہ اپنی ذات کے ساتھ، اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ، اُس سروسامان کے ساتھ جو رُوئے زمین پر اس کے تصرف میں ہے، اُن بے شمار انسانوں کے ساتھ جن سے مختلف حیثیتوں میں اس کو سابقہ پیش آتا ہے، اور مجموعی طور پر اس نظامِ کائنات کے ساتھ جس کے ماتحت رہ کر ہی بہرحال اس کو کام کرنا ہے، وہ کیا اور کس طرح معاملہ کرے جس سے اس کی زندگی بحیثیتِ مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہو کر تباہی و بربادی پر منتج نہ ہوں۔ اسی صحیح

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الشمس، ص ۳۴۸، ۳۴۹، حاشیہ دیباچہ

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۵۱، حاشیہ ۵۶

طریقے کا نام ''حق'' ہے اور جو رہنمائی اس طریقے کی طرف انسان کو لے جائے وہی ''ہدایتِ حق'' ہے۔

انسان کی ساری ضرورتیں دو ہی نوعیت کی ہیں۔ ایک نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی اس کا پروردگار ہو، کوئی ملجا و ماویٰ ہو، کوئی دعاؤں کا سننے والا اور حاجتوں کا پورا کرنے والا ہو جس کا مستقل سہارا اس عالمِ اسباب کے بے ثبات سہاروں کے درمیان رہتے ہوئے وہ تھام سکے۔ دوسری نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی ایسا رہنما ہو جو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتائے اور جس کے دیے ہوئے قوانینِ حیات کی پیروی پُورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ کی جا سکے۔ سو اس آخری سوال نے اُس کا فیصلہ بھی کر دیا کہ وہ بھی صرف خدا ہی ہے۔ اس کے بعد ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی جس کی بنا پر انسان مشرکانہ مذاہب اور لادینی (Secular) اصولِ تمدن و اخلاق و سیاست سے چمٹا رہے۔[1]

❖

دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پُورا کرنے کا طریقہ اُس نے نہ سکھایا ہو۔ کان کو سننا اور آنکھ کو دیکھنا اُسی نے سکھایا ہے۔ مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو اُڑنا اُسی کی تعلیم سے آیا ہے۔ درخت کو پھل پھول دینے اور زمین کو نباتات اُگانے کی ہدایت اُسی نے دی ہے۔ غرض وہ ساری کائنات اور اُس کی ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں، ہادی اور معلم بھی ہے۔[2]

❖

خدا جو تمام کائنات کا ہادی ہے، اور جو ہر چیز کو اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایت دے رہا ہے، اس کے عالمگیر منصبِ ہدایت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی شعوری زندگی کے لیے بھی رہنمائی کا انتظام کرے۔ اور انسان کی شعوری زندگی کے لیے رہنمائی کی وہ شکل موزوں نہیں ہو سکتی جو مچھلی اور مرغی کی رہنمائی کے لیے موزوں ہے۔ اس کی موزوں ترین شکل یہ ہے کہ ایک ذی شعور انسان اس کی طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہو اور وہ ان کی عقل و شعور کو اپیل کر کے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۸۳، ۲۸۴، حاشیہ ۴۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، ص ۹۷، حاشیہ ۲۳

انھیں سیدھا راستہ بتائے۔

❖

جس لمحے انسان دنیا میں قدم رکھتا ہے اسی وقت ایک طرف اس کی ماں کے سینے میں دُودھ پیدا ہوجاتا ہے تو دوسری طرف کوئی اَن دیکھی طاقت اسے دودھ چوسنے اور حلق سے اُتارنے کا طریقہ سکھا دیتی ہے۔ پھر اس تربیت ورہنمائی کا سلسلہ اول روزِ پیدائش سے شروع ہوکر موت کی آخری ساعت تک برابر جاری رہتا ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں انسان کو اپنے وجود اور نشوونما اور بقا اور ارتقا کے لیے جس جس نوعیت کے سروسامان کی حاجت پیش آتی ہے وہ سب اس کے پیدا کرنے والے نے زمین سے لے کر آسمان تک ہر طرف مہیا کر دیا ہے۔ اس سروسامان سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے کے لیے جن جن طاقتوں اور قابلیتوں کی اس کو حاجت پیش آتی ہے وہ سب بھی اس کی ذات میں ودیعت کر دی ہیں۔ اور ہر شعبۂ حیات میں جس جس طرح کی رہنمائی اس کو درکار ہوتی ہے اس کا بھی پورا انتظام اس نے کر دیا ہے۔

❖

سائنس کے مختلف شعبوں میں انسان تحقیق کے جتنے قدم آگے بڑھاتا جا رہا ہے، اس کے سامنے خدا کی بہت سی وہ نعمتیں بے نقاب ہوتی جا رہی ہیں جو پہلے اس سے بالکل مخفی تھیں، اور آج تک جن نعمتوں پر سے پردہ اٹھا ہے وہ ان نعمتوں کے مقابلے میں درحقیقت کسی شمار میں بھی نہیں ہیں جن پر سے اب تک پردہ نہیں اٹھا ہے۔

❖

ہم نے اسے محض علم وعقل کی قوتیں دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ شکر کا راستہ کون سا ہے اور کفر کا راستہ کون سا، اور اس کے بعد جو راستہ بھی وہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، ص ۹۸، حاشیہ ۲۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۵۰۳، حاشیہ ۵۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۰، حاشیہ ۳۶

اختیار کرے اس کا ذمّہ دار وہ خود ہو۔ سورہ بلد میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ ''اور ہم نے اسے دونوں راستے (یعنی خیر و شر کے راستے) نمایاں کر کے بتادیے۔'' اور سورۃ الشمس میں یہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ ''اور قسم ہے (انسان کے) نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اسے (تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ) اُستوار کیا، پھر اس کا فجور اور اُس کا تقویٰ دونوں اُس پر الہام کر دیے۔'' ان تمام تصریحات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے، اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اُن تفصیلی بیانات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے دنیا میں کیا کیا انتظامات کیے ہیں، تو معلوم ہوجاتا ہے کہ ''راستہ دکھانے'' سے مراد رہنمائی کی کوئی ایک ہی صورت نہیں ہے بلکہ بہت سی صورتیں ہیں، جن کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱) ہر انسان کو علم و عقل کی صلاحیتیں دینے کے ساتھ ایک اخلاقی حِس بھی دی گئی ہے جس کی بدولت وہ فطری طور پر بھلائی اور بُرائی میں امتیاز کرتا ہے، بعض افعال اور اوصاف کو بُرا جانتا ہے اگرچہ وہ خود ان میں مبتلا ہو، اور بعض افعال و اوصاف کو اچھا جانتا ہے اگرچہ وہ خود ان سے اجتناب کر رہا ہو۔ حتیٰ کہ جن لوگوں نے اپنی اغراض و خواہشات کی خاطر ایسے فلسفے گھڑ لیے ہیں جن کی بنا پر بہت سی برائیوں کو انھوں نے اپنے لیے حلال کر لیا ہے، اُن کا حال بھی یہ ہے کہ وہی برائیاں اگر کوئی دوسرا اُن کے ساتھ کرے تو وہ اُس پر چیخ اٹھتے ہیں اور اُس وقت معلوم ہوجاتا ہے کہ اپنے جھوٹے فلسفوں کے باوجود حقیقت میں وہ اُن کو بُرا ہی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح نیک اعمال و اوصاف کو خواہ کسی نے جہالت اور حماقت اور دقیانوسیت ہی قرار دے رکھا ہو، لیکن جب کسی انسان سے خود اُس کی ذات کو کسی نیک سلوک کا فائدہ پہنچتا ہے تو اس کی فطرت اُسے قابلِ قدر سمجھنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔

(۲) ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ضمیر (نفسِ لوّامہ) نام کی ایک چیز رکھ دی ہے جو اسے ہر اُس موقع پر ٹوکتی ہے جب وہ کوئی بُرائی کرنے والا ہو یا کر رہا ہو یا کر چکا ہو۔ اس ضمیر کو خواہ انسان کتنی ہی تھپکیاں دے کر سُلائے اور اس کو بے حس بنانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کر لے، لیکن وہ اسے بالکل فنا کر دینے پر قادر نہیں ہے۔ وہ دُنیا میں ڈِھیٹ بن کر اپنے آپ کو قطعی بے ضمیر ثابت کر سکتا ہے، وہ حجتیں بھگار

کر دُنیا کو دھوکا دینے کی بھی ہر کوشش کر سکتا ہے، وہ اپنے نفس کو بھی فریب دینے کے لیے اپنے افعال کے لیے بے شمار عذرات تراش سکتا ہے، مگر اس کے باوجود اللہ نے اس کی فطرت میں جو مُحاسِب بٹھا رکھا ہے وہ اتنا جاندار ہے کہ کسی بُرے انسان سے یہ بات چُھپی نہیں رہتی کہ وہ حقیقت میں کیا ہے۔ یہی بات ہے جو سُورہ قیامہ میں فرمائی گئی ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو خوب جانتا ہے خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں کرے۔ (آیت ۱۵)۔

(۳) انسان کے اپنے وجود میں اور اُس کے گردوپیش زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات میں ہر طرف ایسی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جو خبر دے رہی ہیں کہ یہ سب کچھ کسی خدا کے بغیر نہیں ہو سکتا، نہ بہت سے خدا اس کارخانۂ ہستی کے بنانے والے اور چلانے والے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آفاق اور انفُس کی یہی نشانیاں قیامت اور آخرت پر بھی صریح دلالت کر رہی ہیں۔ انسان اگر ان سے آنکھیں بند کر لے، یا اپنی عقل سے کام لے کر اِن پر غور نہ کرے، یا جن حقائق کی نشان دہی یہ کر رہی ہیں اُن کو تسلیم کرنے سے جی چُرائے تو یہ اُس کا اپنا قصُور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تو حقیقت کی خبر دینے والے نشانات اس کے سامنے رکھ دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

(۴) انسان کی اپنی زندگی میں، اُس کی ہم عصر دنیا میں، اور اس سے پہلے گزری ہوئی تاریخ کے تجربات میں بے شمار واقعات ایسے پیش آتے ہیں اور آتے رہے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک بالاتر حکومت اُس پر اور ساری کائنات پر فرمانروائی کر رہی ہے، جس کے آگے وہ بالکل بے بس ہے۔ جس کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے، اور جس کی مدد کا وہ محتاج ہے۔ یہ تجربات و مشاہدات صرف خارج ہی میں اس حقیقت کی خبر دینے والے نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اپنی فطرت میں بھی اُس بالاتر حکومت کے وجود کی شہادت ہے جس کی بنا پر بڑے سے بڑا دہریہ بھی بُرا وقت آنے پر خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے، اور سخت سے سخت مشرک بھی سارے جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو پکارنے لگتا ہے۔

(۵) انسان کی عقل اور اس کی فطرت قطعی طور پر حکم لگاتی ہے کہ جُرم کی سزا اور عمدہ خدمات کا صلہ ملنا ضروری ہے۔ اسی بنا پر تو دنیا کے ہر معاشرے میں عدالت کا نظام کسی نہ کسی صورت میں قائم کیا جاتا

ہے اور جن خدمات کو قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے ان کا صلہ دینے کی بھی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اخلاق اور قانونِ مُکافات کے درمیان ایک ایسا لازمی تعلق ہے جس سے انکار کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اب اگر یہ مُسلَّم ہے کہ اِس دنیا میں بے شمار جرائم ایسے ہیں جن کی پوری سزا تو درکنار سرے سے کوئی سزا ہی نہیں دی جاسکتی، اور بے شمار خدمات بھی ایسی ہیں جن کا پُورا صلہ تو کیا، کوئی صلہ بھی خدمت کرنے والے کو نہیں مل سکتا، تو آخرت کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، الّا یہ کہ کوئی بے وقوف یہ فرض کرلے، یا کوئی ہٹ دھرم یہ رائے قائم کرنے پر اصرار کرے کہ انصاف کا تصور رکھنے والا انسان ایک ایسی دنیا میں پیدا ہو گیا ہے جو بجائے خود انصاف کے تصوّر سے خالی ہے۔ اور پھر اس سوال کا جواب اُس کے ذمّے رہ جاتا ہے کہ ایسی دنیا میں پیدا ہونے والے انسان کے اندر یہ انصاف کا تصوّر آخر آ کہاں سے گیا؟

(٦) ان تمام ذرائع رہنمائی کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی صریح اور واضح رہنمائی کے لیے دنیا میں انبیا بھیجے اور کتابیں نازل کیں جن میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ شُکر کی راہ کون سی ہے اور کفر کی راہ کون سی اور ان دونوں راہوں پر چلنے کے نتائج کیا ہیں۔ انبیا اور کتابوں کی لائی ہوئی یہ تعلیمات، بے شمار محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے اتنے بڑے پیمانے پر ساری دنیا میں پھیلی ہیں کہ کوئی انسانی آبادی بھی خدا کے تصوّر، آخرت کے تصوّر، نیکی اور بدی کے فرق، اور اُن کے پیش کردہ اخلاقی اصولوں اور قانونی احکام سے ناواقف نہیں رہ گئی ہے، خواہ اسے یہ معلوم ہو یا نہ ہو کہ یہ علم اُسے انبیا اور کتابوں کی لائی ہوئی تعلیمات ہی سے حاصل ہُوا ہے۔ آج جو لوگ انبیاؑ اور کتابوں کے مُنکر ہیں، یا اُن سے بالکل بے خبر ہیں، وہ بھی اُن بہت سی چیزوں کی پیروی کر رہے ہیں جو دراصل انھی کی تعلیمات سے چھن چھن کر اُن تک پہنچی ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ان چیزوں کا اصل ماخذ کون سا ہے۔ [1]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ٦، الدہر، ص ١٨٩، ١٩٠، حاشیہ ٥

۸۰۔ اَلْکَفِیْلُ

گواہ

سورہ النحل آیت ۹۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (النحل۔آیت ۹۱)

اللہ کے عہد کو پُورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمھارے سب افعال سے باخبر ہے۔

علی الترتیب تین قسم کے معاہدوں کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے الگ الگ بیان کر کے ان کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک وہ عہد جو انسان نے خدا کے ساتھ باندھا ہو، اور یہ اپنی اہمیت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ دوسرا وہ عہد جو ایک انسان یا گروہ نے دوسرے انسان یا گروہ سے باندھا ہو اور اس پر اللہ کی قسم کھائی ہو، یا کسی نہ کسی طور پر اللہ کا نام لے کر اپنے قول کی پختگی کا یقین دلایا ہو۔ یہ دوسرے درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ تیسرا وہ عہد و پیمان جو اللہ کا نام لیے بغیر کیا گیا ہو۔ اس کی اہمیت اوپر کی دونوں قسموں کے بعد ہے۔ لیکن پابندی ان سب کی ضروری ہے اور خلاف ورزی ان میں سے کسی کی بھی روا نہیں ہے۔

[یہاں] عہد شکنی کی اس بدترین قسم پر ملامت کی گئی ہے جو دنیا میں سب سے بڑھ کر موجبِ فساد ہوتی ہے اور جسے بڑے بڑے اُونچے درجے کے لوگ بھی کارِ ثواب سمجھ کر کرتے اور اپنی قوم سے داد پاتے ہیں۔ قوموں اور گروہوں کی سیاسی، معاشی اور مذہبی کشمکش میں یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے کہ ایک قوم

کا لیڈر ایک وقت میں دوسری قوم سے ایک معاہدہ کرتا ہے اور دوسرے وقت میں محض اپنے قومی مفاد کی خاطر یا تو اسے علانیہ توڑ دیتا ہے یا در پردہ اس کی خلاف ورزی کر کے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ حرکتیں ایسے ایسے لوگ تک کر گزرتے ہیں جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑے راستباز ہوتے ہیں۔ اور ان حرکتوں پر صرف یہی نہیں کہ ان کی پوری قوم میں سے ملامت کی کوئی آواز نہیں اٹھتی، بلکہ ہر طرف سے اُن کی پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے اور اس طرح کی چالبازیوں کو ڈپلومیسی کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرماتا ہے کہ ہر معاہدہ دراصل معاہدہ کرنے والے شخص اور قوم کے اخلاق و دیانت کی آزمائش ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں ناکام ہوں گے وہ اللہ کی عدالت میں مواخذے سے نہ بچ سکیں گے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۶۷، حاشیہ ۹۰۔۹۱

۸۱- اَلْکَافِیْ

کافی ہونے والا

سُورہ الزمر آیت ۳۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۔ (اے نبیؐ) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔

سُورہ الحجر کی آیت ۹۵۔۹۶ میں ارشاد ہے:

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ○ (الحجر:۹۵۔۹۶)

ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا۔

سُورہ بقرہ آیت ۱۳۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰہُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

اور اگر وہ اس سے منہ پھیریں، تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں، لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمھاری حمایت کے لیے کافی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

خدا اپنی خدائی کا انتظام کرنے کے لیے خود کافی ہے، اس کو کسی سے مدد لینے کی حاجت نہیں کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۱، النساء، ص ۴۳۱، حاشیہ ۲۱۸

۸۲۔ اَلْاَکْرَمُ

بڑا کریم

سورۂ العلق آیت ۳ میں ارشادِ ربانی ہے:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝

پڑھو اور تمھارا رب بڑا کریم ہے۔

یعنی یہ اُس کا انتہائی کرم ہے کہ اس حقیر ترین حالت سے ابتدا کر کے اُس نے انسان کو صاحبِ علم بنایا جو مخلوقات کی بلند ترین صفت ہے، اور صرف صاحبِ علم ہی نہیں بنایا، بلکہ اُس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی، اور نسلاً بعد نسلٍ اُس کے بقا اور تحفظ کا ذریعہ بنا۔ اگر وہ الہامی طور پر انسان کو قلم اور کتابت کے فن کا یہ علم نہ دیتا تو انسان کی علمی قابلیت ٹھٹھر کر رہ جاتی اور اُسے نشوونما پانے، پھیلنے اور ایک نسل کے علوم دوسری نسل تک پہنچنے اور آگے مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔ [1]

❖

لافانی اور لازوال تو صرف اُس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ اب اگر تم میں سے کوئی شخص 'ہم چو من دیگرے نیست' کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ محض اس کی کم ظرفی ہے۔ اپنے ذرا سے دائرہ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، یا چند بندے جو اس کے ہتھے چڑھیں، اُن کا خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، العلق، ص ۳۹۶، ۳۹۷، حاشیہ ۵

حیثیت ایک مٹر کے دانے برابر بھی نہیں ہے، اس کے ایک کونے میں دس بیس یا پچاس ساٹھ برس جو خدائی اور کبریائی چلے اور پھر قصۂ ماضی بن کر رہ جائے وہ آخر کیا خدائی اور کیا کبریائی ہے جس پر کوئی پھولے۔ [1]

(مزید تشریح الکریم کے تحت ملاحظہ ہو)

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمن، ص ۲۶۰، ۲۶۱، حاشیہ ۲۵

۸۳۔ اَلْاَعْلٰی

سب سے برتر، غالب، سب سے بڑا

سورۂ الاعلیٰ آیت ۱ میں ارشادِ ربانی ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝

(اے نبیؐ) اپنے ربِ برتر کے نام کی تسبیح کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح کی جائے، یعنی اس کو کسی ایسے نام سے یاد نہ کیا جائے جو اپنے اندر کسی قسم کے نقص، عیب، کمزوری یا مخلوقات سے تشبیہ کا کوئی پہلو رکھتا ہو۔ کیونکہ دنیا میں جتنے بھی فاسد عقائد پیدا ہوتے ہیں اُن سب کی جڑ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی نہ کوئی غلط تصور ہے جس نے اُس ذات پاک کے لیے کسی غلط نام کی شکل اختیار کی ہے۔ لہٰذا عقیدے کی تصحیح کے لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو صرف اُن اسمائے حسنیٰ ہی سے یاد کیا جائے جو اُس کے لیے موزوں اور مناسب ہیں۔ [1]

❖

سورہ اللیل آیت ۲۰ میں ارشاد ہے: إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى۔ وہ تو صرف اپنے ربِ برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔

(قرآن مجید میں سورۂ نازعات کی آیت ۲۴ میں فرعون کا ربِ اعلیٰ کا دعویٔ باطل بھی نقل کیا ہے)

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى ۝ اُس نے پکار کر کہا: میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں۔

وہ مذہبی معنی میں نہیں بلکہ سیاسی معنی میں اپنے آپ کو الٰہ اور ربِّ اعلیٰ کہتا تھا، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک میں ہوں، میرے سوا کسی کو میری مملکت میں حکم چلانے کا حق نہیں ہے، اور

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الاعلیٰ، ص ۳۰۹، حاشیہ دیباچہ

میرے اوپر کوئی بالاتر طاقت نہیں ہے جس کا فرمان یہاں جاری ہو سکتا ہو۔ [1]

❖

وہ [فرعونِ مصر] عملاً مصر کی اور نظریے کے اعتبار سے دراصل پُوری نوعِ انسان کی سیاسی ربوبیت و خداوندی کا مدّعی تھا اور یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ اس کے اوپر کوئی دوسری ہستی فرمانروا ہو جس کا نمایندہ آ کر اسے ایک حکم دے اور اس حکم کی اطاعت کا مطالبہ اس سے کرے۔ [2]

❖

(اس سے معلوم ہوا کہ الاعلیٰ وہ ہے جو سب سے برتر، سب پر غالب اور سب سے بڑا ہو۔ یہ جملہ اوصاف صرف اور صرف خالقِ کائنات میں پائی جاتی ہیں لہٰذا وہی اعلیٰ ہے دوسرا کوئی ان معنوں میں اعلیٰ نہیں ہے)۔ (از مرتب)

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، النازعات، ص ۲۴۳، حاشیہ ۱۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، ص ۹۶، حاشیہ ۲۱

سب کا روزی رساں، بہتر رزق دینے والا

سورہ الذاریات آیت ۵۸ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ اللہ تو خود ہی رازق ہے بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

اس دنیا میں مجازاً جو بھی رزق رسانی کا ذریعہ بنتے ہیں ان سب سے بہتر رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین کہا گیا ہے، کہیں خیر الغافرین، کہیں خیر الحاکمین، کہیں خیر الراحمین، کہیں خیر الناصرین۔ ان سب مقامات پر مخلوق کی طرف رزق، تخلیق، مغفرت، رحم اور نصرت کی نسبت مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بھی دنیا میں تم کو تنخواہ، اُجرت یا روٹی دیتے نظر آتے ہیں، یا جو لوگ بھی اپنی صنعت و کاریگری سے کچھ بناتے نظر آتے ہیں، یا جو لوگ بھی دوسروں کے قصور معاف کرتے اور دوسروں پر رحم کھاتے اور دوسروں کی مدد کرتے نظر آتے ہیں، اللہ ان سب سے بہتر رازق، خالق، رحیم، غفور اور مددگار ہے۔ [1]

رازق، صانع، مُوجد، معطی اور ایسی ہی دوسری بہت سی صفات ایسی ہیں جو اصل میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مگر مجازاً بندوں کی طرف بھی منسوب ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہم ایک شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے فلاں شخص کے روزگار کا بندوبست کر دیا، یا اس نے یہ عطیہ دیا، یا اس نے فلاں چیز بنائی یا ایجاد کی۔ اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خیر الرازقین کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جن جن کے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، ص ۵۰۵، حاشیہ ۲۱

متعلق تم گمان رکھتے ہو کہ وہ روزی دینے والے ہیں ان سب سے بہتر روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔[1]

❖

(خیر الرازقین کا جملہ قرآنِ پاک کی کئی سورتوں میں آیا ہے) مثلاً:

سورۂ مائدہ آیت ۱۱۴ میں:

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

ہم کو رزق دے اور تو بہترین رازق ہے۔

سُورہ الحج آیت ۵۸ میں ہے:

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔

سُورہ سبا آیت ۳۹ میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔

سُورہ المومنون آیت ۷۲ میں ہے:

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

کیا تو اُن سے کچھ مانگ رہا ہے؟ تیرے لیے تیرے رب کا دیا ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔

یہ بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوانات جو تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوا اور خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھر رہا ہے؟ اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہیں اللہ کے فضل سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تم یہ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ اللہ جہاں سے اپنی بے شمار مخلوق کو

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۲۰۹، حاشیہ ۶۰

رزق دے رہا ہے، تمھیں بھی دے گا۔

❖

پیدا ہوتے ہی اس کی مہربانی سے تم نے اپنے لیے پاکیزہ رزق کا ایک وسیع خوانِ یغما بچھا ہوا پایا۔ کھانے اور پینے کا ایسا پاکیزہ سامان جو زہریلا نہیں بلکہ صحت بخش ہے کڑوا کسیلا اور بدمزہ نہیں بلکہ خوش ذائقہ ہے، سڑا بُسا اور بدبُودار نہیں بلکہ خوش رائحہ ہے، بے جان پھوک نہیں بلکہ اُن حیاتینوں اور مفید غذائی مادّوں سے مالا مال ہے جو تمھارے جسم کی پرورش اور نشوونما کے لیے موزوں ترین ہے۔ یہ پانی، یہ غلے، یہ ترکاریاں، یہ پھل، یہ دُودھ، یہ شہد، یہ گوشت، یہ نمک مرچ اور مسالے جو تمھارے تغذیے کے لیے اس قدر موزوں اور تمھیں زندگی کی طاقت ہی نہیں، زندگی کا لُطف دینے کے لیے بھی اس قدر مناسب ہیں، آخر کس نے اس زمین پر اتنی افراط کے ساتھ مہیا کیے ہیں، اور کس نے یہ انتظام کیا ہے کہ غذا کے یہ بے حساب خزانے زمین سے پے در پے نکلتے چلے آئیں اور ان کی رسد کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ یہ رزق کا انتظام نہ ہوتا اور بس تم پیدا کر دیے جاتے تو سوچو کہ تمھاری زندگی کا کیا رنگ ہوتا۔

❖

خدا سے برگشتہ لوگ دنیا میں جن جن کی بندگی بجا لا رہے ہیں وہ سب درحقیقت اپنے ان بندوں کے محتاج ہیں۔ یہ ان کی خدائی نہ چلائیں تو ایک دن بھی وہ نہ چلے۔ وہ ان کے رازق نہیں بلکہ اُلٹے یہ اُن کو رزق پہنچاتے ہیں۔ وہ ان کو نہیں کھلاتے بلکہ اُلٹے یہ اُن کو کھلاتے ہیں۔ وہ ان کی جان کے محافظ نہیں بلکہ اُلٹے یہ اُن کی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اُن کے لشکر یہ ہیں جن کے بل پر اُن کی خدائی چلتی ہے۔ جہاں بھی ان جھوٹے خداؤں کی حمایت کرنے والے بندے نہ رہے، یا بندوں نے ان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا وہاں ان کے سب ٹھاٹھ پڑے رہ گئے اور دنیا کی آنکھوں نے اُن کی کس مپرسی کا حال دیکھ لیا۔ سارے معبودوں میں اکیلا ایک اللہ جل شانہٗ ہی وہ حقیقی معبود ہے جس کی خدائی اپنے بل بوتے پر چل رہی ہے، جو اپنے بندوں سے کچھ لیتا نہیں بلکہ وہی اپنے بندوں کو سب کچھ دیتا ہے۔ [۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، ص ۷۱۷، حاشیہ ۹۹

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، ص ۴۲۳، ۴۲۴، حاشیہ ۹۱

[۳] تفہیم القرآن، ج ۵، الذاریات، ص ۱۵۶، حاشیہ ۵۴

زبردست، مضبوط اور غیر متزلزل

جسے کوئی ہلا نہ سکے، جس کا کوئی توڑ نہ کر سکے۔ متین جس کا کوئی توڑ نہ ہو۔

سورۂ اعراف آیت ۱۸۳ اور سورہ القلم آیت ۴۵ میں آیا ہے:

اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ۔ میری چال کا کوئی توڑ نہیں۔

سورہ الذاریات آیت ۵۸ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ اللہ تو خود ہی رزاق ہے۔ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

۸۶۔ غَافِرُ الذَّنْبِ وَ قَابِلُ التَّوْبِ

گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا

سورہ المومن آیت ۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ ؕ ۔گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحبِ فضل ہے۔

یہ امید اور ترغیب دلانے والی صفت ہے۔ جو لوگ اب تک سرکشی کرتے رہے ہیں وہ مایوس نہ ہوں، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے اپنی روش پر نظر ثانی کریں کہ اگر اب بھی وہ اس روش سے باز آ جائیں تو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں۔ اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ گناہ معاف کرنا اور توبہ قبول کرنا لازماً ایک ہی چیز کے دو عنوان نہیں ہیں، بلکہ بسا اوقات توبہ کے بغیر بھی اللہ کے ہاں گناہوں کی معافی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً، ایک شخص خطائیں بھی کرتا رہتا ہے اور نیکیاں بھی، اور اس کی نیکیاں اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہیں، خواہ اسے ان خطاؤں پر توبہ و استغفار کرنے کا موقع نہ ملا ہو، بلکہ وہ انھیں بھول بھی چکا ہو۔ اسی طرح ایک شخص پر دنیا میں جتنی بھی تکلیفیں اور مصیبتیں اور بیماریاں اور طرح طرح کے رنج و غم پہنچانے والی آفات آتی ہیں وہ سب اس کی خطاؤں کا بدل بن جاتی ہیں۔ اسی بنا پر گناہوں کی معافی کا ذکر توبہ قبول کرنے سے الگ کیا گیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ توبہ کے بغیر خطا بخشی کی یہ رعایت صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے اور اہلِ ایمان میں بھی صرف اُن کے لیے جو سرکشی و بغاوت کے ہر جذبے سے خالی ہوں اور جن سے گناہوں کا صدور بشری کمزوری کی وجہ سے ہوا ہو نہ کہ استکبار اور معصیت پر اصرار کی بنا پر۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، ص ۳۹۲، حاشیہ ۱

۸۷۔ شَدِیْدُ الْعِقَابِ

سخت سزا دینے والا

سورہ المؤمن آیت ۲۲ میں ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

یہ ان کا انجام اس لیے ہوا کہ ان کے پاس اُن کے رسول بینات لے کر آئے اور انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

سورہ الحشر آیت ۴ میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

اور جو بھی اللہ کا مقابلہ کرے اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

الحشر آیت ۷ میں ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اُس سے رُک جاؤ، اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس صفت کا ذکر کر کے لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ جتنا رحیم ہے، بغاوت و سرکشی کا رویہ اختیار کرنے والوں کے لیے اتنا ہی سخت ہے۔ جب کوئی شخص یا گروہ اُن تمام حدود سے گزر جاتا ہے جہاں تک وہ اُس کے درگزر اور اس کی خطا بخشی کا مستحق

ہو سکتا ہے، تو پھر وہ اس کی سزا کا مستحق بنتا ہے، اور اس کی سزا ایسی ہولناک ہے کہ صرف ایک احمق انسان ہی اُس کو قابلِ برداشت سمجھ سکتا ہے۔ [1]

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، ص ۳۹۲، حاشیہ ۱

۸۸۔ ذُوالطَّوْلِ

بڑا صاحبِ فضل

یعنی کشادہ دست، غنی اور فیاض ہے۔ تمام مخلوقات پر اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی ہمہ گیر بارش ہر آن ہو رہی ہے۔ بندوں کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اُسی کے فضل و کرم سے مل رہا ہے۔[1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، ص ۳۹۲، حاشیہ ۱

۸۹۔ رفیع الدرجات

بلند درجوں والا

سورہ غافر آیت ۱۵ میں ارشاد ہے: رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ۔ وہ بلند درجوں والا، مالکِ عرش ہے۔

تمام موجودات سے اُس کا مقام بدرجہا بلند ہے۔ کوئی ہستی بھی جو اس کائنات میں موجود ہے، خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا نبی یا ولی، یا اور کوئی مخلوق، اس کا مقام دوسری مخلوقات کے مقابلے میں چاہے کتنا ہی ارفع واشرف ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے بلند ترین مقام سے اس کے قریب ہونے تک کا تصور نہیں کیا جا سکتا کجا کہ خدائی صفات واختیارات میں اس کے شریک ہونے کا گمان کیا جا سکے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، ص ۳۹۹، حاشیہ ۲۳

۹۰۔ ذُو الطَّوْلِ

بہت جلد حساب لینے والا

سُورۂ بقرہ آیت ۲۰۲ میں ارشاد ہے: أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

سُورۂ آلِ عمران آیت ۱۹ میں ارشاد ہے: وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کردے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

سُورۂ المائدہ آیت ۴ میں ارشادِ گرامی ہے: وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو، اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

سُورۂ الرعد آیت ۴۱ میں ارشاد ہے: وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ اللہ حکومت کر رہا ہے، کوئی اس کے فیصلوں پر نظرِ ثانی کرنے والا نہیں ہے، اور اسے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

سُورۂ ابراہیم آیت ۵۱ میں ارشاد ہے: لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر متنفس کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔ اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

سُورۂ نور آیت ۳۹ میں ارشاد ہے: وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ وہاں اُس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پُورا پُورا حساب چکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

جو لوگ کفر و نفاق کے باوجود بظاہر کچھ نیک اعمال بھی کرتے ہوں اور فی الجملہ آخرت کے بھی قائل ہوں اور اس خیالِ خام میں مبتلا ہوں کہ ایمانِ صادق اور صفاتِ اہلِ ایمان، اور اطاعت و اتباعِ رسُول کے بغیر ان کے یہ اعمال آخرت میں اُن کے لیے کچھ مفید ہوں گے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے جن ظاہری و نمائشی اعمالِ خیر سے آخرت میں فائدے کی اُمید رکھتے ہو، ان کی حقیقت سَراب سے زیادہ نہیں ہے۔ ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت کو دُور سے دیکھ کر جس طرح پیاسا یہ سمجھتا ہے کہ پانی کا ایک تالاب موجیں مار رہا ہے اور مُنہ اٹھائے اس کی طرف پیاس بجھانے کی اُمید لیے ہوئے دوڑتا چلا جاتا ہے، اسی طرح تم ان اعمال کے جھوٹے بھروسے پر موت کی منزل کا سفر کرتے چلے جا رہے ہو۔ مگر جس طرح سَراب کی طرف دوڑنے والا جب اس جگہ پہنچتا ہے جہاں اسے تالاب نظر آ رہا تھا تو کچھ نہیں پاتا، اسی طرح جب تم منزلِ موت میں داخل ہو جاؤ گے تو تمھیں پتہ چل جائے گا کہ یہاں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس کا تم کوئی فائدہ اٹھا سکو، بلکہ اس کے برعکس اللہ تمھارے کفر و نفاق، اور ان بداعمالیوں کا جو تم ان نمائشی نیکیوں کے ساتھ کر رہے تھے، حساب لینے اور پورا پورا بدلہ دینے کے لیے موجود ہے۔[1]

❖

سُورہ المؤمن آیت ۱۷ میں ارشادِ ربانی ہے: اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ آج ہر متنفس کو اس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کی تھی۔ آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

اللہ کو حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ وہ جس طرح کائنات کی ہر مخلوق کو بیک وقت رزق دے رہا ہے اور کسی کی رزق رسانی کے انتظام میں اُس کو ایسی مشغولیت نہیں ہوتی کہ دوسروں کو رزق دینے کی اسے فرصت نہ ملے، وہ جس طرح کائنات کی ہر چیز کو بیک وقت دیکھ رہا ہے، ساری آوازوں کو بیک وقت سُن رہا ہے، تمام چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملات کی بیک وقت تدبیر کر رہا ہے، اور کوئی چیز اس کی توجہ کو اس طرح جذب نہیں کر لیتی کہ اُسی وقت وہ دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہ کر سکے، اُسی طرح وہ ہر ہر فرد کا بیک وقت محاسبہ بھی کر لے گا اور ایک مقدمے کی سماعت کرنے میں

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۴۱۱، حاشیہ ۷۱

اُسے ایسی مشغولیت لاحق نہ ہوگی کہ اُسی وقت دوسرے بے شمار مقدمات کی سماعت نہ کرسکے۔ پھر اس کی عدالت میں اس بنا پر بھی کوئی تاخیر نہ ہوگی کہ واقعاتِ مقدمہ کی تحقیق اور اس کے لیے شہادتیں فراہم ہونے میں وہاں کوئی مشکل پیش آئے۔ حاکمِ عدالت براہِ راست خود تمام حقائق سے واقف ہوگا۔ ہر فریقِ مقدمہ اس کے سامنے بالکل بے نقاب ہوگا۔ اور واقعات کی کھلی کھلی ناقابلِ انکار شہادتیں چھوٹی سے چھوٹی جزئی تفصیلات تک کے ساتھ بلا تاخیر پیش ہوجائیں گی۔ اس لیے ہر مقدمے کا فیصلہ جھٹ پٹ ہوجائے گا۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، ص ۴۰۰، ۴۰۱، حاشیہ ۲۹

آسمانوں اور زمین کا خالق، آسمانوں اور زمین کا بنانے والا

سورہ الانعام آیت ۱۴ میں ارشاد ہے: قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کہو، اللہ کو چھوڑ کر کیا کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں؟ اُس خدا کو چھوڑ کر جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔

مشرکوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ سب اپنے ان بندوں کو رزق دینے کے بجائے اُلٹا ان سے رزق پانے کے محتاج ہیں۔ کوئی فرعون خدائی کے ٹھاٹھ نہیں جما سکتا جب تک اس کے بندے اسے ٹیکس اور نذرانے نہ دیں۔ کسی صاحبِ قبر کی شانِ معبودیت قائم نہیں ہوسکتی جب تک اس کے پرستار اس کا شاندار مقبرہ تعمیر نہ کریں۔ کسی دیوتا کا دربارِ خداوندی سج نہیں سکتا جب تک اس کے پجاری اس کا مجسمہ بنا کر کسی عالی شان مندر میں نہ رکھیں اور اس کو تزئین و آرائش کے سامانوں سے آراستہ نہ کریں۔ سارے بناوٹی خدا بے چارے خود اپنے بندوں کے محتاج ہیں۔ صرف ایک خداوندِ عالم ہی وہ حقیقی خدا ہے جس کی خدائی آپ اپنے بل بوتے پر قائم ہے اور جو کسی کی محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ [1]

❖

سورۂ ابراہیم آیت ۱۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اُن کے رسولوں نے کہا: کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔

رسولوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ہر زمانے کے مُشرکین خدا کی ہستی کو مانتے تھے اور یہ بھی تسلیم

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، الانعام، ص ۵۲۷، حاشیہ ۱۰

کرتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق وہی ہے۔ اسی بنیاد پر رسولوں نے فرمایا کہ آخر تمھیں شک کس چیز میں ہے؟ ہم جس چیز کی طرف تمھیں دعوت دیتے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ اللہ فاطر السموات والارض تمھاری بندگی کا حقیقی مستحق ہے۔ پھر کیا اللہ کے بارے میں تم کو شک ہے؟[1]

❖

سورۂ الشوریٰ آیت ۱۱ میں ارشادِ گرامی ہے: فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۔ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، جس نے تمھاری اپنی جنس سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے۔

سورۂ فاطر آیت ۱ میں ارشاد ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ۔ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے۔[2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، ص ۴۷۶، حاشیہ ۱۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۱۸، (آیت ۱ کا ترجمہ)

۹۲۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین کا مُوجد

سُورۂ بقرہ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ وہ آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔

سُورۂ الانعام آیت ۱۰۱ میں ارشاد ہے: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریکِ زندگی ہی نہیں ہے۔

آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حدوحساب اجرامِ فلکی کو تھامے ہوئے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام ومدار پر روکے ہوئے ہے اور ان عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔ [۱]

❖

صرف یہی نہیں کہ (آسمان اور زمین) اُس کے حکم سے ایک دفعہ وجود میں آگئے ہیں، بلکہ ان کا مسلسل قائم رہنا اور ان کے اندر ایک عظیم الشان کارگاہِ ہستی کا پیہم چلتے رہنا بھی اسی کے حکم کی بدولت ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اگر اس کا حکم انھیں برقرار نہ رکھے تو یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم ہوجائے۔ [۲]

---

[۱] **تفہیم القرآن**، ج ۲، الرعد، ص ۴۴۲، حاشیہ ۲

[۲] **تفہیم القرآن**، ج ۳، الروم، ص ۷۴۹، حاشیہ ۳۶

حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بلکہ درحقیقت وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے جو زمین اور آسمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ نے اپنی یہ کائنات بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دی ہے کہ جو چاہے اس کا، یا اس کے کسی حصے کا مالک بن بیٹھے۔ اپنی خلق کا وہ آپ ہی مالک ہے اور ہر چیز جو اس کائنات میں موجود ہے وہ اس کی مِلک ہے۔ یہاں اس کے سوا کسی کی بھی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اسے خداوندانہ اختیارات حاصل ہوں۔ [1]

❖

اس پوری کائنات کا اور اس کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کی ذات کے سوا ہر دوسری چیز جو یہاں پائی جاتی ہے مخلوق ہے۔ اور اللہ اس دنیا کو بنا دینے کے بعد کہیں جا کر سو بھی نہیں گیا ہے، بلکہ اپنی اس سلطنت کا تخت نشین اور حاکم و فرمانروا بھی وہ آپ ہی ہے۔ [2]

❖

تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق بہم پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پُورا عالم اسی مادے سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی سی ارضی دنیا بنی ہے اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کارفرما ہے، ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہم اس زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دُور دراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے اور ان کے فاصلے ناپتے اور ان کی حرکات کا حساب لگاتے، کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی تخلیق اور ایک ہی فرمانروا کی سلطنت ہے۔ [3]

❖

سورۂ حٰم السجدہ آیت ۱۱ میں ارشاد ہے: **ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ** پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دُھواں تھا...... دھوئیں سے مراد مادّے کی وہ ابتدائی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۲، حاشیہ ۴۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، ص ۳۸، حاشیہ ۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، یٰس، ص ۲۶۲، حاشیہ ۳۷

حالت ہے جس میں وہ کائنات کی صورت گری سے پہلے ایک بے شکل منتشر الاجزا غبار کی طرح فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ موجودہ زمانے کے سائنس دان اسی کو سحابیے سے تعبیر کرتے ہیں اور آغازِ کائنات کے متعلق ان کا تصور بھی یہی ہے کہ تخلیق سے پہلے وہ مادّہ جس سے کائنات بنی ہے، اسی دُخانی یا سحابی شکل میں منتشر تھا۔ [1]

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج ۴، حٰم السجدہ، ص ۴۴۵، حاشیہ ۱۴

(النور)

ساری کائنات کا نُور

سُورۂ نور میں ارشادِ ربانی ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآنِ مجید میں بالعموم ''کائنات'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا نُور ہے۔

نُور سے مراد وہ چیز ہے جس کی بدولت اشیا کا ظہور ہوتا ہے، یعنی جو آپ سے آپ ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے۔ انسان کے ذہن میں نور اور روشنی کا اصل مفہوم یہی ہے، کچھ نہ سوجھنے کی کیفیت کا نام انسان نے اندھیرا اور تاریکی اور ظلمت رکھا ہے، اور اس کے برعکس جب سب کچھ سجھائی دینے لگے اور ہر چیز ظاہر ہوجائے تو آدمی کہتا ہے کہ روشنی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''نُور'' کا استعمال اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے، نہ اس معنی میں کہ معاذ اللہ وہ کوئی شعاع ہے جو ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اور ہماری آنکھ کے پردے پر پڑ کر دماغ کے مرکز بینائی کو متاثر کرتی ہے۔ روشنی کی یہ مخصوص کیفیت اُس معنی کی حقیقت میں شامل نہیں ہے جس کے لیے انسانی ذہن نے یہ لفظ اختراع کیا ہے، بلکہ اُس پر اس لفظ کا اطلاق ہم اُن روشنیوں کے لحاظ سے کرتے ہیں جو اس ماڈی دنیا کے اندر ہمارے تجربے میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی زبان کے جتنے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں وہ اپنے اصل بنیادی مفہوم کے اعتبار سے بولے جاتے ہیں نہ کہ اُن کے مادی مدلولات کے اعتبار سے۔ مثلاً ہم اس کے لیے دیکھنے کا لفظ بولتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ انسان اور حیوان کی طرح آنکھ نامی ایک عضو کے ذریعے سے دیکھتا ہے۔ ہم اس کے لیے سننے کا لفظ بولتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ہماری طرح کانوں کے ذریعے سے سنتا ہے۔ اس کے لیے ہم پکڑ اور گرفت

کے الفاظ بولتے ہیں۔ یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ ہاتھ نام کے ایک آلے سے پکڑتا ہے۔ یہ سب الفاظ اس کے لیے ہمیشہ ایک اطلاقی شان میں بولے جاتے ہیں اور صرف ایک کم عقل آدمی ہی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ سماعت اور بینائی اور گرفت کی کوئی دوسری صورت اس محدود اور مخصوص قسم کی سماعت و بینائی اور گرفت کے سوا ہونی غیر ممکن ہے جو ہمارے تجربے میں آتی ہے۔ اسی طرح ''نُور'' کے متعلق بھی یہ خیال کرنا محض ایک تنگ خیالی ہے کہ اس کے معنی کا مصداق صرف اُس شُعاع ہی کی صورت میں پایا جاسکتا ہے جو کسی چمکنے والے جرم سے نکل کر آنکھ کے پردے پر منعکس ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا مصداق اس محدود معنی میں نہیں ہے بلکہ مطلق معنی میں ہے، یعنی اس کائنات میں وہی ایک اصل ''سبب ظہور'' ہے، باقی یہاں تاریکی اور ظلمت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دوسری روشنی دینے والی چیزیں بھی اسی کی بخشی ہوئی روشنی سے روشن اور روشن گر ہیں، ورنہ ان کے پاس اپنا کچھ نہیں جس سے وہ یہ کرشمہ دکھا سکیں۔

نور کا لفظ علم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جہل کو تاریکی اور ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معنی میں بھی کائنات کا نُور ہے کہ یہاں حقائق کا علم اور راہِ راست کا علم اگر مل سکتا ہے تو اسی سے مل سکتا ہے۔ اس سے فیض حاصل کیے بغیر جہالت کی تاریکی اور نتیجۃً ضلالت و گمراہی کے سوا اور کچھ ممکن نہیں ہے۔ [1]

❖

اللہ کو ''نُور'' کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ اس کی حقیقت ہی بس ''نُور'' ہونا ہے۔ حقیقت میں تو وہ ایک ذات کامل و اکمل ہے جو صاحبِ علم، صاحبِ قدرت، صاحبِ حکمت وغیرہ ہوتے کے ساتھ ساتھ صاحبِ نُور بھی ہے۔ لیکن خود اس کو نُور محض اس کے کمالِ نُورانیت کی وجہ سے کہا گیا ہے جیسے کسی کے کمالِ فیاضی کا حال بیان کرنے کے لیے اس کو خود فیض کہہ دیا جائے، یا اس کے کمالِ خوبصورتی کا وَصف بیان کرنے کے لیے خود اسی کو حُسن کے لفظ سے تعبیر کر دیا جائے۔ [2]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۴۰۶، ۴۰۷، حاشیہ ۶۲

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۴۰۸، حاشیہ ۶۵

اللہ کا یہ نُورِ مطلق (جس کا کوئی مدِ مقابل نہیں، جو کبھی زائل نہیں ہوتا، جو سدا ایک ہی شان سے ہر طرف چھایا رہتا ہے [1]) سارے جہان کو منور کر رہا ہے، مگر اس کا ادراک ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے ادراک کی توفیق اور اس کے فیض سے مستفیض ہونے کی نعمت اللہ ہی جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ ورنہ جس طرح اندھے کے لیے دن اور رات برابر ہیں، اُسی طرح بے بصیرت انسان کے لیے بجلی اور سُورج اور چاند اور تاروں کی روشنی تو روشنی ہے مگر اللہ کا نور اس کو سجھائی نہیں دیتا۔ اس پہلو سے اس بدنصیب کے لیے کائنات میں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ آنکھوں کا اندھا اپنے پاس کی چیز نہیں دیکھ سکتا، یہاں تک کہ جب اس سے ٹکرا کر چوٹ کھا جاتا ہے تب اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز یہاں موجود تھی۔ اسی طرح بصیرت کا اندھا اُن حقیقتوں کو بھی نہیں دیکھ سکتا جو عین اُس کے پہلو میں اللہ کے نُور سے جگمگا رہی ہوں۔ اُسے ان کا پتہ صرف اُس وقت چلتا ہے جب وہ اُن سے ٹکرا کر اپنی شامت میں گرفتار ہو چکا ہوتا ہے۔ [2]

❖

سُورۂ نُور آیت ۳۵ میں اللہ تعالیٰ کے نُور کی مثال بیان کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

(کائنات میں) اس کے نُور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ رکھا ہُوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ

---

[1] ایضاً

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۴۰۸، ۴۰۹، حاشیہ ۶۲

لگے، (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں) اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔

اس تمثیل میں چراغ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اور طاق سے کائنات کو تشبیہ دی گئی ہے اور فانوس سے مراد وہ پردہ ہے جس میں حضرتِ حق نے اپنے آپ کو نگاہِ خلق سے چھپا رکھا ہے۔ گویا یہ پردہ فی الحقیقت خفا کا نہیں، شدتِ ظہور کا پردہ ہے۔ نگاہِ خلق جو اس کو دیکھنے سے عاجز ہے اُس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ درمیان میں تاریکی ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ درمیان کا پردہ شفاف ہے اور اس شفاف پردے سے گزر کر آنے والا نُور ایسا شدید اور بسیط اور محیط ہے کہ محدود طاقت رکھنے والی بینائیاں اس کا ادراک کرنے سے عاجز رہ گئی ہیں۔ یہ کمزور بینائیاں صرف ان محدود روشنیوں کا ادراک کر سکتی ہیں جن کے اندر کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے، جو کبھی زائل ہوتی ہیں اور کبھی پیدا ہوجاتی ہیں، جن کے مقابلے میں کوئی تاریکی موجود ہوتی ہے اور اپنی ضد کے سامنے آ کر وہ نمایاں ہوتی ہیں۔ لیکن نُورِ مطلق جس کا کوئی مدِّ مقابل نہیں، جو کبھی زائل نہیں ہوتا، جو سدا ایک ہی شان سے ہر طرف چھایا رہتا ہے، اس کا ادراک ان کے بس سے باہر ہے۔

رہا یہ مضمون کہ ”چراغ ایک ایسے درختِ زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی“، تو یہ صرف چراغ کی روشنی کے کمال اور اس کی شدت کا تصور دلانے کے لیے ہے۔ قدیم زمانے میں زیادہ سے زیادہ روشنی روغنِ زیتون کے چراغوں سے کی جاتی تھی اور ان میں روشن ترین چراغ وہ ہوتا تھا جو بلند اور کھلی جگہ کے درخت سے نکالے ہوئے تیل کا ہو۔ تمثیل میں اس مضمون کا مدعا یہ نہیں ہے کہ اللہ کی ذات جسے چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے، کسی اور چیز سے طاقت (Energy) حاصل کر رہی ہے، بلکہ مقصود یہ کہنا ہے کہ مثال میں معمولی چراغ نہیں بلکہ اُس روشن ترین چراغ کا تصور کرو جو تمھارے مشاہدے میں آتا ہے۔ جس طرح ایسا چراغ سارے مکان کو جگمگا دیتا ہے اسی طرح اللہ کی ذات نے ساری کائنات کو بقعۂ نور بنا رکھا ہے۔ (**تفہیم القرآن**، ج ۳، النور، ص ۴۰۷، ۴۰۸، حاشیہ ۶۵)

مُلک کے مالک

اس پُورے نظام (یعنی نظامِ کائنات) کا خالق، مالک، حاکم اور رب صرف ایک خدا ہے، اور اس حقیقت کے مقابلے میں باطل یہ ہے کہ اسے بہت سے خداؤں کی مشترک سلطنت سمجھا جائے، یا یہ خیال کیا جائے کہ ایک بڑے خدا کی خدائی میں دوسرے چھوٹے خداؤں کا بھی کچھ دخل ہے۔ [1]

کائنات کے تختِ سلطنت کا مالک ہے [2]۔

یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ کائنات کی مختلف قوّتوں اور مختلف حصوں کے خالق اور مالک الگ الگ خدا ہوتے اور پھر ان کے درمیان ایسا مکمل تعاون ہوتا جیسا کہ تم اس پُورے نظامِ عالم کی بے شمار قوّتوں اور بے حدوحساب چیزوں میں، اور ان گنت تاروں اور سیاروں میں پا رہے ہو۔ نظام کی باقاعدگی اور اجزائے نظام کی ہم آہنگی اقتدار کی مرکزیت و وحدت پر خود دلالت کررہی ہے۔ اگر اقتدار بٹا ہُوا ہوتا تو اصحابِ اقتدار میں اختلاف رونما ہونا یقیناً ناگزیر تھا۔ اور یہ اختلاف ان کے درمیان جنگ اور تصادم تک پہنچے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ یہی مضمون سورۂ انبیا میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ آیت ۲۲۔ اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ اور یہی استدلال سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔ (آیت ۴۲) اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے، جیسا

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، ص ۱۵۳، حاشیہ ۱۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، ص ۱۵۴، حاشیہ ۲۳۔

کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ مالکِ عرش کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔ [۱]

کائنات کا پورا نظام، زمین کی تہوں سے لے کر بعید ترین سیاروں تک، ایک ہمہ گیر قانون پر چل رہا ہے۔ یہ ایک لمحے کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر اس کی بے شمار مختلف قوتوں اور بے حدو حساب چیزوں کے درمیان تناسب اور توازن اور ہم آہنگی اور تعاون نہ ہو۔ اور یہ سب کچھ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ کوئی اٹل اور غالب و قاہر ضابطہ ان بے شمار اشیا اور قوتوں کو پوری مناسبت کے ساتھ باہم تعاون کرتے رہنے پر مجبور کر رہا ہو۔ اب یہ کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرمانرواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی کے ساتھ چل سکے؟ نظم کا وجود خود ہی ناظم کی وحدت کو مستلزم ہے۔ قانون اور ضابطے کی ہمہ گیری آپ ہی اس بات پر شاہد ہے کہ اختیارات ایک ہی حاکم میں مرکوز ہیں اور وہ حاکمیت مختلف حاکموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔ [۲]

❖

اس لیے کہ چند ہستیوں کا خدائی میں شریک ہونا دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو وہ سب اپنی اپنی جگہ مستقل خدا ہوں۔ یا ان میں سے ایک اصل خدا ہو، اور باقی اس کے بندے ہوں جنھیں اس نے کچھ خدائی اختیارات دے رکھے ہوں۔ پہلی صورت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ یہ سب آزاد و خود مختار خدا ہمیشہ، ہر معاملے میں، ایک دوسرے کے ارادے سے موافقت کر کے اس اتھاہ کائنات کے نظم کو اتنی مکمل ہم آہنگی، یکسانیت اور تناسب و توازن کے ساتھ چلا سکتے۔ ناگزیر تھا کہ ان کے منصوبوں اور ارادوں میں قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ہر ایک اپنی خدائی دوسرے خداؤں کی موافقت کے بغیر چلتی نہ دیکھ کر یہ کوشش کرتا کہ وہ تنہا ساری کائنات کا مالک بن جائے۔ رہی دوسری صورت، تو بندے کا ظرف خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے ذرا سے وہم اور شائبے تک کا تحمل نہیں کرسکتا۔ اگر کہیں کسی مخلوق کی طرف ذرا سی خدائی بھی منتقل کر دی جاتی تو وہ پھٹ پڑتا، چند لمحوں کے لیے بھی بندہ بن کر رہنے پر راضی نہ ہوتا، اور فوراً ہی خداوندِ عالم بن جانے کی فکر شروع کر دیتا۔

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، المومنون، ص ۲۹۷، ۲۹۸، حاشیہ ۸۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، ص ۱۵۳، حاشیہ ۲۲

جس کائنات میں گیہوں کا ایک دانہ اور گھاس کا ایک تنکا تک اس وقت تک پیدا نہ ہوتا ہو جب تک کہ زمین و آسمان کی ساری قوتیں مل کر اس کے لیے کام نہ کریں، اُس کے متعلق صرف ایک انتہا درجے کا جاہل اور کند ذہن آدمی ہی یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس کی فرمانروائی ایک سے زیادہ خودمختار یا نیم خودمختار خدا کر رہے ہوں گے۔ ورنہ جس نے کچھ بھی اس نظام کے مزاج اور طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو وہ تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہاں خدائی بالکل ایک ہی کی ہے اور اس کے ساتھ کسی درجے میں بھی کسی اور کے شریک ہونے کا قطعی امکان نہیں ہے۔ [1]

❖

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۱۱ میں ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ

اور کہو تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے، اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو۔

مُشرکین مختلف دیوتاؤں اور بزرگ انسانوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں نے اپنی خدائی کے مختلف شعبے یا اپنی سلطنت کے مختلف علاقے ان کے انتظام میں دے رکھے ہیں۔ اس بے ہودہ عقیدے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی خدائی کا بار سنبھالنے سے عاجز ہے، اس لیے وہ اپنے پشتیبان تلاش کر رہا ہے۔ اسی بنا پر اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ عاجز نہیں ہے کہ اُسے کچھ ڈپٹیوں اور مددگاروں کی حاجت ہو۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۱۸، حاشیہ ۴۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۵۱، حاشیہ ۱۲۵

جلیل وکریم ذات

(سورہ الرحمن میں دوآیات میں [یہ اسم] استعمال ہوا ہے۔ پہلی جگہ آیت ۲۷۔ یعنی وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

دوسری جگہ آیت ۷۸ میں ارشاد ہے: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ بڑی برکت والا ہے تیرے ربّ جلیل وکریم کا نام)

لافانی اور لازوال تو صرف اُس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ اب اگر تم میں سے کوئی شخص ہم چومن دیگرے نیست کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ محض اس کی کم ظرفی ہے۔ اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، یا چند بندے جو اس کے ہتھے چڑھیں، ان کا خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک مٹر کے دانے برابر بھی نہیں ہے، اُس کے ایک کونے میں دس بیس یا پچاس ساٹھ برس جو خدائی اور کبریائی چلے اور پھر قصۂ ماضی بن کر رہ جائے، وہ آخر کیا خدائی اور کیا کبریائی ہے جس پر کوئی پُھولے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج۵، الرحمن، ص۲۶۰، ۲۶۱، حاشیہ ۲۵

۹۶۔ اَلْقَابِضُ

گھٹانے والا۔ سمیٹنے والا

سورہ البقرہ آیت ۲۴۵ میں ارشادِ ربانی ہے: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔تم میں کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔

زمین اور آسمان پر اللہ تعالیٰ کے کامل اقتدار و تصرف کی تصویر کھینچنے کے لیے مٹھی میں ہونے اور ہاتھ پر لپٹے ہونے کا استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ جس طرح ایک آدمی کسی چھوٹی سی گیند کو مٹھی میں دبا لیتا ہے اور اس کے لیے یہ ایک معمولی کام ہے، یا ایک شخص ایک رومال کو لپیٹ کر ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کے لیے یہ کوئی زحمت طلب کام نہیں ہوتا، اُسی طرح قیامت کے روز تمام انسان (جو آج اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ زمین اور آسمان اللہ کے دستِ قدرت میں ایک حقیر گیند اور ایک ذرا سے رومال کی طرح ہیں۔ مُسند احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات منقول ہوئی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، دورانِ خطبہ میں یہ آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر۔ ۶۷) تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ آسمانوں اور زمینوں (یعنی سیاروں) کو اپنی مٹھی میں لے کر اس طرح پھرائے گا جیسے ایک بچہ گیند پھراتا ہے۔ اور فرمائے گا میں ہوں خدائے واحد، میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں کبریائی کا مالک، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں جبار؟ کہاں ہیں متکبر؟ یہ کہتے کہتے حضورؐ پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ ہمیں خطرہ

ہونے لگا کہ کہیں آپ منبر سمیت گر نہ پڑیں۔ [1]

❖

غفلت میں پڑے ہوئے مشرکین اگر دنیا میں جانوروں کی طرح نہ جیتے اور کچھ عقل و ہوش کی آنکھوں سے کام لیتے تو یہی سایہ جس کا تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو تمھیں یہ سبق دینے کے لیے کافی تھا کہ نبی جس توحید کی تعلیم تمھیں دے رہا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ تمھاری ساری زندگی اسی سائے کے مدوجزر سے وابستہ ہے۔ ابدی سایہ ہو جائے تو زمین پر کوئی جاندار مخلوق، بلکہ نباتات تک باقی نہ رہ سکے، کیونکہ سورج کی روشنی وحرارت ہی پر ان سب کی زندگی موقوف ہے۔ سایہ بالکل نہ رہے تب بھی زندگی محال ہے، کیونکہ ہر وقت سُورج کے سامنے رہنے اور اس کی شعاعوں سے کوئی پناہ نہ پا سکنے کی صورت میں نہ جاندار زیادہ دیر تک باقی رہ سکتے ہیں نہ نباتات، بلکہ پانی تک کی خیر نہیں۔ دھوپ اور سائے میں یک لخت تغیرات ہوتے رہیں تب بھی زمین کی مخلوقات ان جھٹکوں کو زیادہ دیر تک نہیں سہار سکتی۔ مگر ایک صانع حکیم اور قادرِ مطلق ہے جس نے زمین اور سُورج کے درمیان ایسی مناسبت قائم کر رکھی ہے جو دائماً ایک لگے بندھے طریقے سے آہستہ آہستہ سایہ ڈالتی اور بڑھاتی گھٹاتی ہے اور بتدریج دُھوپ نکالتی اور چڑھاتی اتارتی رہتی ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۸۲، حاشیہ ۷۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، ص ۴۵۴، ۴۵۵، حاشیہ ۵۹

کشادہ کرنے والا۔ پھیلانے والا

سورہ الرعد آیت ۲۶ میں ارشادِ ربانی ہے: اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا رزق دیتا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۰ میں ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔ تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

سورہ العنکبوت آیت ۶۲ میں ارشاد ہے: اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ۔ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

سورۂ روم آیت ۳۷ میں ارشاد ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ (جس کا چاہتا ہے)۔

سورہ سبا آیت ۳۶ میں ارشادِ ربانی ہے: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔ اے نبیؐ، ان سے کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا عطا کرتا ہے۔

اسی سورہ کی آیت ۳۹ میں ارشاد ہے: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ ۔ اے نبیؐ، ان سے کہو، میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا دیتا ہے۔

سورۂ الزمر میں ارشاد ہے آیت ۵۲: اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔ اور کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے

تنگ کر دیتا ہے؟

سورہ الشوریٰ آیت ۱۲ میں ارشاد ہے: يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔جسے چاہتا ہے کُھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نَپا تلا دیتا ہے، اُسے ہر چیز کا علم ہے۔

رزق کی کمی وبیشی اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ مشیت الٰہی کے تحت اچھے اور برے ہر طرح کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے۔ خدا کا اقرار کرنے والے بھی رزق پا رہے ہیں اور اس کا انکار کرنے والے بھی۔ نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی خدا کا پسندیدہ بندہ ہے، اور نہ اس کی تنگی اس امر کی علامت ہے کہ آدمی اس کا مغضوب ہے۔ مشیت کے تحت ایک ظالم اور بے ایمان آدمی پھلتا پھولتا ہے، حالانکہ ظلم اور بے ایمانی خدا کو پسند نہیں ہے۔ اور اس کے برعکس مشیت ہی کے تحت ایک سچا اور ایماندار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، حالانکہ یہ صفات خدا کو پسند ہیں۔ لہٰذا وہ شخص سخت گمراہ ہے جو مادی فوائد ومنافع کو خیر وشر کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔ اصل چیز خدا کی رضا ہے، اور وہ اُن اخلاقی اوصاف سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں۔ ان اوصاف کے ساتھ اگر کسی کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں تو یہ بلاشبہ خدا کا فضل ہے جس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر ایک شخص اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے خدا کا باغی ونافرمان بندہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سخت باز پُرس اور بدترین عذاب کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ [1]

❖

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان رزق کی بخشش میں کم وبیش کا جو فرق رکھا ہے انسان اس کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا تقسیمِ رزق کے فطری نظام میں انسان کو اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل انداز نہ ہونا چاہیے۔ فطری نامساوات کو مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا، یا اس نامساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، دونوں ہی یکساں غلط ہیں۔ ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے طریقِ تقسیم رزق سے قریب تر ہو۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۲۰۸، حاشیہ ۵۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۱۲، حاشیہ ۳۰

۹۸۔ اَلْخَافِضُ

گرانے والا

سب کچھ اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دینے والا۔ نیچے کی چیزوں کو اُوپر اور اُوپر کی چیزوں کو نیچے کر دینے والا۔ گرے ہوئے لوگوں کو اٹھانے والا اور اُٹھے ہوئے لوگوں کو گرانے والا۔ انسانوں کے درمیان عزت و ذلت کا فیصلہ کرنے والا۔ قیامت کے روز دنیا میں عزت والے بنے پھرنے والوں کو ذلیل کرنے اور ذلیل سمجھے جانے والوں کو عزت سے نوازنے والا۔ [1]

(لفظی تبدیلی کے ساتھ)

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الواقعہ، ص ۲۷۷، حاشیہ ۲

بلند کرنے والا۔ اُٹھانے والا

سورہ المجادلہ آیت ۱۱ میں ارشاد ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔

اللہ کے ہاں جھوٹے اور خبیث اور مفسدانہ اقوال کو کبھی عروج نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے ہاں تو صرف وہ قول عروج پاتا ہے جو سچا ہو، پاکیزہ ہو، حقیقت پر مبنی ہو، اور جس میں نیک نیتی کے ساتھ ایک صالح عقیدے اور ایک صحیح طرزِ فکر کی ترجمانی کی گئی ہو۔ پھر جو چیز ایک پاکیزہ کلمے کو عروج کی طرف لے جاتی ہے وہ قول کے مطابق عمل ہے۔ جہاں قول بڑا پاکیزہ ہو مگر عمل اس کے خلاف ہو وہاں قول کی پاکیزگی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ محض زبان کے پھاگ اڑانے سے کوئی کلمہ بلند نہیں ہوتا۔ اُسے عروج پر پہنچانے کے لیے عملِ صالح کا زور درکار ہوتا ہے [۱]

❖

بلند مرتبہ اللہ کے ہاں اُس کا ہے جس نے آپؐ کی صحبت سے ایمان اور علم کا سرمایہ حاصل کیا اور وہ اخلاق سیکھے جو ایک مومن میں ہونے چاہییں۔ [۲]

❖

سُورۂ الرحمن آیت ۷ میں ارشاد ہے: وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا۔ آسمان کو اس نے بلند کیا۔

سُورۂ الغاشیہ آیت ۱۸ میں ارشاد ہے: وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ۔ آسمانوں کو نہیں دیکھتے

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۴، حاشیہ ۲۱

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، ص ۳۶۲، حاشیہ ۲۸

کہ کیسے اٹھایا گیا؟

سورۂ یوسف آیت ۷۶ میں ارشاد ہے: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر بلندیٔ درجہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اگر وہ کبھی بشری کمزوری کی بنا پر خود کسی لغزش میں مبتلا ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کو بچانے کا انتظام فرما دے۔ ایسا بلند مرتبہ صرف انھی لوگوں کو ملا کرتا ہے جو اپنی سعی و عمل سے بڑی بڑی آزمائشوں میں اپنا محسن ہونا ثابت کر چکے ہوتے ہیں۔ [1]

❖

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سورہ الانعام آیت ۸۳ میں ارشاد ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔ یہ تھی ہماری وہ حُجّت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا کی۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔

سورہ الرعد آیت ۲ میں ارشاد ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔

آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حدوحساب اجرامِ فلکی کو تھامے ہوئے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے ہوئے ہے اور ان عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔ [2]

❖

(انبیائے کرام کے درجات اور مراتب کے بارے میں سُورہ البقرہ آیت ۲۵۳ میں ارشاد ہے)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔...... یہ رسُول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، یوسف، ص ۴۲۱، حاشیہ ۶۰

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، ص ۴۴۲، حاشیہ ۲

دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہمکلام ہوا، کسی کو اُس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے۔

سُورۂ الزخرف آیت ۳۲ میں ارشاد ہے: وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا۔ اوران میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تا کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔

انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزّت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرانہیں سکتا۔ اور جس پر ہماری طرف سے اِدبار آ جاتا ہے اُسے گرنے سے کوئی بچانہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔[1]

❖

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آلِ عمران آیت ۵۵ میں ارشاد ہے: وَرَافِعُكَ إِلَيَّ اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔ اور نساء آیت ۱۵۸ میں ہے: بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيۡهِ۔ اور یہ کہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔

اس میں جزم اور صراحت کے ساتھ جو چیز بتائی گئی ہے وہ صرف یہ کہ حضرت مسیح کو قتل کرنے میں یہودی کامیاب نہیں ہوئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔[2]

❖

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ۔ (الم نشرح آیت ۴) اور تمھاری خاطر تمھارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔

یہ بات اُس زمانے میں فرمائی گئی تھی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس فردِ فرید کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہیں اور وہ بھی صرف شہر مکہ تک محدود ہیں اُس کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہوگا اور

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الزخرف، ص ۵۳۷، حاشیہ ۳۱

[2] تفہیم القرآن، ج اول، النساء، ص ۴۲۰، حاشیہ ۱۹۵

کیسی ناموری اس کو حاصل ہوگی۔ لیکن اللہ نے ان حالات میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوش خبری سنائی اور پھر عجیب طریقے سے اس کو پورا کیا۔ سب سے پہلے آپ کے رفعِ ذکر کا کام اُس نے خود آپؐ کے دشمنوں سے لیا۔ کفارِ مکہ نے آپؐ کو زک دینے کے لیے جو طریقے اختیار کیے اُن میں سے ایک یہ تھا کہ حج کے موقع پر جب تمام عرب سے لوگ کھچ کھچ کر اُن کے شہر میں آتے تھے، اُس زمانے میں کفار کے وفود حاجیوں کے ایک ایک ڈیرے پر جاتے اور لوگوں کو خبردار کرتے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی ہے جو لوگوں پر ایسا جادو کرتا ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر اور بیوی میں جدائی پڑ جاتی ہے، اس لیے ذرا اُس سے بچ کر رہنا۔ یہی باتیں وہ ان سب لوگوں سے بھی کہتے تھے جو حج کے سوا دوسرے دنوں میں زیارت یا کسی کاروبار کے سلسلے میں مکہ آتے تھے۔ اس طرح اگرچہ وہ حضور کو بدنام کر رہے تھے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشے گوشے میں آپ کا نام پہنچ گیا اور مکہ کے گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپؐ کو تمام ملک کے قبائل سے متعارف کرا دیا۔ اس کے بعد یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ یہ معلوم کریں کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیسا آدمی ہے؟ اُس کے ''جادُو'' سے متاثر ہونے والے کون لوگ ہیں اور ان پر اس کے ''جادُو'' کا آخر کیا اثر پڑا ہے؟ کفارِ مکہ کا پروپیگنڈا جتنا جتنا بڑھتا چلا گیا لوگوں میں یہ جستجو بھی بڑھتی چلی گئی۔ پھر جب اس جستجو کے نتیجے میں لوگوں کو آپؐ کے اخلاق اور آپ کی سیرت و کردار کا حال معلوم ہوا، جب لوگوں نے قرآن سنا اور انھیں پتہ چلا کہ وہ تعلیمات کیا ہیں جو آپؐ پیش فرما رہے ہیں، اور جب دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو جادُو کہا جا رہا ہے اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگیاں عرب کے عام لوگوں کی زندگیوں سے کس قدر مختلف ہوگئی ہیں تو وہی بدنامی نیک نامی سے بدلنی شروع ہوگئی، حتیٰ کہ ہجرت کا زمانہ آنے تک نوبت یہ پہنچ گئی کہ دُور و نزدیک کے عرب قبائل میں شاید ہی کوئی قبیلہ ایسا رہ گیا ہو جس میں کسی نہ کسی شخص یا کنبے نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو، اور جس میں کچھ نہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی دعوت سے ہمدردی و دلچسپی رکھنے والے پیدا نہ ہوگئے ہوں۔ یہ حضورؐ کے رفعِ ذکر کا پہلا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد ہجرت سے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا جس میں ایک طرف منافقین، یہود، اور تمام عرب کے اکابر مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے میں سرگرم تھے، اور دوسری طرف مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست خدا پرستی و خدا ترسی، زہد و تقویٰ، طہارتِ اخلاق، حسنِ معاشرت، عدل و انصاف، انسانی

مساوات، مالداروں کی فیاضی، غریبوں کی خبر گیری، عہد و پیمان کی پاسداری اور معاملات میں راستبازی کا وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا چلا جا رہا تھا۔ دشمنوں نے جنگ کے ذریعے سے حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانے کی کوشش کی، مگر آپ کی قیادت میں اہلِ ایمان کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اس نے اپنے نظم و ضبط، اپنی شجاعت، اپنی موت سے بے خوفی، اور حالتِ جنگ تک میں اخلاقی حدود کی پابندی سے اپنی برتری اس طرح ثابت کر دی کہ سارے عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔ ۱۰ سال کے اندر حضورؐ کا رفعِ ذکر اس طرح ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا دیا تھا، اُس کا گوشہ گوشہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی صدا سے گونج اُٹھا۔ پھر تیسرے مرحلے کا افتتاح خلافتِ راشدہ کے دَور سے ہوا جب آپؐ کا نامِ مبارک تمام روئے زمین میں بلند ہونا شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ آج تک بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی موجود ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اذان میں بآواز بلند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو، نمازوں میں حضورؐ پر دُرود نہ بھیجا جا رہا ہو، جمعہ کے خطبوں میں آپؐ کا ذکرِ خیر نہ کیا جا رہا ہو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی دن اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب روئے زمین میں کسی نہ کسی جگہ حضورؐ کا ذکرِ مبارک نہ ہو رہا ہو۔ یہ قرآن کی صداقت کا ایک کُھلا ہوا ثبوت ہے کہ جس وقت نبوت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اُس وقت کوئی شخص یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ یہ رفعِ ذکر اس شان سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہو گا۔ حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا میرا رب اور آپؐ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمھارا رفعِ ذکر کیا؟ میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمھارا بھی ذکر کیا جائے گا (ابنِ جریر، ابنِ ابی حاتم، مُسند ابویعلیٰ، ابن المُنذر، ابنِ حبان، ابنِ مردویہ، ابونعیم)۔ بعد کی پُوری تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حرف بحرف پُوری ہوئی۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الم نشرح، ص ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، حاشیہ ۳

عزّت دینے والا

سورۂ آلِ عمران آیت ۲۶ میں ارشاد ہے: وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ۔ جسے چاہے عزت بخشے۔

سورۂ نساء آیت ۱۳۹ میں ارشاد ہے: اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں اُن کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔

عزت کا مفہوم عربی زبان میں اُردو کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے۔ اُردو میں عزت محض احترام اور قدر و منزلت کے معنی میں آتا ہے۔ مگر عربی میں عزت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی بلند اور محفوظ حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دوسرے الفاظ میں لفظ عزت ''ناقابلِ ہتک حُرمت'' کا ہم معنی ہے۔ [1]

❖

عزت اللہ کے لیے بالذات مخصوص ہے۔ اور رسول کے لیے بر بنائے رسالت، اور مومنین کے لیے بر بنائے ایمان۔ اور رہے کفار و فساق و منافقین، تو حقیقی عزت میں سرے سے ان کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔ [2]

❖

سورۂ فاطر آیت ۱۰ میں ارشاد ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا۔ جو کوئی عزت چاہتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، النساء، ص ۴۰۸، حاشیہ ۱۶۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، المنافقون، ص ۵۲۱، حاشیہ ۱۶

حقیقی عزت اور پائیدار عزت جو دنیا سے لے کر عقبیٰ تک کبھی ذلت آشنا نہیں ہو سکتی، صرف خدا کی بندگی میں ہی میسر آ سکتی ہے۔ اس کے ہو جاؤ گے تو وہ تمھیں مل جائے گی اور اس سے منہ موڑو گے تو ذلیل وخوار ہو کر رہو گے۔ [1]

جب اللہ ہی کسی کو پیروئ حق کی عزت نہ دے تو پھر کون ہے جو اس کو عزت سے سرفراز کردے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۴، حاشیہ ۲۰

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۱۳، حاشیہ ۳۴

۱۰۱۔ اَلْمُذِلُّ

ذلیل کرنے والا

سورۂ آلِ عمران آیت ۲۶ میں ارشاد ہے: وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔ اور جس کو چاہے ذلیل کردے۔

جو شخص کھلے کھلے اور روشن حقائق کو آنکھیں کھول کر نہ دیکھے، اور سمجھانے والے کی بات بھی سن کر نہ دے تو وہ خود ہی ذلّت و خواری کو اپنے اُوپر دعوت دیتا ہے، اور اللہ وہی چیز اس کے نصیب میں لکھ دیتا ہے جو اُس نے خود مانگی ہے۔ [۱]

❖

جو شخص تاریخ کو محض واقعات کا مجموعہ ہی نہ سمجھتا ہو بلکہ ان واقعات کی منطق پر بھی غور کرتا ہو اور ان سے نتائج بھی اخذ کرنے کا عادی ہو، وہ آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہزارہا برس کی انسانی تاریخ میں قوموں اور جماعتوں کا اُٹھنا اور گرنا جس تسلسل اور باضابطگی کے ساتھ رُونما ہوتا رہا ہے، اور پھر اس گرنے اور اٹھنے میں جس طرح صریحاً کچھ اخلاقی اسباب کارفرما رہے ہیں، اور گرنے والی قومیں جیسی جیسی عبرت انگیز صورتوں سے گری ہیں، یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف کُھلا اشارہ ہے کہ انسان اس کائنات میں ایک ایسی حکومت کا محکوم ہے جو محض اندھے طبیعیاتی قوانین پر فرمانروائی نہیں کر رہی ہے، بلکہ اپنا ایک معقول اخلاقی قانون رکھتی ہے جس کے مطابق وہ اخلاق کی ایک خاص حد سے اوپر رہنے والوں کو جزا دیتی ہے، اس سے نیچے اترنے والوں کو کچھ مدت تک ڈھیل دیتی رہتی ہے، اور جب وہ اس سے بہت زیادہ نیچے چلے جاتے ہیں تو پھر انھیں گرا کر ایسا پھینکتی ہے کہ وہ ایک داستانِ عبرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۱۲، حاشیہ ۳۴

[۲] تفہیم القرآن، ج ۲، ہود، ص ۳۶۷، حاشیہ ۱۰۵

سراپا عدل

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل:۹۰)

اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

بے لاگ انصاف کرنے والا۔ اپنی ساری مخلوق پر بلا امتیاز سراسر عدل و انصاف کرنے والا۔ سب کے لیے یکساں۔ اس کے ہاں اپنے اور غیر، بڑے اور چھوٹے، غریب اور امیر، شریف اور کمین کے لیے الگ الگ حقوق نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ ہے وہ سب کے لیے حق ہے۔ دنیا میں عدل قائم کرتا ہے۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرتا ہے۔ ان میں بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں کو ختم کرتا ہے۔

عدل جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکّب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اُردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ ''انصاف'' سے ادا کیا جاتا ہے، مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو۔ اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیمِ حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افرادِ معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے، مثلاً حقوقِ شہریت میں۔ مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلافِ عدل ہے، مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات، اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ اللہ نے حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن اور تناسب رکھا ہے۔ اُس نے اخلاقی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق میں نہایت متناسب توازن قائم کیا ہے۔ اجتماعی زندگی میں عدل معاشرے

کی اساس ہے۔ عدل معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے۔ باہمی محبت، شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار و خیر خواہی کی قدریں جنم دیتا ہے۔ [1]

❖

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اس پورے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے۔ یہ بے حد و حساب تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں، یہ عظیم الشان قوتیں جو اِس عالم میں کام کر رہی ہیں، اور یہ لاتعداد مخلوقات اور اشیا، جو اس جہاں میں پائی جاتی ہیں، ان سب کے درمیان اگر کمال درجے کا عدل و توازن نہ قائم کیا گیا ہوتا تو یہ کارگاہِ ہستی ایک لمحے کے لیے بھی نہ چل سکتی تھی۔ خود اس زمین پر کروڑوں برس سے ہوا اور پانی اور خشکی میں جو مخلوقات موجود ہیں اُنھی کو دیکھ لیجیے، اُن کی زندگی اسی لیے تو برقرار ہے کہ ان کے اسبابِ حیات میں پُورا پُورا عدل اور توازن پایا جاتا ہے، ورنہ ان اسباب میں ذرّہ برابر بھی بے اعتدالی پیدا ہو جائے تو یہاں زندگی کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ [2]

چونکہ تم ایک متوازن کائنات میں رہتے ہو جس کا سارا نظام عدل پر قائم کیا گیا ہے، اس لیے تمھیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہیے۔ جس دائرے میں تمھیں اختیار دیا گیا ہے اُس میں اگر تم بے انصافی کرو گے، اور جن حق داروں کے حقوق تمھارے ہاتھ میں دیے گئے ہیں اگر تم ان کے حق مارو گے تو یہ فطرتِ کائنات سے تمھاری بغاوت ہوگی۔ اس کائنات کی فطرت ظلم و بے انصافی اور حق ماری کو قبول نہیں کرتی۔ یہاں ایک بڑا ظلم تو درکنار، ترازو میں ڈنڈی مار کر اگر کوئی شخص خریدار کے حصے کی ایک تولہ بھر چیز بھی مار لیتا ہے تو میزانِ عالم میں خلل برپا کر دیتا ہے۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۶۵، حاشیہ ۸۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمن، ص ۲۵۱، حاشیہ ۷

[3] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمن، ص ۲۵۱، حاشیہ ۷

۱۰۳۔ اَلْکَبِیْرُ

بزرگ

سُورہ الحج آیت ۶۲ میں ہے: وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَالْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَالْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں اور اللہ ہی بالا دست اور بزرگ ہیں۔

سُورہ لقمان آیت ۳۰ میں ہے: وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَالْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ اور اسے چھوڑ کر جن دوسری چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور (اس وجہ سے کہ) اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔

سُورۂ غافر آیت ۱۲ میں ہے: وَاِنْ یُّشْرَكْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ۔ اور جب اس کے ساتھ دوسروں کو ملایا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔ اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے ہاتھ ہے۔

ہر چیز سے بالا و برتر جس کے سامنے سب پست ہیں اور ہر چیز سے بزرگ جس کے سامنے سب چھوٹے ہیں۔[1]

سورۂ سبا آیت ۲۳ میں ہے: قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّکُمْ ۚ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَھُوَالْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ وہ پوچھیں گے کہ تمھارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔

یہاں اس وقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جب قیامت کے روز کوئی سفارش کرنے والا کسی کے حق میں سفارش کی اجازت طلب کرے گا۔ اس نقشے میں یہ کیفیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ طلبِ اجازت کی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۴، حاشیہ ۵۴

درخواست بھیجنے کے بعد شافع اور مشفوع دونوں نہایت بے چینی کے عالم میں ڈرتے اور کانپتے ہوئے جواب کے منتظر کھڑے ہیں۔ آخر کار جب اُوپر سے اجازت آجاتی ہے اور شافع کے چہرے سے مشفوع بھانپ جاتا ہے کہ معاملہ کچھ اطمینان بخش ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے اور وہ آگے بڑھ کر شافع سے پوچھتا ہے: کیا جواب آیا؟ شافع جواب دیتا ہے کہ ٹھیک ہے، اجازت مل گئی ہے۔ اس بیان سے جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نادانو! جس بڑے دربار کی شان یہ ہے اُس کے متعلق تم کس خیال خام میں پڑے ہوئے ہو کہ وہاں کوئی اپنے زور سے تم کو بخشوا لے گا یا کسی کی یہ مجال ہوگی کہ وہاں مچل کر بیٹھ جائے اور اللہ سے کہے کہ یہ تو میرے متوسّل ہیں، انھیں تو بخشنا ہی پڑے گا۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، ص ۲۰۰، حاشیہ ۴۱

فریادرسی کرنے والا

جب انسان پر کوئی بڑی آفت آجاتی ہے، یا موت اپنی بھیانک صورت کے ساتھ سامنے آ کھڑی ہوتی ہے، اُس وقت ایک خدا کے دامن کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ اِسے نظر نہیں آتی۔ بڑے بڑے مُشرک ایسے موقع پر اپنے معبودوں کو بھول کر خدائے واحد کو پکارنے لگتے ہیں۔ کٹے سے کٹا دہریہ تک خدا کے آگے دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ [1]

یہ بات صرف مشرکینِ عرب ہی تک محدود نہیں ہے۔ دنیا بھر کے مشرکین کا بالعموم یہی حال ہے۔ حتیٰ کہ رُوس کے منکرینِ خدا جنھوں نے خدا پرستی کے خلاف ایک باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے، اُن پر بھی جب گزشتہ جنگِ عظیم میں جرمن فوجوں کا نرغہ سخت ہو گیا تو انھیں خدا کو پکارنے کی ضرورت محسوس ہو گئی تھی۔ [2]

(ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ) جب مکہ معظمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر فتح ہو گیا تو عِکرمہ جدّہ کی طرف بھاگے اور ایک کشتی پر سوار ہو کر حبش کی راہ لی۔ راستے میں سخت طوفان آیا اور کشتی خطرے میں پڑ گئی۔ اوّل اوّل تو دیویوں اور دیوتاؤں کو پکارا جاتا رہا۔ مگر جب طوفان کی شدت بڑھی اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی تو سب کہنے لگے کہ یہ وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارنے کا نہیں ہے، وہی چاہے تو ہم بچ سکتے ہیں۔ اس وقت عِکرمہ کی آنکھیں کھلیں اور

---

[1] **تفہیم القرآن**، ج اول، الانعام، ص ۵۳۹، حاشیہ ۲۹

[2] **تفہیم القرآن**، ج ۳، النمل، ص ۵۹۲، حاشیہ ۷۶

ان کے دل نے آواز دی کہ اگر یہاں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں تو کہیں اور کیوں ہو۔ یہی تو وہ بات ہے جو اللہ کا وہ نیک بندہ ہمیں بیس برس سے سمجھا رہا ہے اور ہم خواہ مخواہ اس سے لڑ رہے ہیں۔ یہ عکرمہ کی زندگی میں فیصلہ کُن لمحہ تھا۔ انھوں نے اسی وقت خدا سے عہد کیا کہ اگر میں اس طوفان سے بچ گیا تو سیدھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس عہد کو پُورا کیا اور بعد میں آ کر نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ اپنی بقیہ عُمر اسلام کے لیے جہاد کرتے گزار دی۔ [1]

❖

جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے سررشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اُس وقت تم بے اختیار اُسی کی طرف رجوع کرتے ہو۔ لیکن تمام اختیارات کا مالک اور بھلائی اور بُرائی کا مختارِ کل اور قسمتوں کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تسلیم کرنے کے باوجود خدائی میں بلا دلیل و حجت اور بلا ثبوت دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو۔ پلتے ہو اس کے رزق پر اور اَن داتا بناتے ہو دوسروں کو، مدد پاتے ہو اس کے فضل و کرم سے اور حامی و ناصر ٹھیراتے ہو دوسروں کو۔ غلام ہو اس کے اور بندگی بجالاتے ہو دوسروں کی۔ مشکل کشائی کرتا ہے وہ، بُرے وقت پر گڑگڑاتے ہو اس کے سامنے، اور جب وہ وقت گزر جاتا ہے تو تمھارے مشکل کشا بن جاتے ہیں دوسرے، اور نذریں اور نیازیں چڑھنے لگتی ہیں دوسروں کے نام کی۔ [2]

❖

تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پُوجا گیا، اور وہ تمام جنّ، اَرواح، اسلاف، اجداد، انبیا، اولیا، شہدا وغیرہ جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھہرا کر وہ حقوق انھیں ادا کیے گئے جو دراصل خدا کے حقوق تھے، وہاں اپنے پرستاروں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو۔ تمھاری کوئی دعا، کوئی التجا، کوئی پکار اور فریاد، کوئی نذر و نیاز، کوئی چڑھاوے کی

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، الانعام، ص ۵۳۹، ۵۴۰، حاشیہ ۲۹

[2] تفہیم القرآن، ج اول، الانعام، ص ۵۴۷، ۵۴۸، حاشیہ ۴۱

چیز، کوئی تعریف و مدح اور ہمارے نام کی جاپ اور کوئی سجدہ ریزی و آستانہ بوسی و درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی [1]۔

اللہ کے نیک بندے جب مصائب و شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے رب سے شکوہ سنج نہیں ہوتے بلکہ صبر کے ساتھ اس کی ڈالی ہوئی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ اگر کچھ مدت تک خدا سے دعا مانگتے رہنے پر بلا نہ ٹلے تو پھر اس سے مایوس ہو کر دوسروں کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا شروع کر دیں بلکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا ہے اللہ ہی کے ہاں سے ملنا ہے، اس لیے مصیبتوں کا سلسلہ چاہے کتنا ہی دراز ہو وہ اُسی کی رحمت کے امیدوار بنے رہتے ہیں۔ اسی لیے وہ اُن الطاف و عنایات سے سرفراز ہوتے ہیں جن کی مثال حضرت ایوبؑ کی زندگی میں ملتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ کبھی مضطرب ہو کر کسی اخلاقی مخمصے میں پھنس بھی جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بُرائی سے بچانے کے لیے ایک راہ نکال دیتا ہے جس طرح اُس نے حضرت ایوبؑ کے لیے نکال دی۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۸۱، حاشیہ ۳۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، ص، ص ۳۴۲، حاشیہ ۴۷

۱۰۵۔ اَلْمُؤَخِّرُ

مُہلت دینے والا۔ ٹالنے والا

سُورۂ ابراہیم آیت ۱۰ میں ارشادِ باری ہے: يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۔وہ تمھیں بلا رہا ہے تا کہ تمھارے قصور معاف کرے اور تم کو ایک مدتِ مقررہ تک مہلت دے۔

سُورۂ ابراہیم آیت ۴۲ میں ہے: إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۔ اللہ تو انھیں ٹال رہا ہے اُس دن کے لیے جب حال یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں۔

سُورۂ نوحؑ آیت ۴ میں ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ اللہ تمھارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمھیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا۔

سُورہ النحل آیت ۶۱ میں ہے: مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۔اور روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ سب کو ایک وقتِ مقرر تک مہلت دیتا ہے۔

سُورہ فاطر ۴۵ میں ہے: مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ زمین پر کسی متنفس کو جیتا نہ چھوڑتا، مگر وہ انھیں ایک مقرر وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔

سُورہ ابراہیم آیت ۴۴ میں ہے: رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۔اے ہمارے رب، ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے، ہم تیری دعوت کو لبیک کہیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔

مدتِ مقرر سے مراد افراد کی موت کا وقت بھی ہوسکتا ہے اور قیامت بھی۔ جہاں تک قوموں کا تعلق

ہے ان کے اُٹھنے اور گرنے کے لیے اللہ کے ہاں مدت کا تعین ان کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کرلے تو اس کی مہلتِ عمل گھٹا دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے بُرے اوصاف کو اچھے اوصاف سے بدل لے تو اس کی مہلتِ عمل بڑھا دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ قیامت تک بھی دراز ہو سکتی ہے۔ [۱]

❖

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے) کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم ہر قوم کے لیے پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ اس کو سننے، سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے اتنی مہلت دی جائے گی، اور اس حد تک اُس کی شرارتوں اور خباثتوں کے باوجود پورے تحمل کے ساتھ اسے اپنی من مانی کرنے کا موقع دیا جاتا رہے گا۔ یہ مہلت جب تک باقی رہتی ہے، اور ہماری مقرر کی ہوئی حد جس وقت تک آ نہیں جاتی، ہم ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ [۲]

❖

اللہ تعالیٰ جلد باز نہیں ہے۔ اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جس وقت رسول کی دعوت کسی شخص یا گروہ کو پہنچی اُسی وقت جو ایمان لے آیا بس وہ تو رحمت کا مستحق قرار پایا اور جس کسی نے اس کو ماننے سے انکار کیا یا ماننے میں تامل کیا اُس پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔ نہیں، اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد وہ ہر فرد کو اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق اور ہر گروہ اور قوم کو اس کی اجتماعی حیثیت کے مطابق سوچنے، سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی وقت دیتا ہے۔ یہ مہلت کا زمانہ بسا اوقات صدیوں تک دراز ہوتا ہے اور اس بات کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی مہلت ملنی چاہیے۔ پھر جب وہ مہلت، جو سراسر انصاف کے ساتھ اس کے لیے رکھی گئی تھی، پوری ہو جاتی ہے اور وہ شخص یا گروہ اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتا، تب اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے اور نہ وقت آ جانے کے بعد ایک لمحے کے لیے ٹل سکتا ہے۔ [۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، ص ۴۷۶، حاشیہ ۱۸

[۲] تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، ۴۹۷، حاشیہ ۲

[۳] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۹۰، ۲۹۱، حاشیہ ۵۸

۱۰۶۔ اَلْمُقَدِّمُ

پہلے ہی خبردار کرنے والا

سُورۂ قٓ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ۔ ارشاد ہُوا، میرے حضور جھگڑا نہ کرو، میں تم کو پہلے ہی انجام بد سے خبردار کر چکا تھا۔

(گمراہ) شخص اور اس کا شیطان، دونوں خدا کی عدالت میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ حضور، یہ ظالم میرے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اسی نے آخر کار مجھے گمراہ کر کے چھوڑا، اس لیے سزا اس کو ملنی چاہیے۔ اور شیطان جواب میں کہتا ہے کہ سرکار، میرا اس پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ یہ سرکش نہ بننا چاہتا ہو اور میں نے زبردستی اس کو سرکش بنا دیا ہو۔ یہ کم بخت تو خود نیکی سے نفور اور بدی پر فریفتہ تھا۔ اسی لیے انبیا کی کوئی بات اسے پسند نہ آئی اور میری ترغیبات پر یہ پھسلتا چلا گیا۔ [۱]

❖

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) کہ تم دونوں کو میں نے متنبہ کر دیا تھا کہ تم میں سے جو بہکائے گا وہ کیا سزا پائے گا اور جو بہکے گا اُسے کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میری اس تنبیہ کے باوجود جب تم دونوں اپنے اپنے حصے کا جرم کرنے سے باز نہ آئے تو اب جھگڑنے سے حاصل کیا ہے۔ بہکنے والے کو بہکنے کی اور بہکانے والے کو بہکانے کی سزا تو اب لازماً ملنی ہی ہے۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، ص ۱۲۰، حاشیہ ۳۴

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، ص ۱۲۰، حاشیہ ۳۵

۱۰۷۔ اَلْمُبْدِئُ

ابتداً وجود بخشنے والا

سُورۂ یُونس آیت ۴ میں ارشاد ہے: اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ۔ بے شک پیدائش کی ابتداء وہی کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ سُورہ البروج آیت ۱۳ میں ہے: اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ۔ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

نُوعِ انسانی کو ابتداً وجود بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر ہر انسان کو وجود عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ عورت کے رحم میں نطفے کو ٹھیرانا، پھر اس خفیف سے حمل کو پرورش کر کے ایک زندہ بچے کی صورت دینا، پھر اس بچے کے اندر طرح طرح کی قوتیں اور قابلیتیں ودیعت کرنا اور اس کو صحیح و سالم انسان بنا کر پیدا کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ [1]

❖

جب تمھاری ابتدا کا سرا بھی اللہ کے ہاتھ میں اور انتہا کا سرا بھی اسی کے ہاتھ میں، تو خود اپنے خیر خواہ بن کر سوچو کہ آخر تمھیں یہ کیا باور کرایا جا رہا ہے کہ ان دونوں سروں کے بیچ میں اللہ کے سوا کسی اور کو تمھاری بندگیوں اور نیاز مندیوں کا حق پہنچ گیا ہے۔ یہ ابتدائے خلق اور اعادۂ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔ [2]

❖

سورۂ النمل آیت ۶۴ میں ارشاد ہے: اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ۔ اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الاعراف، ص ۱۰۷، حاشیہ ۱۴۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۸۳، حاشیہ ۴۲

یہ سادہ سی بات جس کو ایک جملے میں بیان کر دیا گیا ہے اپنے اندر ایسی تفصیلات رکھتی ہے کہ آدمی ان کی گہرائی میں جتنی دور تک اترتا جاتا ہے اتنے ہی وجودِ الٰہ اور وحدتِ الٰہ کے شواہد اُسے ملتے جاتے ہیں۔ پہلے تو بجائے خود تخلیق ہی کو دیکھیے۔ انسان کا علم آج تک یہ راز نہیں پا سکا ہے کہ زندگی کیسے اور کہاں سے آتی ہے۔ اس وقت تک مسلّم سائنٹفک حقیقت یہی ہے کہ بے جان مادّے کی محض ترکیب سے خود بخود جان پیدا نہیں ہو سکتی۔ حیات کی پیدائش کے لیے جتنے عوامل درکار ہیں ان سب کا ٹھیک تناسب کے ساتھ بالکل اتفاقاً جمع ہو کر زندگی کا آپ سے آپ وجود میں آنا دہریوں کا ایک غیر علمی مفروضہ تو ضرور ہے، لیکن اگر ریاضی کے قانون بخت و اتفاق (Law of Chance) کو اس پر منطبق کیا جائے تو اس کے وقوع کا امکان صفر سے زیادہ نہیں نکلتا۔ اب تک تجربی طریقے پر سائنس کے معملوں (Laboratories) میں بے جان مادے سے جاندار مادہ پیدا کرنے کی جتنی کوششیں بھی کی گئی ہیں، تمام ممکن تدابیر استعمال کرنے کے باوجود وہ سب قطعی ناکام ہو چکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز پیدا کی جا سکی ہے وہ صرف وہ مادہ ہے جسے اصطلاح میں D.N.A کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مادہ ہے جو زندہ خلیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ جوہرِ حیات تو ضرور ہے مگر خود جاندار نہیں ہے۔ زندگی اب بھی بجائے خود ایک معجزہ ہی ہے جس کی کوئی علمی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکی ہے کہ یہ ایک خالق کے امر و ارادے اور منصوبے کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد آگے دیکھیے۔ زندگی محض ایک مجرد صورت میں نہیں بلکہ بے شمار متنوع صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت تک روئے زمین پر حیوانات کی تقریباً ۱۰ لاکھ اور نباتات کی تقریباً دو لاکھ انواع کا پتہ چلا ہے۔ یہ لکھوکھا انواع اپنی ساخت اور نوعی خصوصیات میں ایک دوسرے سے ایسا واضح اور قطعی امتیاز رکھتی ہیں، اور قدیم ترین معلوم زمانے سے اپنی اپنی صورتِ نوعیہ کو اس طرح مسلسل برقرار رکھتی چلی آ رہی ہیں کہ ایک خدا کے تخلیقی منصوبے (Design) کے سوا زندگی کے اس عظیم تنوّع کی کوئی اور معقول توجیہ کر دینا کسی ڈارون کے بس کی بات نہیں ہے۔ آج تک کہیں بھی دو نوعوں کے درمیان کی کوئی ایک کڑی بھی نہیں مل سکی ہے جو ایک کی ساخت اور خصوصیات کا ڈھانچہ توڑ کر نکل آئی ہو اور ابھی دوسری نوع کی ساخت اور خصوصیات تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔ متحجرات (Fossils) کا پورا

ریکارڈ اس کی نظیر سے خالی ہے اور موجودہ حیوانات میں بھی یہ خنثیٰ امشکل کہیں نہیں ملا ہے۔ آج تک کسی نوع کا جو فرد بھی ملا ہے، اپنی پوری صورتِ نوعیہ کے ساتھ ہی ملا ہے، اور ہر وہ افسانہ جو کسی مفقود کڑی کے بہم پہنچ جانے کا وقتاً فوقتاً سنا دیا جاتا ہے، تھوڑی مدت بعد حقائق اس کی ساری پھونک نکال دیتے ہیں۔ اس وقت تک یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل اٹل ہے کہ ایک صانع حکیم، ایک خالق الباری المصوّر ہی نے زندگی کو یہ لاکھوں متنوع صورتیں عطا کی ہیں۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۹۳، ۵۹۴، حاشیہ ۸۰

۱۰۸۔ اَلْمُعِيْدُ

دوبارہ زندگی بخشنے والا، دوبارہ پیدا کرنے والا

سُورۂ یونس آیت ۴ میں ارشاد ہے: اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۔ بے شک پیدائش کی ابتدا وہی کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

یہ فقرہ دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ خدا دوبارہ انسان کو پیدا کرے گا۔ اور اس پر دلیل یہ دی گئی ہے کہ اسی نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا۔ جو شخص یہ تسلیم کرتا ہو کہ خدا نے خلق کی ابتدا کی ہے (اور اس سے بجز ان دہریوں کے جو پادریوں کے مذہب سے بھاگنے کے لیے خلقِ بے خالق جیسے احمقانہ نظریے کو اوڑھنے پر آمادہ ہو گئے اور کون انکار کرسکتا ہے) وہ اس بات کو ناممکن یا بعید از فہم قرار نہیں دے سکتا کہ وہی خدا اس خلق کا پھر اعادہ کرے گا۔[۱]

اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ اعادۂ خلق، عقل و انصاف کی رُو سے ضروری ہے اور یہ [بات] ضرورتِ تخلیقِ ثانیہ کے سوا کسی دوسرے طریقے سے پُوری نہیں ہوسکتی۔ خدا کو اپنا واحد رب مان کر جو لوگ صحیح بندگی کا رویہ اختیار کریں وہ اس کے مستحق ہیں کہ انھیں اپنے اس بجا طرزِ عمل کی پوری پوری جزا ملے۔ اور جو لوگ حقیقت سے انکار کرکے اس کے خلاف زندگی بسر کریں وہ بھی اس کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے اس بے جا طرزِ عمل کا بُرا نتیجہ دیکھیں۔ یہ ضرورت اگر موجودہ دنیوی زندگی میں پُوری نہیں ہو رہی ہے (اور ہر شخص جو ہٹ دھرم نہیں ہے جانتا ہے کہ نہیں ہو رہی ہے) تو اسے پُورا کرنے کے لیے یقیناً دوبارہ زندگی ناگزیر ہے۔[۲]

❖

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۶۳، حاشیہ ۹

[۲] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۶۴، حاشیہ ۱۰

کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جو کام ہر طرف نظر آ رہے ہیں جن کے بڑے بڑے نشانات سورج اور چاند اور لیل و نہار کی گردش کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں، ان سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس عظیم الشان کارگاہِ ہستی کا خالق کوئی بچہ نہیں ہے جس نے محض کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ بنایا ہو اور پھر دل بھر لینے کے بعد یونہی اس گھروندے کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ صریح طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس کے ہر کام میں نظم ہے، حکمت ہے، مصلحتیں ہیں، اور ذرّے ذرّے کی پیدایش میں ایک گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔ پس جب وہ حکیم ہے اور اس کی حکمت کے آثار و علائم تمھارے سامنے علانیہ موجود ہیں، تو اس سے یہ توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے کہ وہ انسان کو عقل اور اخلاقی حِس اور آزادانہ ذمہ داری اور تصرف کے اختیارات بخشنے کے بعد اس کے کارنامۂ زندگی کا حساب کبھی نہ لے گا اور عقلی اور اخلاقی ذمہ داری کی بنا پر جزا و سزا کا جو استحقاق لازماً پیدا ہوتا ہے اسے یونہی مہمل چھوڑ دے گا۔

(نتیجہ یہ نکلا) کہ دوسری زندگی ممکن ہے کیونکہ پہلی زندگی کا امکان واقعہ کی صورت میں موجود ہے۔

اور یہ کہ دوسری زندگی کی ضرورت ہے، کیونکہ موجودہ زندگی میں انسان اپنی اخلاقی ذمہ داری کو صحیح یا غلط طور پر جس طرح ادا کرتا ہے اور اس سے سزا اور جزا کا جو استحقاق پیدا ہوتا ہے اس کی بنا پر عقل اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک اور زندگی ہو جس میں ہر شخص اپنے اخلاقی رویے کا وہ نتیجہ دیکھے جس کا وہ مستحق ہے۔

جب عقل و انصاف کی رُو سے دوسری زندگی کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت یقیناً پوری کی جائے گی، کیونکہ انسان اور کائنات کا خالق حکیم ہے اور حکیم سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ حکمت و انصاف جس چیز کے متقاضی ہوں اسے وہ وجود میں لانے سے باز رہ جائے۔ [1]

❖

تخلیق کی ابتداء کے متعلق تو مشرکین مانتے ہی تھے کہ یہ صرف اللہ کا کام ہے، ان کے شریکوں میں سے کسی کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں۔ رہا تخلیق کا اعادہ تو ظاہر ہے کہ جو ابتداً پیدا کرنے والا ہے وہی

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۶۴، ۲۶۵، حاشیہ ۱۱

اس عملِ پیدائش کا اعادہ بھی کر سکتا ہے، اگر جو ابتداءً ہی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کس طرح اعادۂ پیدائش پر قادر ہو سکتا ہے۔ یہ بات اگرچہ صریحاً ایک معقول بات ہے اور خود مشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے تھے کہ بات بالکل ٹھکانے کی ہے، لیکن انھیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تأمل تھا کہ اسے مان لینے کے بعد انکارِ آخرت مشکل ہو جاتا ہے (حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ) ابتدائے خلق اور اعادۂ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔ [1]

❖

اب ذرا اعادۂ خلق پر غور کیجیے۔ خالق نے ہر نوعِ حیوانی اور نباتی کی ساخت و ترکیب میں وہ حیرت انگیز نظام العمل (Mechanism) رکھ دیا ہے جو اس کے بے شمار افراد میں سے بے حد وحساب نسل ٹھیک اسی کی صورتِ نوعیہ اور مزاج و خصوصیات کے ساتھ نکالتا چلا جاتا ہے اور کبھی بھولوں بھی ان کروڑہا کروڑ چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں یہ بھول چوک نہیں ہوتی کہ ایک نوع کا کارخانۂ تناسل کسی دوسری نوع کا ایک نمونہ نکال کر پھینک دے۔ جدید علمِ تناسل (Genetics) کے مشاہدات اس معاملے میں حیرت انگیز حقائق پیش کرتے ہیں۔ ہر پودے میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ اپنی نوع کا سلسلہ آگے کی نسلوں تک جاری رکھنے کا ایسا مکمل انتظام کرے جس سے آنے والی نسل اس کی نوع کی تمام امتیازی خصوصیات کی حامل ہو اور اس کا ہر فرد دوسری تمام انواع کے افراد سے اپنی صورتِ نوعیہ میں ممیز ہو۔ یہ بقائے نوع اور تناسل کا سامان ہر پودے کے ایک خلیے (Cell) کے ایک حصے میں ہوتا ہے جسے بمشکل انتہائی طاقتور خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ چھوٹا سا انجینئر پوری صحت کے ساتھ پودے کے سارے نشوونما کو حتماً اسی راستے پر ڈالتا ہے جو اس کی اپنی صورتِ نوعیہ کا راستہ ہے۔ اسی کی بدولت گیہوں کے ایک دانے سے آج تک جتنے پودے بھی دنیا میں کہیں پیدا ہوئے ہیں انھوں نے گیہوں ہی پیدا کیا ہے، کسی آب و ہوا اور کسی ماحول میں یہ حادثہ کبھی رونما نہیں ہوا کہ دانۂ گندم کی نسل سے کوئی ایک ہی دانۂ جو پیدا ہو جاتا۔ ایسا ہی معاملہ حیوانات اور انسان کا بھی ہے کہ ان میں سے کسی کی تخلیق بھی بس ایک دفعہ ہو کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ ناقابلِ تصور وسیع پیمانے پر ہر طرف اعادۂ خلق کا ایک

---

[1] تفہیم القرآن، ج۲، یونس، ص ۲۸۳، حاشیہ ۴۱

عظیم کارخانہ چل رہا ہے جو ہر نوع کے افراد سے پیہم اُسی نوع کے بے شمار افراد وجود میں لاتا چلا جا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص توالد و تناسُل کے اُس خورد بینی تخم کو دیکھے جو تمام نوعی امتیازات اور موروثی خصوصیات کو اپنے ذرا سے وجود کے بھی محض ایک حصے میں لیے ہوئے ہوتا ہے، اور پھر اس انتہائی نازک اور پیچیدہ عضوی نظام اور بے انتہا لطیف و پُر پیچ عملیات (Progress) کو دیکھے جن کی مدد سے ہر نوع کے ہر فرد کا تخمِ تناسل اُسی نوع کا فرد وجود میں لاتا ہے، تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ایسا نازک اور پیچیدہ نظام العمل کبھی خود بخود بن سکتا ہے۔ اور پھر مختلف انواع کے اربوں ملین افراد میں آپ سے آپ ٹھیک چلتا بھی رہ سکتا ہے۔ یہ چیز نہ صرف اپنی ابتدا کے لیے ایک صانع حکیم چاہتی ہے، بلکہ ہر آن اپنے درست طریقے پر چلتے رہنے کے لیے بھی ایک ناظم و مدبر اور ایک حی و قیوم کی طالب ہے جو ایک لحظے کے لیے بھی ان کارخانوں کی نگرانی و رہنمائی سے غافل نہ ہو۔

یہ حقائق ایک دہریے کے انکارِ خدا کی بھی اسی طرح جڑ کاٹ دیتے ہیں جس طرح ایک مشرک کے شرک کی۔ کون احمق یہ گمان کر سکتا ہے کہ خدائی کے اس کام میں کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی ذرہ برابر بھی کوئی حصہ رکھتا ہے اور کون صاحبِ عقل آدمی تعصب سے پاک ہو کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ خلق و اعادۂ خلق اس کمال حکمت و نظم کے ساتھ اتفاقاً شروع ہوا اور آپ سے آپ چلے جا رہا ہے۔ [1]

❖

(ہر ایک اہل ایمان) اس بات پر یقین رکھے کہ جس طرح اس دنیا میں وہ پیدا ہوا اسی طرح ایک دوسرے عالم میں بھی اس کو پیدا کیا جائے گا اور اسے اپنے اعمال کا حساب خدا کو دینا ہو گا۔ [2]

❖

سورہ الانبیا آیت ۱۰۴ بھی اس کی وضاحت کرتی ہے۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۹۴، حاشیہ ۸۰

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، الاعراف، ص ۲۲، حاشیہ ۱۹

وہ دن جبکہ آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے سے تخلیق کی ابتدا کی تھی اُسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔

سُورۂ العنکبوت آیت ۲۰ میں ارشاد ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے، پھر اللہ بارِ دیگر بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِسی سُورہ کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

کیا ان لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے کہ اللہ کس طرح خلق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ یقیناً یہ (اعادہ تو) اللہ کے لیے آسان تر ہے۔

ایک طرف بے شمار اشیا عدم سے وجود میں آتی ہیں، اور دوسری طرف ہر نوع کے افراد کے مٹنے کے ساتھ پھر ویسے ہی افراد وجود میں آتے چلے جاتے ہیں۔ مشرکین اس بات کو مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ کی صنعتِ خلق و ایجاد کا نتیجہ ہے۔ انھیں اللہ کے خالق ہونے سے انکار نہ تھا، جس طرح آج کے مشرکین کو نہیں ہے۔ اس لیے ان کی اپنی مانی ہوئی بات پر یہ دلیل قائم کی گئی ہے کہ جو خدا تمھارے نزدیک اشیا کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، اور پھر ایک ہی دفعہ تخلیق کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ تمھاری آنکھوں کے سامنے مٹ جانے والی اشیا کی جگہ پھر ویسی ہی اشیا پے درپے وجود میں لاتا چلا جاتا ہے، اس کے بارے میں آخر تم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ تمھارے مر جانے کے بعد وہ پھر تمھیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کھڑا نہیں کر سکتا۔

جب خدا کی کاریگری سے بارِ اوّل کی تخلیق کا تم خود مشاہدہ کر رہے ہو تو تمھیں سمجھنا چاہیے کہ اس خدا

کی کاریگری سے بارِ دیگر بھی تخلیق ہوگی۔ ایسا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ [1]

❖

صریح عقل اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ جس کے لیے خلق کی ابتدا کرنا ممکن ہو اس کے لیے اسی خلق کا اعادہ کرنا بدرجہ اولیٰ ممکن ہے۔ خلق کی ابتدا تو ایک امرِ واقعہ ہے جو سب کے سامنے موجود ہے۔ اس کے بعد یہ خیال کرنا سراسر نامعقول بات ہے کہ وہی خدا جس نے اس خلق کی ابتدا کی ہے اس کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ [2]

❖

پہلی مرتبہ پیدا کرنا اگر اُس کے لیے مشکل نہ تھا، تو آخر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے گا؟ پہلی مرتبہ کی پیدایش میں تو تم خود جیتے جاگتے موجود ہو۔ اس لیے اس کا مشکل نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ اب یہ بالکل سیدھی سادھی عقل کی بات ہے کہ ایک دفعہ جس نے کسی چیز کو بنایا ہو اس کے لیے وہی چیز دوبارہ بنانا نسبتاً زیادہ ہی آسان ہونا چاہیے۔ [3]

سُورۂ الروم کی آیت ۲۷ سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، ص ۶۸۹، حاشیہ ۳۲۔ ۳۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۳۶، حاشیہ ۱۳

[3] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۵۰، حاشیہ ۳۸

۱۰۹۔ المحی

زندگی بخشنے والا

سُورۂ الروم آیت ۵۰ میں ارشاد ہے: اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۔ یقیناً وہ مُردوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سُورۂ الحج آیت ۶ میں ارشاد ہے: ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّہٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔

❖

اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ لوگوں کو تو یہ سُن کر اچنبھا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مُردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مُردے جلا رہا ہے۔ جن مادوں سے آپ کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ پرورش پاتا ہے اُن کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے۔ کوئلہ، لوہا، چُونا، کچھ نمکیات، کچھ ہوائیں، اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفس انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر انھی مُردہ، بے جان مادوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے۔ پھر انھی مادوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں اس سے مَردوں میں وہ تخم اور عورتوں میں وہ بیضی خلیے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جاگتے انسان روز بن بن کر نکل رہے ہیں۔ اس کے بعد ذرا اپنے گردوپیش کی زمین پر نظر ڈالیے بے شمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوندِ خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی نباتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گردوپیش کی سُوکھی زمین ان لاکھوں مُردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جونہی کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑا۔ ہر طرف زندگی لہلہانے لگی، ہر مُردہ جڑ اپنی قبر سے جی اٹھی، اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیائے اموات کا عمل

ہر برسات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ [1]

❖

یہ منظر ہر سال تمھاری آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے کہ زمین بالکل چٹیل میدان پڑی ہوئی ہے، زندگی کے کوئی آثار موجود نہیں، نہ گھاس پھونس ہے، نہ بیل بُوٹے، نہ پھول پتی، نہ کسی قسم کے حشرات الارض۔ اتنے میں بارش کا موسم آ گیا اور ایک دو چھینٹے پڑتے ہی اُسی زمین سے زندگی کے چشمے اُبلنے شروع ہو گئے۔ زمین کی تہوں میں دبی ہوئی بے شمار جڑیں یکا یک جی اٹھیں اور ہر ایک کے اندر سے وہی نباتات پھر برآمد ہو گئی جو پچھلی برسات میں پیدا ہونے کے بعد مر چکی تھی۔ بے شمار حشرات الارض جن کا نام ونشان تک گرمی کے زمانے میں باقی نہ رہا تھا، یکا یک پھر اُسی شان سے نمودار ہو گئے جیسے پچھلی برسات میں دیکھے گئے تھے۔ یہ سب کچھ اپنی زندگی میں بار بار تم دیکھتے رہتے ہو، اور پھر بھی تمھیں نبی کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس حیرت کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمھارا مشاہدہ بے عقل حیوانوں کا سا مشاہدہ ہے۔ [2]

❖

نادان لوگ آخرت کو بعید از امکان سمجھتے ہیں اور اسی لیے اپنی جگہ اس خیال میں مگن ہیں کہ دنیا میں یہ خواہ کچھ کرتے رہیں بہرحال وہ وقت کبھی آنا نہیں ہے جب انھیں جوابدہی کے لیے خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ لیکن یہ محض ایک خیالِ خام ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ قیامت کے روز تمام اگلے پچھلے مرے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر بالکل اسی طرح یکا یک جی اٹھیں گے جس طرح ایک بارش ہوتے ہی سُوکھی پڑی ہوئی زمین یکا یک لہلہا اٹھتی ہے اور مدتوں کی مری ہوئی جڑیں سرسبز و شاداب ہو کر زمین کی تہوں میں سے سر نکالنا شروع کر دیتی ہیں۔ [3]

❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۴، ۲۰۵، حاشیہ ۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۵۰، حاشیہ ۵۳

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، ص ۲۲۳، حاشیہ ۱۹

جو خدا ہر آن تمھاری آنکھوں کے سامنے یہ کام کر رہا ہے وہ آخر انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے سے عاجز کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ ہر وقت زندہ انسانوں اور حیوانات میں سے فضلات (Waste Matter) خارج کر رہا ہے جن کے اندر زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر لمحے بے جان مادے (Dead Matter) کے اندر زندگی کی رُوح پھونک کر بے شمار جیتے جاگتے حیوانات، نباتات اور انسان وجود میں لا رہا ہے، حالانکہ بجائے خود اُن مادوں میں، جن سے ان زندہ ہستیوں کے جسم مرکب ہوتے ہیں، قطعاً کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ وہ ہر آن یہ منظر تمھیں دکھا رہا ہے کہ بنجر پڑی ہوئی زمین کو جہاں پانی میسر آیا اور یکا یک وہ حیوانی اور نباتی زندگی کے خزانے اُگلنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کو چلانے والا خدا انسان کے مر جانے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز ہے تو حقیقت میں وہ عقل کا اندھا ہے۔ اس کے سر کی آنکھیں جن ظاہری مناظر کو دیکھتی ہیں، اس کی عقل کی آنکھیں ان کے اندر نظر آنے والے روشن حقائق کو نہیں دیکھتیں۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۴۲، ۷۴۳، حاشیہ ۲۵

۱۱۰۔ اَلْمُمِيْتُ

جان سلب کرنے والا۔ مارنے والا۔ موت دینے والا

سورہ البقرہ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر وہی تمھاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمھیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔

سورۂ المومنون آیت ۸۰ میں ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ الخ۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔

سورہ الحج آیت ۶۶ میں ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ۔ وہی ہے جس نے تمھیں زندگی بخشی ہے، وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی پھر تم کو زندہ کرے گا۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی منکرِ حق ہے۔

سورۂ روم آیت ۴۰ میں ارشادِ ربانی ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر وہ تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا۔

[رزق، موت و زیست اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ مرجانے کے بعد زندہ کرنے پر بھی وہی قادر ہے][1]

❖

موت کے خوف سے بھاگنا فضول ہے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، ص ۷۶۱، حاشیہ ۶۳

مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد جی سکتا ہے۔ [1]

انسان اپنی پیدائش اور اپنی تقدیر کے معاملے ہی میں نہیں بلکہ اپنی موت کے معاملے میں بھی یہ اپنے خالق کے آگے بالکل بے بس ہے۔ نہ اپنے اختیار سے پیدا ہوسکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے مر سکتا ہے، اور نہ اپنی موت کو ایک لمحے کے لیے بھی ٹال سکتا ہے۔ جس وقت، جہاں، جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اُسی وقت، اُسی جگہ اور اُسی حال میں یہ مر کر رہتا ہے اور جس نوعیت کی قبر بھی اس کے لیے طے کر دی گئی ہے اسی نوعیت کی قبر میں ودیعت ہو جاتا ہے، خواہ وہ زمین کا پیٹ ہو، یا سمندر کی گہرائیاں، یا آگ کا الاؤ، یا کسی درندے کا معدہ، انسان خود تو در کنار، ساری دُنیا مل کر بھی اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملے میں خالق کے اس فیصلے کو بدل نہیں سکتی۔ [2]

سورہ الجاثیہ آیت ۲۶ میں ارشاد ہے: قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۔ ان سے کہو اللہ ہی تمھیں زندگی بخشتا ہے۔ پھر وہی تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

آیت ۲۴ میں ارشاد ہے: وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو، درحقیقت اس معاملے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔

کوئی ذریعۂ علم ایسا نہیں ہے جس سے ان کو بتحقیق یہ معلوم ہو گیا ہو کہ اس زندگی کے بعد انسان کے لیے کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، اور یہ بات بھی انھیں معلوم ہو گئی ہو کہ انسان کی رُوح کسی خدا کے حکم سے قبض نہیں کی جاتی ہے بلکہ آدمی محض گردشِ ایام سے مر کر فنا ہو جاتا ہے۔ منکرینِ آخرت یہ باتیں کسی

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، آل عمران، ص ۲۹۱، حاشیہ ۱۰۴

[2] تفہیم القرآن، ج ۶، عبس ۲۵۷، حاشیہ ۱۴

علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض گمان کی بنا پر کرتے ہیں۔ علمی حیثیت سے اگر وہ بات کریں تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ بس یہ ہے کہ "ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں۔" لیکن یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ "ہم جانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔" اسی طرح علمی طریقے پر وہ یہ جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آدمی کی رُوح خدا کے حکم سے نکالی نہیں جاتی ہے بلکہ وہ محض اُس طرح مر کر ختم ہو جاتا ہے جیسے ایک گھڑی چلتے چلتے رُک جائے۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کہہ سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ فی الواقع کیا صورت پیش آتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب انسانی ذرائع علم کی حد تک زندگی بعد موت کے ہونے یا نہ ہونے، اور قبضِ روح واقع ہونے یا گردشِ ایام سے آپ ہی آپ مر جانے کا یکساں احتمال ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ امکانِ آخرت کے احتمال کو چھوڑ کر حتمی طور پر انکارِ آخرت کے حق میں فیصلہ کر ڈالتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور ہے کہ دراصل اس مسئلے کا آخری فیصلہ وہ دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی خواہش کی بنا پر کرتے ہیں؟ چونکہ ان کا دل یہ نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہو اور موت کی حقیقت نیستی اور عدم نہیں بلکہ خدا کی طرف سے قبضِ رُوح ہو، اس لیے وہ اپنے دل کی مانگ کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور دوسری بات کا انکار کر دیتے ہیں (حالانکہ) نہ انھیں زندگی اتفاقاً ملتی ہے، نہ موت خود بخود واقع ہو جاتی ہے۔ ایک خدا ہے جو زندگی دیتا ہے اور وہی اسے سلب کرتا ہے۔ [1]

❖

موت کچھ یوں ہی نہیں آ جاتی کہ ایک گھڑی چل رہی تھی، کُوک ختم ہوئی اور وہ چلتے چلتے یکا یک بند ہو گئی۔ بلکہ دراصل اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو آ کر باقاعدہ رُوح کو ٹھیک اُسی طرح وصول کرتا ہے جس طرح ایک سرکاری امین (Official Receiver) کسی چیز کو اپنے قبضے میں لیتا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر اس کی مزید تفصیلات جو بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افسرِ موت کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے جو موت وارد کرنے اور رُوح کو جسم سے نکالنے اور اس کو قبضے میں لینے کی بہت سی مختلف النوع خدمات انجام دیتا ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الجاثیہ، ص ۵۹۰، ۵۹۱، حاشیہ ۳۴ اور ۳۷

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت سے انسان معدوم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کی رُوح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ قرآن کے الفاظ ''موت کا فرشتہ تم کو پورا کا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا'' اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ کوئی معدوم چیز قبضے میں نہیں لی جاتی۔ قبضے میں لینے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ مقبوضہ چیز قابض کے پاس رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت جو چیز قبضے میں لی جاتی ہے وہ آدمی کی حیوانی زندگی (Biological Life) نہیں بلکہ اس کی وہ خودی، اس کی وہ اَنا (Ego) ہے جو ''میں'' اور ''ہم'' اور ''تم'' کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ اَنا دنیا میں کام کر کے جیسی کچھ شخصیت بھی بنتی ہے وہ پُوری کی پوری، جوں کی توں (Intact) نکال لی جاتی ہے بغیر اس کے کہ اس کے اوصاف میں سے کوئی کمی بیشی ہو۔ اور یہی چیز موت کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹائی جاتی ہے۔ اسی کو آخرت میں نیا جنم اور نیا جسم دیا جائے گا، اسی پر مقدمہ قائم کیا جائے گا، اسی سے حساب لیا جائے گا، اور اسی کو جزا و سزا دیکھنی ہوگی۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، ص ۴۳، ۴۴، حاشیہ ۲۱

۱۱۱۔ اَلْجَامِعُ

جمع کرنے والا

ہر انسان جو آدم سے لے کر قیامت کی آخری ساعت تک پیدا ہوا ہے، خواہ ماں کے پیٹ سے نکل کر اس نے ایک ہی سانس لیا ہو، اُس وقت دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور سب کو ایک وقت میں جمع کر دیا جائے گا۔ [۱]

❖

سُورۂ آل عمران آیت ۹ میں ارشاد ہے: رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ پروردگار! تو یقیناً سب لوگوں کو ایک روز جمع کرنے والا ہے، جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ تو ہرگز اپنے وعدے سے ٹلنے والا نہیں۔

سُورہ النساء آیت ۱۴۰ میں ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔

سُورہ الشوریٰ آیت ۲۹ میں ارشاد ہے: وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۔ وہ جب چاہے انھیں اکٹھا کر سکتا ہے۔

جس طرح وہ انھیں پھیلا دینے پر قادر ہے اُسی طرح وہ انھیں جمع کر لینے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا یہ خیال کرنا غلط ہے کہ قیامت نہیں آسکتی اور تمام اولین و آخرین کو بیک وقت اُٹھا کر اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، ص ۲۹، حاشیہ ۴۴

[۲] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۵۰۵، حاشیہ ۵۱

سُورہ الکہف آیت ۹۹ میں ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۔ اور اُس روز ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ (سمندر کی موجوں کی طرح) ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں اور صور پھونکا جائے گا اور ہم سب انسانوں کو ایک ساتھ جمع کریں گے۔

سُورہ التغابن آیت ۹ میں ارشاد ہے: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۔ جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔

اجتماع کے دن سے مُراد ہے قیامت اور سب کو اکٹھا کرنے سے مُراد ہے تمام اُن انسانوں کو بیک وقت زندہ کر کے جمع کرنا جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک دُنیا میں پیدا ہوئے ہوں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ کھول کر اسے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سُورۂ ہُود میں فرمایا: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۔ وہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب انسان جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اُس روز ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ (آیت ۱۰۳)

اور سُورۂ واقعہ میں فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ ان سے کہو کہ تمام پہلے گزرے ہوئے اور بعد میں آنے والے لوگ ایک مقرر دن کے وقت جمع کیے جانے والے ہیں۔ (آیت ۵۰)

وہ دن بھی (یقیناً) آنا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کر کے ان کا حساب لے گا۔ دُنیا میں اگر کوئی شخص اپنی گمراہی و بدعملی کے بُرے نتائج سے بچ بھی نکلا تو اُس دن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور بڑا ہی بدقسمت ہے وہ جو یہاں بھی خراب ہوا اور وہاں بھی اس کی شامت آئے۔[1]

❖

سُورۃ النساء آیت ۸۷ میں فرمایا: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ تم سب کو اُس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۲، حاشیہ ۱۰

کافر اور مُشرک اور مُلحد اور دہریے جو کچھ کر رہے ہیں اس سے خدا کی خدائی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اُس کا خدائے واحد اور خدائے مطلق ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی کے بدلے بدل نہیں سکتی۔ پھر ایک دن وہ سب انسانوں کو جمع کر کے ہر ایک کو اس کے عمل کا نتیجہ دکھا دے گا۔ اس کی قدرت کے احاطے سے بچ کر کوئی بھاگ بھی نہیں سکتا۔ لہٰذا خدا ہرگز اس بات کا حاجت مند نہیں ہے کہ اس کی طرف سے کوئی اس کے باغیوں پر جلے دل کا بُخار نکالتا پھرے اور کج خُلقی اور ترش کلامی کو زخمِ دل کا مرہم بنائے۔

دنیا کی زندگی میں جو شخص جس طریقے پر چاہے چلتا رہے اور جس راہ میں اپنی کوششیں اور محنتیں صرف کرنا چاہتا ہے کیے جائے، آخر کار سب کو ایک دن اُس خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے پھر ہر ایک اپنی سعی و عمل کے نتائج دیکھ لے گا۔ [1]

❖

سورہ الجاثیہ آیت ۲۶ میں فرمایا: قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ اللہ ہی تمھیں زندگی بخشتا ہے، پھر وہی تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو اُس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

(جب ان لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے) کہ موت کے بعد دوسری زندگی ہوگی تو وہ کہتے ہیں کہ اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو، گویا لازماً قبر سے ایک مُردہ اٹھا کر اُن کے سامنے لے آنا چاہیے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو وہ نہیں مان سکتے کہ مرے ہوئے انسان کسی وقت از سرِ نو زندہ کر کے اٹھائے جانے والے ہیں حالانکہ یہ بات سرے سے کسی نے بھی ان سے نہیں کہی تھی کہ اس دنیا میں متفرق طور پر وقتاً فوقتاً مُردوں کو دوبارہ زندہ کیا جاتا رہے گا۔ بلکہ جو کچھ کہا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام انسانوں کو از سرِ نو زندہ کرے گا اور ان سب کے اعمال کا محاسبہ کر کے جزا اور سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، النسآء، ص ۳۷۹، حاشیہ ۱۱۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الجاثیہ، ص ۵۹۱، حاشیہ ۳۶ (آیت ۲۶)

(منکرین کا یہ تصور کہ) ابتدائے آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بے شمار انسانوں کے جسم کے اجزا جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے، ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، [یہ سراسر ان کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے ورنہ] واقعہ یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ہر جز جس شکل میں جہاں بھی ہے، اللہ تعالیٰ براہِ راست اس کو جانتا ہے اور مزید براں اس کا پُورا ریکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے۔ جس وقت اللہ کا حکم ہو گا اُسی وقت آناً فاناً اُس کے فرشتے اس ریکارڈ سے رجوع کر کے ایک ایک ذرے کو نکال لائیں گے اور تمام انسانوں کے وہی جسم پھر بنا دیں گے جن میں رہ کر انھوں نے دنیا کی زندگی میں کام کیا تھا۔ [1]

❖

عالمِ آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہو گا بلکہ انسان وہاں دوبارہ اُسی طرح جسم و رُوح کے ساتھ زندہ کیے جائیں گے جس طرح وہ اب اس دنیا میں ہیں۔ یہی نہیں، اُن کو جسم بھی وہی دیا جائے گا جس میں اب وہ رہتے ہیں۔ وہی تمام اجزا اور جواہر (Atoms) جن سے اُن کے بدن اس دنیا میں مرکب تھے، قیامت کے روز جمع کر دیے جائیں گے اور وہ اپنے انھی سابق جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن کے اندر رہ کر وہ دنیا میں کام کر چکے تھے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، ص ۱۱۰، حاشیہ ۴

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، ص ۴۵۰، حاشیہ ۲۵

۱۱۲۔ اَلْمُحْصِیْ

ایک ایک چیز کو گن کر رکھنے والا

خدا کے ہاں ہر شخص کا ہر کرتوت نوٹ ہو چکا ہے۔ کس شخص نے، کب، کہاں، کیا حرکت کی، اُس حرکت کے بعد اُس کا اپنا ردِ عمل کیا تھا، اور اس کے کیا نتائج، کہاں کہاں، کس کس شکل میں برآمد ہوئے، یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھ لیا گیا ہے۔ [1]

❖

سُورہ الجن آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۔ اور وہ ان کے پورے ماحول کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اُس نے گن رکھا ہے۔

جو پیغامات اللہ تعالیٰ (اپنے انبیا و رسل پر) بھیجتا رہا ہے ان کا ایک حرف حرف گنا ہوا ہے۔ رسولوں اور فرشتوں کی یہ مجال نہیں کہ ان میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی کر سکیں۔ [2]

❖

سُورۂ مریم آیت ۹۳۔ ۹۴ میں ارشاد ہے: اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۔ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۔ زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں، سب پر وہ محیط ہے اور اُس نے اُن کو شمار کر رکھا ہے۔

سُورۂ یٰس آیت ۱۲ میں ارشادِ ربانی ہے: وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۔ ہر ایک چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔

انسان کا نامۂ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا بُرا

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، ص ۳۵۷، حاشیہ ۱۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۶، الجن، ص ۱۲۲، حاشیہ ۳۰

عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔ دوسرے، اپنے گردوپیش کی اشیا اور خود اپنے جسم کے اعضا پر جو نقوش (Impression) بھی انسان مرتسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں اور یہ سارے نقوش ایک وقت اس طرح اُبھر آئیں گے کہ اس کی اپنی آواز سنی جائے گی، اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کی لوحِ ذہن پر لکھی نظر آئے گی، اور اس کے ایک ایک اچھے اور بُرے فعل اور اُس کی تمام حرکات وسکنات کی تصویریں سامنے آجائیں گی۔ تیسرے اپنے مرنے کے بعد اپنی آیندہ نسل پر، اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور بُرے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے۔ اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بُری تربیت اُس نے دی ہے، اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں یا بُرائیاں بھی اُس نے پھیلائی ہیں، اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے ان سب کا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اپنے اچھے یا بُرے پھل لاتی رہے گی۔ [1]

❖

سورۂ نباء آیت ۲۷، ۲۸، ۲۹ میں ارشاد ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا۔ وہ کبھی حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیات کو انھوں نے بالکل جھٹلا دیا تھا اور حال یہ تھا کہ ہم نے ہر چیز گن گن کر لکھ رکھی تھی۔

ان کے اقوال وافعال، ان کی حرکات وسکنات، حتیٰ کہ ان کی نیتوں اور خیالات اور مقاصد تک کا مکمل ریکارڈ ہم تیار کرتے جارہے تھے جن سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہ تھی، اور وہ بے وقوف اس سے بے خبر اپنی جگہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ کسی اندھیر نگری میں جی رہے ہیں جہاں وہ اپنی مرضی اور خواہش سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں۔ اس کی باز پُرس کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، یٰسٓ، ص ۲۴۸، حاشیہ ۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۶، النباء، ص ۲۳۰، حاشیہ ۱۸

موجود، پانے والا

سورہ النّور آیت ۳۹ میں ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ (اس کے برعکس) جنھوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشتِ بے آب میں سَراب، کہ پیاسا اُس کو پانی سمجھے ہوئے تھا، مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اُس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پُورا حساب چُکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

اس مثال میں اُن لوگوں کا حال بیان ہُوا ہے جو کفر و نفاق کے باوجود بظاہر کچھ نیک اعمال بھی کرتے ہوں اور فی الجملہ آخرت کے بھی قائل ہوں، اور اس خیالِ خام میں مبتلا ہوں کہ ایمانِ صادق اور صفاتِ اہلِ ایمان اور اطاعت و اتباعِ رسول کے بغیر ان کے یہ اعمال آخرت میں ان کے لیے کچھ مفید ہوں گے۔ مثال کے پیرائے میں ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے جن ظاہری و نمائشی اعمالِ خیر سے آخرت میں فائدے کی امید رکھتے ہو ان کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر جس طرح پیاسا یہ سمجھتا ہے کہ پانی کا ایک تالاب موجیں مار رہا ہے اور منہ اٹھائے اس کی طرف پیاس بجھانے کی امید لیے ہوئے دوڑتا چلا جاتا ہے، اسی طرح تم اِن اعمال کے جھوٹے بھروسے پر موت کی منزل کا سفر طے کرتے چلے جا رہے ہو۔ مگر جس طرح سراب کی طرف دوڑنے والا جب اس جگہ پہنچتا ہے جہاں اسے تالاب نظر آ رہا تھا تو کچھ نہیں پاتا، اسی طرح جب تم منزلِ موت میں داخل ہو جاؤ گے تو تمھیں پتہ چل جائے گا کہ یہاں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس کا تم کوئی فائدہ اٹھا سکو، بلکہ اس کے برعکس اللہ تمھارے کفر و نفاق کا اور اُن بداعمالیوں کا جو تم ان نمائشی نیکیوں کے ساتھ

کر رہے تھے، حساب لینے اور پُورا پُورا بدلہ دینے کے لیے موجود ہے۔[1]

❖

سورہ المجادلہ آیت ۷ میں ارشاد ہے: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور اُن کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

سرگوشی کرنے والے خواہ تین سے کم ہوں یا پانچ سے زیادہ، بہر حال اللہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ یہ معیت درحقیقت اللہ جل شانہٗ کے علیم و خبیر، اور سمیع و بصیر اور قادرِ مطلق ہونے کے لحاظ سے ہے نہ کہ معاذ اللہ اس معنی میں کہ اللہ کوئی شخص ہے جو پانچ اشخاص کے درمیان ایک چھٹے شخص کی حیثیت سے کسی جگہ چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ دراصل اِس ارشاد سے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی محفوظ مقامات پر خفیہ مشورہ کر رہے ہوں، ان کی بات دنیا بھر سے چُھپ سکتی ہے مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی، اور وہ دنیا کی ہر طاقت کی گرفت سے بچ سکتے ہیں مگر اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔[2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۴۱۱، حاشیہ ۷۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ ص ۳۵۸، ۳۵۹، حاشیہ ۱۹۔ ۲۰

۱۱۴۔ اَلْوَاحِدُ

ایک، اکیلا، یکتا

سُورہ بقرہ آیت ۱۶۳ میں ارشادِ ربانی ہے: وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ تمھارا خدا ایک ہی خدا ہے، اُس رحمن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔

سورہ نسآء آیت ۱۷۱ میں ارشاد ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اور نہ کہو کہ ''تین'' ہیں۔ باز آجاؤ، یہ تمھارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔

سورہ مائدہ آیت ۷۳ میں ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

سُورہ انعام آیت ۱۹ میں ہے: قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ کہو، خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔

سُورہ یُوسف آیت ۳۹ میں ہے: ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟

سُورہ ابراہیم آیت ۴۸ میں ارشاد ہے: وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ اور سب کے سب اللہ واحد و قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔

سُورہ ابراہیم آیت ۵۲ میں ارشاد ہے: هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ اُن کو اس کے ذریعے سے خبردار کردیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے۔

سُورہ النحل آیت ۲۲ میں ارشاد ہے: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ تمھارا خدا بس ایک ہی ہے۔

سورہ النحل آیت ۵۱ میں ہے: قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اللہ کا فرمان ہے کہ دو خدا نہ بنالو، خدا تو بس ایک ہی ہے۔

سُورہ الکہف آیت ۱۱۰ میں ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اے محمدؐ، کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا خدا بس ایک ہی ہے۔

سُورہ انبیا آیت ۱۰۸ میں ہے: قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ ان سے کہو میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمھارا خدا صرف ایک خدا ہے۔

سُورہ الحج آیت ۳۴ میں ہے: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا۔ پس تمھارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ پس اسی کے آگے سرِ اطاعت خم کرو۔

سُورہ العنکبوت آیت ۴۶ میں ہے: وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ ہمارا اور تمھارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے مسلم ہیں۔

سورہ الصافات آیت ۴ میں ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔ تمھارا معبودِ حقیقی بس ایک ہی ہے...... وہ جو زمین اور آسمانوں کا اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ اور سارے مشرقوں کا مالک۔

سُورہ صٓ آیت ۶۵ میں ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (اے نبیؐ) ان سے کہو۔ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں۔ کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ، جو یکتا ہے، سب پر غالب۔

سورہ الزمر آیت ۴ میں ہے آیا ہے: سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ پاک ہے وہ اس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو، وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب ہے۔

سُورہ غافر آیت ۱۶ میں ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (اس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی۔

سُورہ فصلت آیت ٦ میں ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔اے نبیؐ، ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا مجھے وحی کے ذریعے سے بتایا جاتا ہے کہ تمھارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے۔

وہ اکیلا اپنی ذات میں واحد ہے، کسی جنس کا فرد نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد لازماً ہم جنس ہوا کرتی ہے۔ نیز اولاد کا کوئی تصور ازدواج کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور ازدواج بھی ہم جنس سے ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص سخت جاہل و نادان ہے جو اس یکتا و یگانہ ہستی کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے۔ [1]

❖

معبودِ حقیقی صرف ایک اللہ ہی ہے، کیونکہ وہ سب پر غالب ہے، زمین و آسمان کا مالک ہے، اور کائنات کی ہر چیز اس کی مِلک ہے۔ [2]

دنیا میں تو بہت سے برخود غلط لوگ اپنی بادشاہی و جباری کے ڈنکے پیٹتے رہے، اور بہت سے احمق ان کی بادشاہیاں اور کبریائیاں مانتے رہے، اب بتاؤ کہ بادشاہی فی الواقع کس کی ہے؟ اختیارات کا اصل مالک کون ہے؟ اور حکم کس کا چلتا ہے؟ یہ ایسا مضمون ہے جسے اگر کوئی شخص گوشِ ہوش سے سنے تو خواہ کتنا ہی بڑا بادشاہ یا آمرِ مطلق بنا بیٹھا ہو، اس کا زہرہ آب ہوجائے اور ساری جباریت کی ہوا اس کے دماغ سے نکل جائے۔ [3]

[تمھارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے]۔ یعنی کسی اور کو خدا نہ بناؤ، کسی اور کی بندگی و پرستش نہ کرو، کسی اور کو مدد کے لیے نہ پکارو، کسی اور کے آگے سرِ تسلیم و اطاعت خم نہ کرو، کسی اور کے رسم و رواج اور قانون و ضابطے کو شریعتِ واجب الاطاعت نہ مانو۔ [4]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۵۸، حاشیہ ۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، ص، ص ۳۴۷، حاشیہ ۵۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، ص ۳۹۹، حاشیہ ۲۷

[4] تفہیم القرآن، ج ۴، فصلت، ص ۴۴۱، حاشیہ ۷

۱۱۵۔ اَلْمُنْتَقِمُ

بدلہ لینے والا۔ انتقام لینے والا

سورہ السجدہ آیت ۲۲ میں ارشاد ربانی ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۔ اور اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔

قرآن مجید کے جملہ بیانات کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں (آیات) حسب ذیل چھ قسموں پر مشتمل ہیں:

(۱) وہ نشانیاں جو زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) وہ نشانیاں جو انسان کی اپنی پیدائش اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

(۳) وہ نشانیاں جو انسان کے وجدان میں، اس کے لاشعور اور تحت الشعور میں اور اس کے اخلاقی تصورات میں پائی جاتی ہیں۔

(۴) وہ نشانیاں جو انسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔

(۵) وہ نشانیاں جو انسان پر آفات ارضی و سماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔

(۶) اور ان سب کے بعد وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کے ذریعے سے بھیجیں تا کہ معقول طریقے سے انسان کو انھی حقائق سے آگاہ کیا جائے جن کی طرف اوپر کی تمام نشانیاں اشارہ کر رہی ہیں۔

یہ ساری نشانیاں پوری ہم آہنگی اور بلند آہنگی کے ساتھ انسان کو یہ بتا رہی ہیں کہ تو بے خدا نہیں

ہے، نہ بہت سے خداؤں کا بندہ ہے، بلکہ تیرا خدا صرف ایک ہی خدا ہے جس کی عبادت و اطاعت کے سوا تیرے لیے کوئی دوسرا راستہ صحیح نہیں ہے۔ تو اس دنیا میں آزاد و خود مختار اور غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنا کارنامۂ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کرنی ہے اور اپنے عمل کے لحاظ سے جزا و سزا پانی ہے۔ پس تیری اپنی خیر اسی میں ہے کہ تیرے خدا نے تیری رہنمائی کے لیے اپنے انبیا، اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کی پیروی کر۔ اور خود مختاری کی روش سے باز آ جا، اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو، جس کی فہمائش کے لیے طرح طرح کی اتنی بے شمار نشانیاں فراہم کی گئی ہوں، اور جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل کی نعمتیں بھی دی گئی ہوں، وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، سمجھانے والوں کی تذکیر و نصیحت کے لیے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے، اور اپنے دل و دماغ سے بھی اوندھے فلسفے ہی گھڑنے کا کام لیتا ہے، اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو بغاوت کی بھرپور سزا پائے۔ [1]

❖

سورہ الزخرف آیت ۴۱ میں ارشاد ہے: فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ۔ اب تو ہمیں ان کو سزا دینی ہے خواہ تمھیں دنیا سے اٹھا لیں۔

کفار مکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ان کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہے، یہ کانٹا درمیان سے نکل جائے، تو پھر سب اچھا ہو جائے گا۔ اسی گمانِ فاسد کی بنا پر وہ شب و روز بیٹھ بیٹھ کر مشورے کرتے تھے کہ آپ کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے، اس پر اللہ تعالیٰ اُن کی طرف سے رُخ پھیر کر اپنے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمھارے رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم زندہ رہو گے تو تمھاری آنکھوں کے سامنے ان کی شامت آئے گی، اٹھا لیے جاؤ گے تو تمھارے پیچھے ان

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، ص ۴۸، حاشیہ ۳۴

کی خبر لی جائے گی۔ شامتِ اعمال اب ان کی دامن گیر ہو چکی ہے جس سے یہ بچ نہیں سکتے۔ [1]

❖

سورہ الدخان آیت ۱۶ میں بھی ارشاد فرمایا: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۔ جس روز ہم بڑی ضرب لگائیں گے وہ دن ہو گا ہم تم سے انتقام لیں گے۔
قیامت کا انتظار کرو، اُس وقت جب پُوری طرح شامت آئے گی تب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا تھا۔ [2]

❖

سُورہ آلِ عمران آیت ۴ میں ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔ اب جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں، ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور بُرائی کا بدلہ دینے والا ہے۔
سُورہ ابراہیم آیت ۴۷ میں ارشاد ہے: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔ پس اے نبیؐ، تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ کبھی اپنے رسُولوں سے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے گا۔ اللہ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے۔
اس جملے میں کلام کا رخ بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر دراصل سنانا آپؐ کے مخالفین کو مقصود ہے انھیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ نے پہلے بھی اپنے رسولوں سے جو وعدے کیے تھے وہ پورے کیے اور ان کے مخالفین کو نیچا دکھایا اور اب بھی جو وعدہ وہ اپنے رسول، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہا ہے اُسے پورا کرے گا اور اُن لوگوں کو تہس نہس کر دے گا جو اُس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ [3]

❖

(جنگ بدر میں) مسلمان اپنی قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود کفار کی کثیر التعداد اور بہتر

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۴، الزخرف، ص ۵۳۹، حاشیہ ۳۷
[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، ص ۵۶۵، حاشیہ ۱۳
[3] تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، ص ۴۹۲، حاشیہ ۵۶

اسلحہ رکھنے والی فوج کے مقابلے میں جس طرح کامیاب ہوئے اس سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ ان کو اللہ کی تائید حاصل تھی۔

اللہ کی غالب طاقت سے غافل ہو کر جو لوگ اپنے سروسامان اور اپنے حامیوں کی کثرت پر پھولے ہوئے تھے اُن کے لیے یہ واقعہ ایک تازیانہ تھا کہ اللہ کس طرح چند مفلس وقلّاش [قلاش] غریب الوطن مہاجروں اور مدینے کے کاشتکاروں کی ایک مٹھی بھر جماعت کے ذریعے سے قریش جیسے قبیلے کو شکست دلوا سکتا ہے، جو تمام عرب کا سرتاج تھا۔ [1]

❖

سُورۃ الروم آیت ۴۷ میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور ہم نے تم سے پہلے رسُولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر جنھوں نے جرم کیا ان سے ہم نے انتقام لیا اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔

سُورہ الحجر آیت ۷۸۔۷۹ میں ارشاد ہے: وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۔ اور ایکہ والے ظالم تھے، تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی ان سے انتقام لیا۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، آل عمران، ص ۲۸۳، حاشیہ ۱۰

۱۱۶۔ اَلْمُقْسِطُ

(العادل) عدل وانصاف کرنے والا

(اس کی وضاحت العدل کے تحت ملاحظہ ہو)

۱۱۷۔ اَلْغَنِیُّ

بے پروا کرنے والا

سُورہ النور آیت ۳۲ میں ارشاد ہے: اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے گا، اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔

سُورہ التوبہ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۔ اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

سُورہ النسآء آیت ۱۳۰ میں ارشاد ہے: وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ۔ لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا، اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔

سورہ النجم آیت ۴۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی ۔ اور یہ کہ اُسی نے غنی کیا اور جائداد بخشی۔ سُورہ الضحیٰ آیت ۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے: وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۔ اور تمھیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ ؐ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک اونٹنی اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔ اس طرح آپ ؐ کی زندگی کی ابتداء افلاس کی حالت میں ہوئی تھی پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون، حضرت خدیجہ ؓ نے پہلے تجارت میں آپ ؐ کو اپنے ساتھ شریک کیا، اس کے بعد انھوں نے آپ ؐ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپ ؐ نے سنبھال لیا۔ اس طرح آپ ؐ نہ صرف یہ کہ مال دار ہو گئے، بلکہ آپ ؐ کی مالداری اس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپ ؐ

کا انحصار ہو۔ اُن کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ کی اپنی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا۔ [1]

❖

(نکاح کے بارے میں لڑکے اور لڑکی والے ضرورت سے زیادہ حسابی بن جاتے ہیں ان لوگوں کو اس بارے میں زیادہ حسابی نہ بننا چاہیے) لڑکی والوں کو چاہیے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو بھی چاہیے کہ کسی نوجوان کو محض اس لیے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی وہ بہت نہیں کما رہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی چاہیے کہ زیادہ کشائش کے انتظار میں اپنی شادی کے معاملے کے خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر شادی کر ڈالنی چاہیے۔ بسا اوقات خود شادی ہی آدمی کے حالات درست ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ بیوی کی مدد سے اخراجات قابو میں آجاتے ہیں۔ ذمہ داریاں سر پر آجانے کے بعد آدمی خود بھی پہلے سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے لگتا ہے۔ بیوی معاش کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹا سکتی ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ مستقبل میں کس کے لیے کیا لکھا ہے، اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا اچھے حالات بُرے حالات میں بھی بدل سکتے ہیں اور بُرے حالات اچھے حالات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں لہٰذا آدمی کو ضرورت سے زیادہ حساب لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ [2]

(قدرے لفظی ردوبدل کے ساتھ)

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الضحٰی، ص ۳۷۳، ۳۷۴، حاشیہ ۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، النور، ص ۳۹۸، حاشیہ ۵۳

۱۱۸۔ اَلضَّارُّ

ضرر پہنچانے والا۔ نقصان پہنچانے والا

(ہر انسان کو) یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ اعتماد اس کے قلب میں ایسی قوت پیدا کر دے گا کہ بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطروں سے اس کو نجات مل جائے گی اور وہ اشرار کو اُن کے حال پر چھوڑ کر پورے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا۔ اللہ پر توکل کرنے والا مومن نہ تھڑ دلا ہوتا ہے کہ ہر اندیشہ و گمان اس کے سکون کو غارت کر دے، نہ کم ظرف ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر ہو کر خلافِ انصاف حرکتیں کرنے لگے۔ [1]

❖

معبودانِ غیر اللہ کسی کے قطعاً نافع اور ضار نہیں، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی نفع و ضرر کی قدرت نہیں رکھتے۔ [2]

❖

(کوئی نبی کسی کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۔ کہو میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔ میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ خدا کی خدائی میں میرا کوئی دخل ہے، یا لوگوں کی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کا کوئی اختیار مجھے حاصل ہے۔ میں تو صرف ایک رسول ہوں اور جو خدمت میرے سپرد کی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات تمھیں پہنچا دوں۔ باقی رہے خدائی کے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، ص ۳۶۱، حاشیہ ۲۵

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۸، حاشیہ ۱۸

اختیارات، تو وہ سارے کے سارے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو نفع یا نقصان پہنچانا تو درکنار، مجھے تو خود اپنے نفع ونقصان کا اختیار بھی حاصل نہیں۔ اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں لے سکتا، اور اللہ کے دامن کے سوا کوئی ملجا و ماویٰ میرے لیے نہیں ہے۔ [1]

❖

اللہ کا نبی اُس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا جیسے بلند بانگ دعوے خدا رسیدگی اور روحانیت کے ڈھونگ رچانے والے عموماً کیا کرتے ہیں۔ جاہلیت کے معاشروں میں بالعموم یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ''حضرت'' قسم کے لوگ ہر اس شخص کی قسمت بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے۔ بلکہ مرجانے کے بعد اُن کی قبر کی بھی اگر کوئی توہین کر گزرے، یا اور کچھ نہیں تو ان کے متعلق کوئی بُرا خیال ہی دل میں لے آئے تو وہ اس کا تختہ اُلٹ دیتے ہیں، یہ خیال زیادہ تر ''حضرتوں'' کا اپنا پھیلایا ہوا ہوتا ہے، اور نیک لوگ جو خود ایسی باتیں نہیں کرتے، اُن کے نام اور اُن کی ہڈیوں کو اپنے کاروبار کا سرمایہ بنانے کے لیے کچھ دوسرے ہوشیار لوگ ان کے متعلق اس خیال کو پھیلاتے ہیں۔ بہرحال عوام میں اسے روحانیت و خدا رسیدگی کا لازمہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کو قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کے اختیارات حاصل ہیں۔ [2]

❖

(یہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں) سورہ الانعام آیت ۱۷ میں فرمایا: وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۔ اگر اللہ تمھیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمھیں اس نقصان سے بچا سکے۔

کُفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخیاں کرتے ہو، اور ان کے خلاف زبان کھولتے ہو، تمھیں معلوم نہیں ہے کہ یہ کیسی زبردست با کرامت ہستیاں ہیں۔ ان کی توہین تو جس نے بھی کی وہ برباد ہو گیا۔ تم بھی اگر اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو یہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الجن، ص ۱۲۰، حاشیہ ۲۲

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، ص ۴۸۱، حاشیہ ۷

تمھارا تختہ الٹ دیں گے۔

ان احمقوں کو اپنے معبودوں کی طاقت وعزت کا تو بڑا خیال ہے، مگر انھیں اس بات کا خیال کبھی نہیں آتا کہ اللہ بھی کوئی زبردست ہستی ہے اور شرک کر کے اس کی جو توہین یہ کر رہے ہیں اُس کی بھی کوئی سزا انھیں مل سکتی ہے۔ [۱]

❖

خوشی اور غم دونوں کے اسباب اُسی کی طرف سے ہیں۔ اچھی اور بُری قسمت کا سررشتہ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو اگر راحت ومسرت نصیب ہوتی ہے تو اُسی کے دینے سے ہوتی ہے اور کسی کو مصائب وآلام سے سابقہ پیش آیا ہے تو اسی کی مشیت سے پیش آیا ہے۔ کوئی دوسری ہستی اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو قسمتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں کسی قسم کا دخل رکھتی ہو۔ [۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، ص ۳۷۴، حاشیہ ۵۵، ۵۶

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، النجم، ص ۲۲۰، حاشیہ ۴۰

۱۱۹۔ اَلنَّافِعُ

نفع پہنچانے والا

(نافع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) مَعبُودانِ غیر اللہ قطعاً نافع و ضار نہیں، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی نفع وضرر کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان سے دعائیں مانگ کر اور پھر ان کے آگے حاجت روائی کے لیے ہاتھ پھیلا کر وہ اپنا ایمان تو فوراً اور یقیناً کھو دیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ نفع اُسے حاصل ہو جس کی اُمید پر اس نے انھیں پکارا تھا تو حقیقت سے قطع نظر، ظاہر حال کے لحاظ سے بھی وہ خود مانے گا کہ اس کا حصول نہ تو یقینی ہے اور نہ قریب الوقوع۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کو مزید فتنے میں ڈالنے کے لیے کسی آستانے پر اس کی مراد بر لائے، اور ہو سکتا ہے کہ اُس آستانے پر وہ اپنا ایمان بھی بھینٹ چڑھا آئے اور اپنی مُراد بھی نہ پائے۔ [1]

❖

قیامت کے روز بھی کسی کی یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی شخص کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے سے بچا سکے۔ کوئی وہاں ایسا بااثر یا زور آور یا اللہ کا چہیتا نہ ہوگا کہ عدالتِ خداوندی میں اَڑ کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا عزیز یا متوسّل ہے، اسے تو بخشنا ہی ہوگا، خواہ یہ دنیا میں کیسے ہی بُرے افعال کر کے آیا ہو۔ [2]

❖

مشرکین کا بزرگ انسانوں یا فرشتوں یا دوسری ہستیوں کے متعلق یہ گمان کہ خدا کے ہاں ان کا بڑا زور چلتا ہے، جس بات پر اَڑ بیٹھیں، وہ منوا کر چھوڑتے ہیں، اور جو کام چاہیں خدا سے لے سکتے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، ص ۲۰۸، حاشیہ ۱۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، الانفطار، ص ۲۷۶، حاشیہ ۸

ہیں۔ محض باطل پر مبنی اور بے بنیاد ہے، وہاں کسی کا زور چلانا تو درکنار، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر اور کوئی مقرب ترین فرشتہ اُس پادشاہِ ارض وسما کے دربار میں بلا اجازت زبان تک کھولنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ [1]

❖

خدائی کے سارے اختیارات تنہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی دوسرا سرے سے یہ اختیار رکھتا ہی نہیں ہے کہ تمھاری اچھی یا بُری تقدیر بنا سکے۔ اچھا وقت آ سکتا ہے تو اُسی کے لائے آ سکتا ہے اور بُرا وقت ٹل سکتا ہے تو اُسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ کو خدائے واحد مانتا ہو اُس کے لیے اس کے سوا سرے سے کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا رکھے اور دنیا میں ایک مومن کی حیثیت سے اپنا فرض اس یقین کے ساتھ انجام دیتا چلا جائے کہ خیر بہرحال اُسی راہ میں ہے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اس راہ میں کامیابی نصیب ہوگی تو اللہ ہی کی مدد اور تائید و توفیق سے ہوگی، کوئی دوسری طاقت مدد کرنے والی نہیں ہے اور اس راہ میں اگر مشکلات و مصائب اور خطرات و مہالک سے سابقہ پیش آئے گا تو اُن سے بھی وہی بچائے گا، کوئی دوسرا بچانے والا نہیں ہے۔ [2]

❖

سورہ الفتح آیت ۱۱ میں ارشاد ہے: **قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا** ۔ ان سے کہنا: اچھا، یہی بات ہے تو کون تمھارے معاملے میں اللہ کے فیصلے کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے، اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۔ الآیہ۔ النحل آیت ۸۹ (اے محمدؐ، انھیں اُس دن سے خبردار کردو، جب کہ ہم ہر اُمت میں خود اسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اُس کے مقابلے میں شہادت دے گا، اور اِن لوگوں کے

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، البقرہ، ص ۱۹۴، حاشیہ ۲۸۱

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، ص ۵۴۳، حاشیہ ۲۸

مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم انھیں لائیں گے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵ میں ارشادِ ربانی ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لیے ایک) پیغام بر نہ بھیج دیں۔

اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدالت میں پیغمبر ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ پیغمبر اور اس کا لایا ہوا پیغام ہی بندوں پر خدا کی حجت ہے۔ یہ حجت قائم نہ ہو تو بندوں کو عذاب دینا خلافِ انصاف ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہ یہ عذر پیش کر سکیں گے کہ ہمیں آگاہ کیا ہی نہ گیا تھا، پھر اب ہم پر یہ گرفت کیسی۔ مگر جب یہ حجت قائم ہو جائے تو اس کے بعد انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اُن لوگوں کو سزا دی جائے جنھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغام سے منہ موڑا ہو، یا اسے پا کر پھر اس سے انحراف کیا ہو۔ بے وقوف لوگ اِس طرح کی آیات پڑھ کر اس سوال پر غور کرنے لگتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس کسی نبی کا پیغام نہیں پہنچا ان کی پوزیشن کیا ہوگی۔ حالانکہ ایک عقلمند آدمی کو غور اس بات پر کرنا چاہیے کہ تیرے پاس تو پیغام پہنچ چکا ہے۔ اب تیری اپنی پوزیشن کیا ہے۔ رہے دوسرے لوگ تو یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے پاس، کب، کس طرح اور کس حد تک اس کا پیغام پہنچا اور اس نے اس کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کیا اور کیوں کیا۔ عالم الغیب کے سوا کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ کس پر اللہ کی حجت پوری ہوئی ہے اور کس پر نہیں ہوئی۔ [1]

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۰۶، حاشیہ ۱۷

غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا

سورہ الانعام آیت ۷۳ میں ارشاد ہے: وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ اور جس روز صور پھونکا جائے گا اُس روز پادشاہی اُسی کی ہوگی، وہ غیب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۹۴ میں ارشادِ ربانی ہے: ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر تم اُس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کا جاننے والا ہے اور وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

سورۃ التوبہ آیت ۱۰۵ میں ہے: وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے۔

سورہ الرعد آیت ۹ میں ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا عالم ہے، وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔

سُورہ المومنون آیت ۹۲ میں ہے: عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے، وہ بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ تجویز کررہے ہیں۔

سُورہ السجدہ آیت ۶ میں ہے: ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۔ وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ زبردست اور رحیم۔

سُورہ سبا آیت ۳ میں ہے: قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ۔ کہو، قسم ہے میرے عالم الغیب پروردگار کی، وہ تم پر آکر رہے گی۔

سُورہ فاطر آیت ۳۸ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ - بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے، وہ تو سینوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

سورہ الزمر آیت ۴۶ میں ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ - کہو، خدایا! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، حاضر و غائب کے جاننے والے۔

سورۃ الحشر آیت ۲۲ میں ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ - کہو خدایا! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، حاضر و غائب کے جاننے والے۔

سورہ الجمعۃ آیت ۸ میں ہے: ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ - پھر تم اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر کا جاننے والا ہے۔

سورۃ التغابن آیت ۱۸ میں ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - حاضر اور غیب ہر چیز کو جانتا ہے، زبردست اور دانا ہے۔

سورہ الجن آیت ۲۶ میں ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا - وہ عالم الغیب ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

غیب کا پورا علم اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اور یہ مکمل علم غیب وہ کسی کو بھی نہیں دیتا۔[1]

جو کچھ مخلوقات سے پوشیدہ ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان پر ظاہر ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ اُس کے علم سے اس کائنات میں کوئی شے بھی پوشیدہ نہیں۔ ماضی میں جو کچھ گزر چکا ہے، حال میں جو کچھ موجود ہے، اور مستقبل میں جو کچھ ہوگا، ہر چیز اُس کو براہِ راست معلوم ہے۔ کسی ذریعۂ علم کا وہ محتاج نہیں ہے۔[2]

❖

اللہ (تعالیٰ) کو ہر ایک کے پچھلے کارناموں اور کرتوتوں کا بھی علم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اس کا موقف کیا ہے۔ نیک ہے تو کیسا نیک ہے اور مجرم ہے تو کس درجے کا مجرم ہے۔ معافی کے قابل ہے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الجن، ص ۱۲۱، حاشیہ ۲۶

[2] تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، ص ۴۱۲، حاشیہ ۳۴

یا نہیں۔ پوری سزا کا مستحق ہے یا تخفیف اور رعایت بھی اس کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیا اور صلحا کو سفارش کی کھلی چھٹی دے دی جائے، اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے ایک معمولی افسر اپنے ذرا سے محکمے میں اگر اپنے ہر دوست یا عزیز کی سفارش سننے لگے تو چار دن میں سارے محکمے کا ستیاناس کر کے رکھ دے گا۔ پھر بھلا زمین و آسمان کے فرمانروا سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے ہاں سفارشوں کا بازار گرم ہوگا، اور ہر بزرگ جا جا کر جس کو چاہیں گے بخشوا لائیں گے، درآنحالیکہ ان میں سے کسی بزرگ کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ جن لوگوں کی سفارش وہ کر رہے ہیں ان کے نامۂ اعمال کیسے ہیں، دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساسِ ذمہ داری رکھتا ہے اس کی روش یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصوروار ماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور، فرض ناشناس، رشوت خور اور خلقِ خدا کو تنگ کرنے والا ہے۔ میں اس کے کرتوتوں سے واقف ہوں، اس لیے آپ براہِ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ [1]

❖

آسمان و زمین میں جو بھی مخلوقات ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا جن یا انبیا اور اولیا یا دوسرے انسان اور غیر انسان، سب کا علم محدود ہے۔ سب سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ ہے۔ سب کچھ جاننے والا اگر کوئی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس سے اس کائنات کی کوئی چیز اور کوئی بات پوشیدہ نہیں، جو ماضی و حال اور مستقبل سب کو جانتا ہے۔

غیب کے معنی، مخفی، پوشیدہ اور مستور کے ہیں اصطلاحاً اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو، جس تک ذرائع معلومات کی رسائی نہ ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فرداً فرداً بعض انسانوں کے علم میں ہیں اور بعض کے علم میں نہیں ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری نوعِ انسانی کے علم میں نہ کبھی تھیں، نہ آج ہیں، نہ آیندہ کبھی آئیں گی۔ ایسا ہی معاملہ جنوں اور فرشتوں اور دوسری مخلوقات کا ہے کہ بعض چیزیں ان میں سے کسی سے مخفی اور کسی کو معلوم ہیں، اور بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو ان سب سے مخفی ہیں اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ یہ تمام اقسام کے غیب صرف ایک ذات پر روشن

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، ص ۱۲۷، حاشیہ ۸۶

ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز غیب نہیں، سب شہادت ہی شہادت ہے۔

اب یہ ہر صاحب عقل کا کام ہے کہ وہ اپنی جگہ اس امر پر غور کرے کہ فی الحقیقت کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا عالم الغیب ہو؟ یعنی تمام ان احوال اور اشیا اور حقائق کا جاننے والا ہو جو کائنات میں کبھی تھیں، یا اب ہیں، یا آیندہ ہوں گی۔ اور اگر کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا تو پھر کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ جو لوگ پوری طرح حقائق اور احوال سے واقف ہی نہیں ہیں ان میں سے کوئی بندوں کا فریادرس اور حاجت روا اور مشکل کشا ہو سکے؟

اُلوہیت اور علمِ غیب کے درمیان ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ قدیم ترین زمانے سے انسان نے جس ہستی میں خدائی کے کسی شائبے کا گمان کیا ہے اُس کے متعلق یہ خیال ضرور کیا ہے کہ اس پر سب کچھ روشن ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ گویا انسان کا ذہن اس حقیقت سے بالکل بدیہی طور پر آگاہ ہے کہ قسمتوں کا بنانا اور بگاڑنا، دعاؤں کا سننا، حاجتیں پوری کرنا اور ہر طالبِ امداد کی مدد کو پہنچنا صرف اُس ہستی کا کام ہو سکتا ہے جو سب کچھ جانتی ہو اور جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ ہو۔ اسی بنا پر تو انسان جس کو بھی خدائی اختیارات کا حامل سمجھتا ہے اُسے لازماً عالم الغیب بھی سمجھتا ہے، کیونکہ اس کی عقل بلا ریب شہادت دیتی ہے کہ علم اور اختیارات باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اب اگر یہ حقیقت ہے کہ خالق اور مدبر اور مجیب الدعوات اور رازق خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، تو آپ سے آپ یہ بھی حقیقت ہے کہ عالم الغیب بھی خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آخر کون اپنے ہوش و حواس میں یہ تصور کر سکتا ہے کہ کسی فرشتے یا جن یا نبی یا ولی کو، یا کسی مخلوق کو بھی یہ معلوم ہو گا کہ سمندر میں اور ہوا میں اور زمین کی تہوں میں اور سطح زمین کے اوپر کس کس قسم کے کتنے جانور کہاں کہاں ہیں؟ اور عالمِ بالا کے بے حد و حساب سیاروں کی ٹھیک تعداد کیا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک میں کس کس طرح کی مخلوقات موجود ہیں؟ اور ان مخلوقات کا ایک ایک فرد کہاں ہے اور کیا اس کی ضروریات ہیں؟ یہ سب کچھ اللہ کو تو لازماً معلوم ہونا چاہیے، کیونکہ اُس نے انھیں پیدا کیا ہے، اور اُسی کو ان کے معاملات کی تدبیر اور ان کے حالات کی نگہبانی کرنی ہے اور وہی ان کے رزق کا انتظام کرنے والا ہے۔ لیکن دوسرا کوئی اپنے محدود وجود میں وسیع و محیط علم رکھ کیسے سکتا ہے اور اس کا کیا تعلق اس کارِ خلاقی و رزاقی سے ہے کہ وہ ان چیزوں کو جانے؟

پھر یہ صفت قابلِ تجزیہ بھی نہیں ہے کہ کوئی بندہ مثلاً صرف زمین کی حد تک، اور زمین میں بھی صرف انسانوں کی حد تک عالم الغیب ہو۔ یہ اُسی طرح قابلِ تجزیہ نہیں ہے جس طرح خدا کی خلاقی و رزّاقی اور قیومی و پروردگاری قابلِ تجزیہ نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور قیامت تک پیدا ہوں گے، رحمِ مادر میں استقرار کے وقت سے آخری ساعتِ حیات تک ان سب کے تمام حالات و کیفیات کو جاننا آخر کس بندے کا کام ہوسکتا ہے؟ اور وہ کیسے اور کیوں اس کو جانے گا؟ کیا وہ اس بے حدوحساب خلقت کا خالق ہے؟ کیا اس نے ان کے باپوں کے نطفے میں ان کے جرثومے کو وجود بخشا تھا[1]؟ کیا اس نے ان میں سے ایک ایک شخص کی قسمت بنائی تھی؟ کیا وہ ان کی موت اور حیات، ان کی صحت اور مرض، ان کی خوشحالی اور بدحالی اور ان کے عروج اور زوال کے فیصلے کرنے کا ذمہ دار ہے؟ اور آخر یہ کام کب سے اس کے ذمے ہوا ہے؟ اس کی اپنی ولادت سے پہلے یا اس کے بعد؟ اور صرف انسانوں کی حد تک یہ ذمہ داریاں کیسے ہوسکتی ہیں؟ یہ کام تو لازماً زمین اور آسمانوں کے عالمگیر انتظام کا ایک جز ہے۔ جو ہستی ساری کائنات کی تدبیر کر رہی ہے وہی تو انسانوں کی پیدایش و موت اور ان کے رزق کی تنگی و کشادگی اور ان کی قسمتوں کے بناؤ اور بگاڑ کی ذمہ دار ہوسکتی ہے...... اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔[2]

❖

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے۔ اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کردے، لیکن علمِ غیب بحیثیت مجموعی کسی کو نصیب نہیں اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۔ اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں کوئی نہیں جانتا اُس کے سوا۔ (الانعام، آیت ۵۹) ۔اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔ اللہ ہی کے

---

[1] کیا اس نے ان کی ماؤں کے رحم میں ان کی صورت گری کی تھی؟ کیا اس نے ان کی زندہ ولادت کا انتظام کیا تھا؟

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل ص ۵۹۵ تا ۵۹۷، حاشیہ ۸۳

پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا) ہے۔ اور کوئی متنفس نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور کسی متنفس کو خبر نہیں ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آئے گی۔ (لقمان، آیت ۳۴) ۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی وہ احاطہ نہیں کر سکتے اِلّا یہ کہ وہ جس چیز کا چاہے انھیں علم دے۔ (البقرہ۔ آیت ۲۵۵)

قرآن مجید مخلوقات کے لیے علمِ غیب کی اس عام اور مطلق نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خاص طور پر انبیا علیہم السلام، اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس امر کی صاف صاف تصریح کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور اُن کو غیب کا صرف اتنا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے جو رسالت کی خدمت انجام دینے کے لیے درکار تھا، سُورۂ انعام آیت ۵۰، الاعراف، آیت ۱۸۷، التوبہ آیت ۱۰۱، ہُود آیت ۳۱، احزاب آیت ۶۳ اور الجن آیات ۲۶ تا ۲۸۔ اس معاملے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

اس کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع ما کان و ما یکون کا علم رکھتا ہے، قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔ شیخین، ترمذی، نسائی، امام احمد، ابنِ جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مَنْ زَعَمَ اَنَّهُ (اَيِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) يَعْلَمُ مَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ وَاللهُ يَقُوْلُ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللهُ ۔ یعنی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا، کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے اَے نبی تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔ ابن المنذر حضرت عبداللہ بن عباس کے مشہور شاگرد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اے محمدؐ، قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقے میں قحط برپا ہے، بارش کب ہوگی، اور میری بیوی حاملہ ہے، وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا ہے، کل میں کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے

کہ مَیں کہاں پیدا ہوا ہوں، مروں گا کہاں؟ اِن سوالات کے جواب میں سُورہ لقمان کی وہ آیت حضورؐ نے سنائی جو اوپر ہم نے نقل کی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔ پھر بخاری و مسلم اور دوسری کتبِ حدیث کی وہ مشہور روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جس میں ذکر ہے کہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبریلؑ نے انسانی شکل میں آ کر حضورؐ سے جو سوالات کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ ما المسئول عنها باعلم من السائل (جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا۔)[1]

❖

دوسرے جو بھی ہیں ان کے لیے ایک چیز ظاہر ہے تو بے شمار چیزیں ان سے پوشیدہ ہیں۔ فرشتے ہوں، یا جن، یا نبی اور ولی اور برگزیدہ انسان، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو سب کچھ جاننے والا ہو۔ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے۔ جو کچھ گزر چکا ہے، جو کچھ موجود ہے اور جو کچھ آنے والا ہے، سب اس پر روشن ہے۔[2]

❖

ہر شخص مانتا ہے کہ کوئی دنیوی طاقت بھی عالم الغیب والشهادة نہیں ہے۔ بہت سے جرائم اس کی نگاہ سے بچ کر کیسے جا سکتے ہیں۔ اور ہر دنیوی طاقت کی گرفت سے بچنے کی بے شمار تدبیریں ممکن ہیں۔ پھر کسی دنیوی طاقت کے قوانین بھی تمام برائیوں کا احاطہ نہیں کرتے۔ بیشتر برائیاں ایسی ہیں جن پر دنیوی قوانین کوئی گرفت سرے سے کرتے ہی نہیں، حالانکہ وہ ان برائیوں سے قبیح تر ہیں جن پر وہ گرفت کرتے ہیں۔ اس لیے دینِ حق نے اخلاق کی پُوری عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی ہے کہ اُس اَن دیکھے خدا سے ڈر کر برائی سے اجتناب کیا جائے جو ہر حال میں انسان کو دیکھ رہا ہے، جس کی گرفت سے انسان بچ کر کہیں نہیں جا سکتا، جس نے خیر و شر کا ایک ہمہ گیر، عالمگیر اور مستقل معیار انسان کو دیا ہے۔ اُسی کے ڈر سے بدی کو چھوڑنا اور نیکی کو اختیار کرنا وہ اصل بھلائی ہے جو دین کی نگاہ میں قابلِ قدر ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، ص ۵۹۷ تا ۵۹۸، حاشیہ ۸۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، ص ۳۹، حاشیہ ۱۰

اس کے سوا کسی دوسری وجہ سے اگر کوئی [illegible] ظاہری شکل کے اعتبار سے جو افعال نیکی میں شمار ہوتے ہیں ان کو اختیار کرتا ہے تو آخرت میں اس کے یہ اخلاق کسی قدر اور وزن کے مستحق نہ ہوں گے، کیونکہ ان کی مثال اُس عمارت کی سی ہے جو ریت پر تعمیر ہوئی ہے۔ [1]

❖

جن معاملات سے انسان کی قریب ترین دلچسپیاں وابستہ ہیں، انسان ان کے متعلق بھی کوئی علم نہیں رکھتا۔ پھر بھلا یہ جاننا اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ ساری دنیا کے انجام کا وقت کب آئے گا۔ تمھاری خوشحالی و بدحالی کا بڑا انحصار بارش پر ہے، مگر اس کا سررشتہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب، جہاں، جتنی چاہتا ہے برساتا ہے اور جب چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں، کس وقت کتنی بارش ہوگی اور کون سی زمین اس سے محروم رہ جائے گی، یا کس زمین پر بارش الٹی نقصان دہ ہو جائے گی۔ تمھاری اپنی بیویوں کے پیٹ میں تمھارے اپنے نطفے سے حمل قرار پاتا ہے جس سے تمھاری نسل کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ کیا چیز اس پیٹ میں پرورش پا رہی ہے اور کس شکل میں کن بھلائیوں یا بُرائیوں کو لیے ہوئے وہ برآمد ہوگی۔ تم کو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کل تمھارے ساتھ کیا کچھ پیش آنا ہے۔ ایک اچانک حادثہ تمھاری تقدیر بدل سکتا ہے، مگر ایک منٹ پہلے بھی تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تمھاری اس زندگی کا خاتمہ آخر کار کہاں کس طرح ہوگا۔ یہ ساری معلومات اللہ نے اپنے پاس رکھی ہیں اور ان میں سے کسی کا علم بھی تم کو نہیں دیا۔ ان میں سے ایک ایک چیز ایسی ہے جسے تم چاہتے ہو کہ پہلے سے تمھیں اس کا علم ہو جائے تو کچھ اس کے لیے پیش بندی کر سکو۔ لیکن تمھارے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ ان معاملات میں اللہ ہی کی تدبیر اور اسی کی قضا پر بھروسہ کرو۔ اسی طرح دنیا کے اختتام کی ساعت کے معاملے میں بھی اللہ کے فیصلے پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ اس کا علم بھی نہ کسی کو دیا گیا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے۔ غیب نام ہی اس چیز کا ہے جو مخلوقات سے پوشیدہ ہو اور صرف اللہ پر روشن ہو، اور فی الحقیقت اس غیب کی کوئی حد نہیں ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، ص ۴۶ ۔ ۴۷، حاشیہ ۱۸

[2] تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، ص ۲۸، ۲۹، حاشیہ ۶۳

۱۲۱۔ اَلْبَاقِی

باقی رہنے والی ذات

سُورۃ الرحمن آیت ۲۶، ۲۷ میں ارشاد ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

لافانی اور لازوال تو صرف اُس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ اب اگر تم میں سے کوئی شخص ''ہم چو من دیگرے نیست'' کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ محض اس کی کم ظرفی ہے، اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، یا چند بندے جو اُس کے ہتھے چڑھیں، اُن کا خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک مٹر کے دانے برابر بھی نہیں ہے، اس کے ایک کونے میں دس بیس یا پچاس ساٹھ برس جو خدائی اور کبریائی چلے اور پھر قصۂ ماضی بن کر رہ جائے، وہ آخر کیا خدائی اور کیا کبریائی ہے جس پر کوئی پھولے۔

اللہ جل شانہٗ کے سوا دوسری جن ہستیوں کو بھی تم معبود و مشکل کشا اور حاجت روا بناتے ہو، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیا و اولیا، یا چاند اور سورج یا اور کسی قسم کی مخلوق، ان میں سے کوئی تمھاری کسی حاجت کو پورا نہیں کرسکتا۔ وہ بے چارے تو خود اپنی حاجات و ضروریات کے لیے اللہ کے محتاج ہیں، ان کے ہاتھ تو خود اُس کے آگے پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ خود اپنی مشکل کشائی بھی اپنے بل بوتے پر نہیں کر سکتے تو تمھاری مشکل کشائی کیا کریں گے۔ زمین سے آسمانوں تک اس ناپیدا کنار کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، تنہا ایک خدا کے حکم سے ہو رہا ہے۔ کارفرمائی میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے کہ وہ کسی معاملے میں کسی بندے کی

قسمت پر اثر انداز ہو سکے۔[۱]

اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ آیت ۷۳ میں فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۔ اس کائنات میں ایک خدا کے سوا کوئی غیر فانی اور لازوال نہیں ہے۔ اور چھوٹے سے بڑے تک کوئی موجود ایسا نہیں ہے جو اپنے وجود میں اور ضروریاتِ وجود کے لیے خدا کا محتاج نہ ہو۔[۲]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، ص ۲۶۰، ۲۶۱، حاشیہ ۲۵

[۲] تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، ص ۲۴۷، ب، موضوع اور مضمون

۱۲۲۔ اَلرَّشِیْدُ

راہِ راست دکھانے والا

دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہے کہ اس کو کھانے پینے پہننے اور زندگی بسر کرنے کا سامان بہم پہنچے اور آفات، مصائب اور نقصانات سے وہ محفوظ رہے۔ بلکہ اُس کی ایک ضرورت اور درحقیقت سب سے بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو اور وہ جانے کہ اپنی ذات کے ساتھ، اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ، اُس سروسامان کے ساتھ جو روئے زمین پر اُس کے تصرف میں ہے، اُن بے شمار انسانوں کے ساتھ جن سے مختلف حیثیتوں میں اس کو سابقہ پیش آتا ہے، اور مجموعی طور پر اس نظامِ کائنات کے ساتھ جس کے ماتحت رہ کر ہی بہرحال اس کو کام کرنا ہے، وہ کیا اور کس طرح معاملہ کرے جس سے اس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہو کر تباہی و بربادی پر منتج نہ ہوں۔

یہ انسان کی ضرورت ہے کہ کوئی ایسا رہنما ہو جو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اُصول بتائے اور جس کے دیے ہوئے قوانینِ حیات کی پیروی پُورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ کی جا سکے۔ اس ضرورت کو پُورا کرنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔ صرف وہی ہے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، ص ۲۸۳، حاشیہ ۴۳

١٢٣۔ اَلصَّبُوْرُ

بہت صبر کرنے والا۔ صبر دینے والا

۱۲۴۔ اَلْبَاعِثُ

بھیجنے والا۔ اُٹھانے والا

سورہ بقرہ آیت ۲۱۳ میں ارشادِ ربانی ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ الآیہ۔ ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے۔

ایک مدت تک نسلِ آدم راہِ راست پر قائم رہی اور ایک اُمت بنی رہی۔ پھر لوگوں نے نئے نئے راستے اور مختلف طریقے ایجاد کر لیے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی، بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہش مند تھے۔ اسی خرابی کو دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث کرنا شروع کیا۔ یہ انبیا اس لیے نہیں بھیجے گئے تھے کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئے مذہب کی بنا ڈالے اور اپنی ایک نئی اُمت بنالے۔ بلکہ ان کے بھیجے جانے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی ہوئی راہِ حق کو واضح کر کے اُنھیں پھر سے ایک اُمت بنادیں۔[1]

❖

سورۂ آلِ عمران آیت ۱۶۴ میں ارشادِ ربانی ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، بقرہ، ص ۱۶۲، ۱۶۳، حاشیہ ۲۳۰

بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات چار مقامات پر بیان کی گئی ہیں، اور ہر جگہ ان کے بیان کی غرض مختلف ہے۔ البقرہ آیت ۱۲۹ میں ان کا ذکر اہلِ عرب کو یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جسے وہ اپنے لیے زحمت و مصیبت سمجھ رہے تھے، درحقیقت ایک بڑی نعمت ہے جس کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اپنی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ البقرہ آیت ۱۵۱ میں انھیں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر پہچانیں اور اُس نعمت سے پُورا پُورا فیض حاصل کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہے۔ آلِ عمران آیت ۱۶۴ میں منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لیے ان کا اعادہ کیا گیا ہے کہ وہ کتنا بڑا احسان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے درمیان اپنا رسول بھیج کر کیا ہے اور یہ لوگ کتنے نادان ہیں کہ اس کی قدر نہیں کرتے۔ اب چوتھی مرتبہ انھیں اس سورہ (سُورہ جمعہ) میں دہرایا گیا ہے جس سے مقصود یہودیوں کو یہ بتانا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری آنکھوں کے سامنے جو کام کر رہے ہیں وہ صریحاً ایک رسُول کا کام ہے، وہ اللہ کی آیات سنا رہے ہیں جن کی زبان، مضامین، اندازِ بیان، ہر چیز اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ فی الواقع وہ اللہ ہی کی آیات ہیں۔ وہ لوگوں کی زندگیاں سنوار رہے ہیں، اُن کے اخلاق اور عادات اور معاملات کو ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کر رہے ہیں، اور ان کو اعلیٰ درجے کے اخلاقی فضائل سے آراستہ کر رہے ہیں۔ یہ وہی کام ہے جو اس سے پہلے تمام انبیا کرتے رہے ہیں۔ پھر وہ صرف آیات ہی سنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اپنے قول اور عمل سے اور اپنی زندگی کے نمونے سے لوگوں کو کتابِ الٰہی کا منشا سمجھا رہے ہیں اور ان کو اس حکمت و دانائی کی تعلیم دے رہے ہیں جو انبیا کے سوا آج تک کسی نے نہیں دی ہے۔ یہی سیرت اور کردار اور کام ہی تو انبیا کا وہ نمایاں وصف ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ پھر یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ جس کا رسول ہونا اُس کے کارناموں سے علانیہ ثابت ہو رہا ہے اس کو ماننے

سے تم نے صرف اس لیے انکار کر دیا کہ اللہ نے اسے تمھاری قوم کے بجائے اُس قوم میں سے اٹھایا جسے تم اُمی کہتے ہو۔[1]

❖

جہاں تک قوموں کا تعلق ہے اُن کے اٹھنے اور گرنے کے لیے اللہ کے ہاں مدت کا تعین اُن کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کرے تو اس کی مہلتِ عمل گھٹا دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے بُرے اوصاف کو اچھے اوصاف سے بدل لے تو اس کی مہلت عمل بڑھا دی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ قیامت تک بھی دراز ہو سکتی ہے۔[2]

❖

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا الآیہ۔ (انھیں کچھ ہوش بھی ہے کہ اُس روز کیا بنے گی) جبکہ ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ (النحل ۸۴)

اُس اُمت کا نبی، یا کوئی ایسا شخص جس نے نبی کے گزر جانے کے بعد اُس اُمت کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی ہو، شرک اور مشرکانہ اوہام و رسوم پر متنبہ کیا ہو، اور روزِ قیامت کی جواب دہی سے خبردار کر دیا ہو۔ وہ اس امر کی شہادت دے گا کہ میں نے پیغامِ حق ان لوگوں کو پہنچا دیا تھا، اس لیے جو کچھ انھوں نے کیا وہ ناواقفیت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ جانتے بُوجھتے کیا۔[3]

❖

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ... شَهِيدًا (النحل:۸۹)

اے محمدؐ! انھیں اس دن سے خبردار کر دو۔ جب کہ ہم ہر اُمت میں خود اسی کے اندر سے ایک گواہ

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، ص ۴۸۷، حاشیہ ۳

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، ص ۵۷۶، حاشیہ ۱۸

[3] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۶۲، حاشیہ ۸۰

اُٹھا کھڑا کریں گے جو اس کے مقابلے میں شہادت دے گا اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم تمھیں لائیں گے۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۵ میں ارشادِ ربّانی ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لیے) ایک پیغامبر نہ بھیج دیں۔

اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدالت میں پیغمبر ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ پیغمبر اور اس کا لایا ہوا پیغام ہی بندوں پر خدا کی حجت ہے۔ یہ حجت قائم نہ ہو تو بندوں کو عذاب دینا خلافِ انصاف ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ یہ عُذر پیش کر سکیں گے کہ ہمیں آگاہ کیا ہی نہ گیا تھا پھر اب ہم پر یہ گرفت کیسی؟ مگر جب یہ حجت قائم ہو جائے تو اس کے بعد انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کو سزا دی جائے جنھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغام سے منہ موڑا ہو، یا اسے پا کر پھر اس سے انحراف کیا ہو۔ بے وقوف لوگ اس طرح کی آیات پڑھ کر اس سوال پر غور کرنے لگتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس کسی نبی کا پیغام نہیں پہنچا ان کی پوزیشن کیا ہوگی حالانکہ ایک عقلمند آدمی کو غور اس بات پر کرنا چاہیے کہ تیرے پاس تو پیغام پہنچ چکا ہے اب تیری پوزیشن کیا ہے۔ رہے دوسرے لوگ، تو یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے پاس کب، کس طرح اور کس حد تک اس کا پیغام پہنچا اور اس نے اس کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کیا اور کیوں کیا۔ عالم الغیب کے سوا کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ کس پر اللہ کی حُجت پوری ہوئی ہے اور کس پر نہیں ہوئی۔ [1]

سورۃ النحل آیت ۳۸ میں ارشاد ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا۔...... اٹھائے گا کیوں نہیں، یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پُورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

دُنیا میں جب سے انسان پیدا ہوا ہے، حقیقت کے بارے میں بے شمار اختلافات رونما ہوئے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، ص ۶۰۵، ۶۰۶، حاشیہ ۱۷

ہیں۔ انھی اختلافات کی بنا پر نسلوں اور قوموں اور خاندانوں میں پھوٹ پڑی ہے۔ انھی کی بنا پر مختلف نظریات رکھنے والوں نے اپنے الگ مذہب، الگ معاشرے، الگ تمدن بنائے یا اختیار کیے ہیں۔ ایک ایک نظریے کی حمایت اور وکالت میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے مختلف زمانوں میں جان، مال، آبرو، ہر چیز کی بازی لگا دی ہے اور بے شمار مواقع پر ان مختلف نظریات کے حامیوں میں ایسی سخت کشاکش ہوئی ہے کہ ایک نے دوسرے کو بالکل مٹا دینے کی کوشش کی ہے، اور مٹنے والے نے مٹتے مٹتے بھی اپنا نقطۂ نظر نہیں چھوڑا ہے۔ عقل چاہتی ہے کہ ایسے اہم اور سنجیدہ اختلافات کے متعلق کبھی تو صحیح اور یقینی طور پر معلوم ہو کہ فی الواقع ان کے اندر حق کیا تھا اور باطل کیا، راستی پر کون تھا اور ناراستی پر کون۔ اس دنیا میں تو کوئی امکان اس پردے کے اُٹھنے کا نظر نہیں آتا۔ اس دنیا کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس میں حقیقت پر سے پردہ اٹھ نہیں سکتا۔ لہٰذا لامحالہ عقل کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرا ہی عالم درکار ہے۔

اور یہ صرف عقل کا تقاضا ہی نہیں ہے بلکہ اخلاق کا تقاضا بھی ہے۔ کیونکہ اختلافات اور ان کشمکشوں میں بہت سے فریقوں نے حصہ لیا ہے۔ کسی نے ظلم کیا ہے اور کسی نے سہا ہے۔ کسی نے قربانیاں کی ہیں اور کسی نے ان قربانیوں کو وصول کیا ہے۔ ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک اخلاقی رویہ اختیار کیا ہے اور اس سے اربوں اور کھربوں انسانوں کی زندگیاں بُرے یا بھلے طور پر متاثر ہوئی ہیں۔ آخر کوئی وقت تو ہونا چاہیے جبکہ ان سب کا اخلاقی نتیجہ صلے یا سزا کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس دنیا کا نظام اگر صحیح اور مکمل اخلاقی نتائج کے ظہور کا متحمل نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہیے جہاں یہ نتائج ظاہر ہو سکیں۔ [1]

❖

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور تمام اگلے پچھلے انسانوں کو بیک وقت جلا اٹھانا کوئی بڑا ہی مشکل کام ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کسی ارادے کو پُورا کرنے کے لیے کسی سروسامان، کسی سبب اور وسیلے، اور کسی سازگاریِ احوال کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۴۱، ۵۴۲، حاشیہ ۳۵

ہر ارادہ محض اس کے حکم سے پورا ہوتا ہے۔ اس کا حکم ہی سر و سامان وجود میں لاتا ہے۔ اس کے حکم ہی سے اسباب و وسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کا حکم ہی اس کی مُراد کے عین مطابق احوال تیار کرتا ہے۔ اس وقت جو دنیا موجود ہے یہ بھی مجرّد حکم سے وجود میں آئی ہے، اور دوسری دُنیا بھی، آناً فاناً صرف ایک حکم سے ظہور میں آ سکتی ہے۔ [1]

❖

سُورہ الحج آیت ۷ میں ارشاد ربانی ہے: وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۔ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اور اللہ ضرور اُن لوگوں کو اُٹھائے گا جو قبروں میں جا چکے ہیں۔

اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ لوگوں کو تو یہ سن کر اچنبھا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مُردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مُردے جلا رہا ہے۔ جن مادوں سے آپ کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ پرورش پاتا ہے اُن کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے۔ کوئلہ، لوہا، چونا، کچھ ہوائیں اور کچھ نمکیات، اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفسِ انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر انھی مردہ بے جان مادّوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے۔ پھر ان ہی مادوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں سے مردوں میں وہ تخم اور عورتوں میں وہ بیضی خلیے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جاگتے انسان روز بن بن کر نکل رہے ہیں۔ اس کے بعد ذرا اپنے گردوپیش کی زمین پر نظر ڈالیے، بے شمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوندِ خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی نباتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گردوپیش کی سُوکھی زمین ان لاکھوں مُردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جونہی کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑا، ہر طرف زندگی لہلہانے لگی۔ ہر مُردہ جڑ اپنی قبر سے جی اُٹھی، اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیائے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۴۲، حاشیہ ۳۶

اموات کا عمل ہر برسات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔[1]

❖

سورہ الانعام آیت ۳۶ میں ارشاد ہے: وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ رہے مُردے، تو انھیں اللہ بس قبروں ہی سے اٹھا لے گا۔

سُورہ المجادلہ آیت ۶ میں ارشاد ہے: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا۔ جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اُٹھائے گا اور انھیں بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔

سُورۃ التغابن آیت ۷ میں ارشاد ہے: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ۔ منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ ان سے کہو: نہیں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر ضرور تمھیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا۔

سُورہ القصص آیت ۵۹ میں ارشاد ہے: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا الآیہ۔ اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔

پہلے جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے لوگ ظالم ہو چکے تھے مگر خدا نے ان کو تباہ کرنے سے پہلے اپنے رسول بھیج کر انھیں متنبہ کیا، اور جب ان کی تنبیہ پر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہ آئے تو انھیں ہلاک کر دیا۔ یہی معاملہ اب تمھیں درپیش ہے۔ تم بھی ظالم ہو چکے ہو، اور ایک رسول تمھیں بھی متنبہ کرنے کے لیے آگیا ہے۔ اب تم جو کفر و انکار کی روش اختیار کر کے اپنے عیش اور اپنی خوشحالی کو بچاؤ گے نہیں بلکہ اُلٹا خطرے میں ڈالو گے۔[2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، الحج، ص ۲۰۴، ۲۰۵، حاشیہ ۹

[2] تفہیم القرآن، ج ۳، القصص، ص ۶۵۴، حاشیہ ۸۳

۱۲۵۔ اَلرَّبُّ [1]

پروردگار۔ آقا۔ مالک۔ حاکم

سورہ فاتحہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۲۱ میں ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ الآیہ۔ لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمھارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔

سورۂ انعام آیت ۷۱ میں ارشاد ہے: قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کہو حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالک کائنات کے آگے سرِ اطاعت خم کر دو۔

سورۂ انعام آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہے: قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔

سورۂ رعد آیت ۱۶ میں ہے: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ ۔ان سے پوچھو، آسمان و زمین کا رب کون ہے؟

سورۂ انبیاء آیت ۲۲ میں ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ پس پاک ہے اللہ ربُّ العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔

---

[1] رب کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں بولا جاتا ہے (۱) مالک اور آقا (۲) مربی، پرورش کرنے والا، خبر گیری اور نگہبانی کرنے والا۔ (۳) فرمانروا، حاکم، مدبر اور منتظم۔ اللہ تعالیٰ ان سب معنوں میں کائنات کا رب ہے۔

(تفہیم القرآن، ج اول، ص ۴۴۔ الفاتحہ حاشیہ ۳)

سورہ المومنون آیت ۱۱۶ میں ہے: فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۔ پس بالا و برتر ہے اللہ، پادشاہِ حقیقی، کوئی خدا اُس کے سوا نہیں، مالک ہے عرشِ بزرگ کا۔

اس لفظ کا مادہ ر ب ب ہے جس کا ابتدائی واساسی مفہوم پرورش ہے پھر اسی سے تصرف، خبر گیری، اصلاح حال اور اتمام و تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہوئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا۔ مثلاً ربیب اور ربیبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں، نیز اس بچے کو جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے، پالنے والی دائی کو بھی رَبیبہ کہتے ہیں۔ رابّہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کی پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے راب سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مُربّب یا مُربّیٰ ایسی دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر کے رکھی جائے۔ رَبَّ يَرُبُّ رَبًّا کے معنی اضافہ کرنے، بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں جیسے رَبَّ النّعمة یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

(۲) بیٹھنا، جمع کرنا، فراہم کرنا، مثلاً کہیں گے فُلَانٌ يَرُبُّ النَّاسَ یعنی فُلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مرب کہیں گے۔ سمٹنے اور فراہم ہو جانے کو مُربَّب کہیں گے۔

(۳) خبر گیری کرنا، اصلاحِ حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا مثلاً رَبَّ ضَيْعَتَهٗ کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ ابو سفیان نے صفوان سے کہا تھا: لَاَنْ يَّرُبَّنِىْ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ اَنْ يَّرُبَّنِىْ رَجُلٌ مِّنْ هَوَازِنَ ۔ یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت (سرپرستی) میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے...... فلان یرب صنعتهٗ عند فلانٍ کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشے کا کام کرتا ہے یا اس سے کاریگری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

(۴) فوقیت بالادستی، سرداری، حکم چلانا، تصرف کرنا۔ مثلاً قَدْ رَبَّ فُلَانٌ قَوْمَهٗ، یعنی فلاں

شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کرلیا۔ رَبَبْتُ الْقَوْمَ یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالادست ہوگیا۔

(۵) مالک ہونا۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: أَرَبَّ غَنَمٍ اَمْ رَبَّ اِبِلٍ ؟ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹوں کا؟ اسی معنی میں گھر کے مالک کو رَبُّ الدَّار، اونٹنی کے مالک کو ربُّ الناقه، جائداد کے مالک کو ربُّ الضیعه کہتے ہیں، آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد، یعنی غلام کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ هُوَ اِنْشَاءُ الشَّیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ، یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایۂ کمال کو پہنچانا، حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے اس کی پوری وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسبِ ذیل مفہومات پر حاوی ہے:

(۱) پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور نشوونما دینے والا۔

(۲) کفیل، خبر گیراں، دیکھ بھال اور اصلاحِ حال کا ذمہ دار۔

(۳) وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس میں متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

(۴) سیّد مُطاع، سردارِ ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے، جس کو تصرُّف کے اختیارات ہوں۔

(۵) مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ رب کے استعمالات

قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آیا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد اور کہیں پانچوں معنی۔ اس بات کو ہم آیاتِ قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (یوسف: ۲۳) اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم وبیش شامل ہے:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء ۷۷۔۸۰)

تمھارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں بجز ربّ کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ (النحل: ۵۳۔۵۴)

تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے، اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے، پھر جب تم پر کوئی مُصیبت آتی ہے تو اُسی کی طرف تم گھبرا کر رجوع کرتے ہو، مگر جب وہ تم پر سے مُصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ (اس نعمت کی بخشش اور مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھیرانے لگتے ہیں۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام۔ ۱۶۴)

کہو، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں۔ حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے۔

رَّبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (المزمل:۹)

وہ مغرب و مشرق کا رب ہے جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ لہٰذا اسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار) بنالے۔

تیسرے معنی:

هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (ہود: ۳۴)

وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا کر لے جائے جاؤ گے۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ (الزمر:۷)

پھر تمھارے رب کی طرف تمھاری واپسی ہے۔

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا (سبا:۲۶)

کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ (الانعام:۳۸)

زمین میں چلنے والا کوئی جاندار اور ہوا میں اُڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح ایک اُمّت نہ ہو۔ اور ہم نے اپنے دفتر میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ (یٰسٓ۔۵۱)

اور جونہی کہ صور پھونکا جائے گا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے رب کی طرف نکل پڑیں گے۔

چوتھے معنی میں جس کے ساتھ کم وبیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ:۳۱)

انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا۔

وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران۔۶۴)

اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا رہنما و پیشوا مان لیا ہو۔ جن کے امر و نہی، ضابطہ و قانون اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی سند کے تسلیم کیا جاتا ہو جنھیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

اَمَّآ اَحَدُ كُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ...... وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ (یوسف۔ ۴۲)

یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا...... اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا خیال تھا کہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلاوے میں ڈال دیا اور اس کو اپنے رب سے یوسفؑ کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔

جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ (یوسف:۵۰)

جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعونِ مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ اور اس کو امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے، تو وہی ان کا رب تھا۔ برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رب اللہ کو قرار دیتے ہیں، کیونکہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدرِ اعلیٰ اور صاحبِ امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی میں:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش:۳۔۴)

لہٰذا انھیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انھیں بدامنی سے محفوظ رکھا ہے۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ (الصافات:۱۸۰)

تیرا رب جو عزت واقتدار کا مالک ہے ان تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ (انبیاء:۲۲)

اللہ جو عرش کا مالک ہے ان تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ (المومنون:۸۶)

پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ بزرگ کا مالک کون ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ (الصافات:۵)

وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں اور سب چیزوں کا جن پر سُورج طلوع ہوتا ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعۡرٰى (النجم:۴۹)

اور یہ کہ شِعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔

قدیم ترین زمانے سے لے کر زمانۂ نزولِ قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بدراہ ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گمراہی اور مشترک گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے ربُوبیت کے ان پانچ مفہومات کو جو ہم ابتدا میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں، دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

رب کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوق کی پرورش، خبر گیری، حاجت روائی اور نگہبانی کا کفیل ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا۔ اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگر چہ ربِ اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو، جنوں اور غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور سیاروں کو، انبیا اور اولیا اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھیراتے تھے۔

اور رب کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک، ہدایت و رہنمائی کا منبع، قانون کا ماخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، ان کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کے بجائے صرف انسانوں ہی کو رب مانتے تھے، یا نظری طور پر اللہ کو رب ماننے کے باوجود عملاً انسانوں کی اخلاقی و تمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے سرِ اطاعت خم کیے رہتے تھے۔

ان تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہٗ ہے۔ ربوبیت نا قابلِ تقسیم ہے، اس کا کوئی جز و کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جس کو ایک ہی خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس پر ایک ہی خدا فرمانروائی کر رہا ہے، جس کے سارے اختیارات و اقتدارات کا مالک ایک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کوئی شریک ہے اور اس کی فرمانروائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہی اکیلا خدا تمھارا فوق الفطری رب بھی ہے اور اخلاقی و تمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمھارا معبود ہے، وہی تمھارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے۔ وہی تمھاری دعاؤں کا ملجا و ماویٰ ہے، وہی تمھارے توکّل و اعتماد کا سہارا ہے، وہی تمھاری ضرورتوں کا کفیل ہے۔

اور اسی طرح وہی پادشاہ، وہی مالک الملک، وہی شارع و قانون ساز اور وہی امر و نہی کا مختار بھی ہے۔ ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں، جن کو جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ کیا ہے، حقیقت میں خدائی کا لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہیں۔ انھیں نہ ایک دوسرے سے منفک کیا جاسکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھیرانا درست ہے۔

ان آیات[1] کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن رُبوبیت کو بالکل حاکمیت اور سُلطانی (Sovereignty) کا ہم معنیٰ قرار دیتا ہے اور ''رب'' کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سُلطانِ مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمام جہان کا پروردگار، مُربّی اور حاجت روا ہے۔ اسی حیثیت سے وہ ہمارا کفیل، خبر گیراں، مختارِ کار اور معتمد علیہ ہے۔ اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے، اور اس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک اُمت کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش کا مستحق ہے۔ اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرمانروا ہے۔

اہلِ عرب اور دنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانے میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو انھوں نے پانچ مختلف النوع ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے قیاس و گمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم کی ربوبیتیں مختلف ہستیوں سے متعلق ہو سکتی ہیں اور متعلق ہیں۔ لیکن قرآن اپنے طاقتور استدلال سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس بات کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ جس کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت کا کوئی کام کسی دوسری ہستی سے کسی درجے میں بھی متعلق ہو۔ اس نظام کی مرکزیت خود گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اسی ایک خدا کے لیے مختص ہے، جو اس نظام کو وجود میں لایا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جز کسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے وہ دراصل حقیقت سے لڑتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور امرِ واقعی کے خلاف کام کر کے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔[2]

---

[1] اس دعوت کو قرآن جس طریقے سے پیش کرتا ہے اسے معلوم کرنے کے لیے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں کے صفحات ۱۱۵ تا ۱۲۳ دیکھ لیے جائیں۔ (از مرتب)

[2] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۴۶ تا ۴۹

[انسان] کو پیدا کرنے کے ساتھ اس کی رہنمائی، پرورش، نگہداشت، حفاظت اور حاجت روائی کا ذمہ بھی خود ہی لے لیا ہے۔ جس لمحے انسان دنیا میں قدم رکھتا ہے اسی وقت ایک طرف اس کی ماں کے سینے میں دُودھ پیدا ہو جاتا ہے تو دوسری طرف کوئی ان دیکھی طاقت اسے دُودھ چوسنے اور حلق سے اتارنے کا طریقہ سکھا دیتی ہے پھر اس تربیت و رہنمائی کا سلسلہ اول روزِ پیدایش سے شروع ہو کر موت کی آخری ساعت تک جاری رہتا ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں انسان کو اپنے وجود اور نشوونما اور بقاو ارتقا کے لیے جس جس نوعیت کے سروسامان کی حاجت پیش آتی ہے وہ سب اس کے پیدا کرنے والے نے زمین سے لے کر آسمان تک مہیا کر دیا ہے۔ اس سروسامان سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے کے لیے جن جن طاقتوں اور قابلیتوں کی اس کو حاجت پیش آتی ہے وہ سب بھی اس کی ذات میں ودیعت کر دی ہیں۔ اور ہر شعبۂ حیات میں جس جس طرح کی رہنمائی اس کو درکار ہوتی ہے اس کا بھی پُورا انتظام اُس نے کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے انسانی وجود کی حفاظت کے لیے اور اس کو آفات سے، بیماریوں سے، مہلک جراثیم سے، اور زہریلے اثرات سے بچانے کے لیے خود اس کے جسم میں اتنے زبردست انتظامات کیے ہیں کہ انسان کا علم ابھی تک ان کا پورا احاطہ بھی نہیں کر سکا ہے۔ اگر یہ قدرتی انتظامات موجود نہ ہوتے تو ایک معمولی کانٹا چبھ جانا بھی انسان کے لیے مہلک ثابت ہوتا اور اپنے علاج کے لیے آدمی کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکتی۔ خالق کی یہ ہمہ گیر رحمت و ربوبیت جب ہر آن ہر پہلو سے انسان کی دست گیری کر رہی ہے تو اس سے بڑی حماقت و جہالت اور کیا ہو سکتی ہے، اور اس سے بڑھ کر احسان فراموشی بھی اور کون سی ہو سکتی ہے کہ انسان اس کو چھوڑ کر کسی دوسری ہستی کے آگے سرِ نیاز جھکائے اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لیے کسی اور کا دامن تھامے۔ [1]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، ص ۵۰۳، حاشیہ ۵۸

۱۲۶۔ اَلمَنَّانُ

بہت احسان کرنے والا۔ بہت نوازنے والا

سورہ ابراہیمؑ آیت ۱۱ میں فرمایا: قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ الخ ۔اُن کے رسُولوں نے ان سے کہا: واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان ۔لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

(اللہ کے رسولوں نے اپنے اوپر اس کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا) بلاشبہ ہم ہیں تو انسان ہی، مگر اللہ نے تمھارے درمیان ہم کو ہی علم حق اور بصیرتِ کاملہ عطا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس میں ہمارے بس کی کوئی بات نہیں ۔ یہ تو اللہ کے اختیارات کا معاملہ ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو جو کچھ چاہے دے۔ ہم نہ یہ کر سکتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس آیا ہے وہ تمھارے پاس بھجوادیں اور نہ یہی کر سکتے ہیں کہ جو حقیقتیں ہم پر منکشف ہوئی ہیں ان سے آنکھیں بند کرلیں۔ [1]

❖

سورہ النساء آیت ۹۴ میں فرمایا: كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا الخ۔ آخر اسی حالت میں تم خود بھی تو اس سے پہلے مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو۔

(صحابہ کرام کی جانب رُوئے سخن فرمایا) کہ ایک وقت تم پر بھی ایسا گزر چکا ہے کہ انفرادی طور پر مختلف کافر قبیلوں میں منتشر تھے، اپنے اسلام کو ظلم وستم کے خوف سے چھپانے پر مجبور تھے، اور تمھارے پاس ایمان کے زبانی اقرار کے سوا اپنے ایمان کا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ اب یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تم کو اجتماعی زندگی عطا کی اور تم اس قابل ہوئے کہ کفار کے مقابلے میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اٹھے

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، ص ۴۷۷، حاشیہ ۲۱

ہو۔[1]

(حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے رُوبرو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر مندرجۂ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِیْ٘ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ۔ الخ

اُس نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔

صحرائی گلہ بانوں کے خاندان کا ایک فرد جس کو خود اس کے بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کر دینا چاہا تھا، زندگی کے نشیب وفراز دیکھتا ہوا بالآخر دنیوی عروج کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس کے قحط زدہ اہلِ خاندان اب اس کے دست نگر ہو کر اس کے حضور آئے ہیں اور وہ حاسد بھائی بھی، جو اس کو مار ڈالنا چاہتے تھے، اس کے تختِ شاہی کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں۔ یہ موقع دنیا کے عام دستور کے مطابق فخر جتانے، ڈینگیں مارنے، گلے اور شکوے کرنے اور طعن و ملامت کے تیر برسانے کا تھا، مگر ایک سچا خدا پرست انسان اس موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے اس عروج پر فخر کرنے کے بجائے اس کے احسان کا اعتراف کرتا ہے جس نے اسے یہ مرتبہ عطا کیا۔[2]

سُورہ الحجرات آیت ۱۷ میں ارشاد ہے: یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو۔

جو لوگ دل کی تصدیق کے بغیر محض زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور پھر ایسا رویہ اختیار

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، النساء، ص ۳۸۵، حاشیہ ۱۲۷

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، یوسف، ص ۴۳۳، حاشیہ ۷۱

کرتے ہیں کہ گویا اسلام قبول کر کے انھوں نے کوئی احسان کیا ہے، دنیا میں تو ان کا شمار مسلمانوں میں کیا جا سکتا ہے، مگر اللہ کے ہاں وہ مومن قرار نہیں پا سکتے۔ (حالانکہ) اللہ تعالیٰ کا یہ ان پر احسان ہے کہ اس نے انھیں ایمان کی ہدایت دی۔ [1]

❖

سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ میں ارشادِ ربانی ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

❖

جس انسان کا بال بال اللہ کے احسانات میں بندھا ہوا ہے وہ اپنے محسن کی نعمتوں کا جواب کیسی کیسی نمک حرامیوں، بے وفائیوں، غداریوں، اور سرکشیوں سے دے رہا ہے، اور پھر اس کا محسن کیسا رحیم اور حلیم ہے کہ ان ساری حرکتوں کے باوجود سالہا سال ایک نمک حرام شخص کو اور صدہا برس ایک باغی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ یہاں وہ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو علانیہ خالق کی ہستی ہی کے منکر ہیں اور پھر بھی نعمتوں سے مالا مال ہوتے جارہے ہیں۔ وہ بھی پائے جاتے ہیں جو خالق کی ذات، صفات، اختیارات، حقوق، سب میں غیر خالق ہستیوں کو اس کا شریک ٹھیرا رہے ہیں، اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ غیر منعموں کو ادا کر رہے ہیں، پھر بھی نعمت دینے والا ہاتھ نعمت دینے سے نہیں رُکتا۔ وہ بھی ہیں جو خالق کو خالق اور منعم ماننے کے باوجود اس کے مقابلے میں سرکشی و نافرمانی ہی کو اپنا شیوہ اور اس کی اطاعت سے آزادی ہی کو اپنا مسلک بنائے رکھتے ہیں، پھر بھی مدت العمر اس کے بے حد و حساب احسانات کا سلسلہ اُن پر جاری رہتا ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات، ص ۲۶، حاشیہ دیباچہ

[2] تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، ص ۵۴۲، حاشیہ ۱۷

۱۲۷۔ اَلْحَكَمُ

فیصلہ کرنے والا

سورہ الانعام آیت ۱۱۴ میں ارشاد ہے: اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمھاری طرف کتاب نازل کردی ہے؟

اس قرآنی ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنی کتاب میں صاف صاف تمام حقیقتیں بیان کردی ہیں اور یہ بھی فیصلہ کردیا ہے کہ فوق الفطرت مداخلت کے بغیر حق پرستوں کو فطری طریقوں ہی سے غلبۂ حق کی جدوجہد کرنی ہوگی، تو کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور ایسا صاحبِ امر تلاش کروں جو اللہ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کرے اور ایسا کوئی معجزہ بھیجے جس سے یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہوجائیں؟[1]

سورۃ النساء آیت ۳۵ میں بھی حَكَم بمعنی فیصلہ کرنے والا بیان ہوا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔

اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے جس کی کوئی اپیل نہیں اور جو فیصلہ [وہ] کرتا ہے خالص علم اور کامل انصاف کے ساتھ کرتا ہے۔

(ضمائر کے قدرے ردوبدل کے ساتھ)
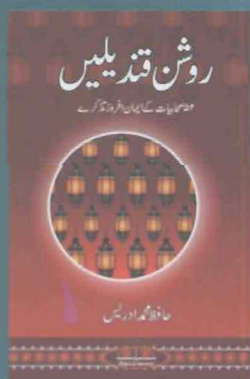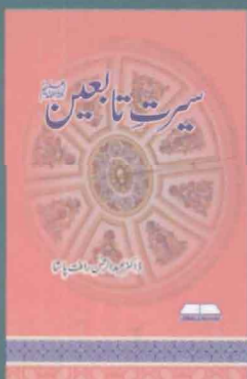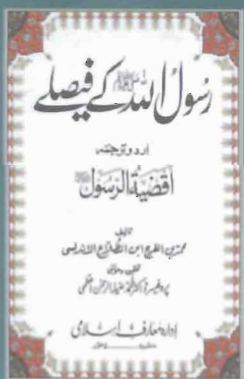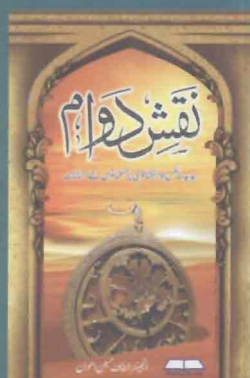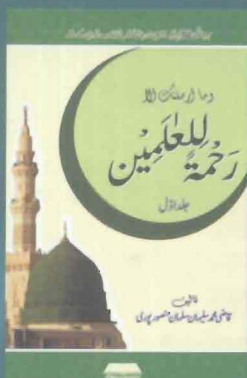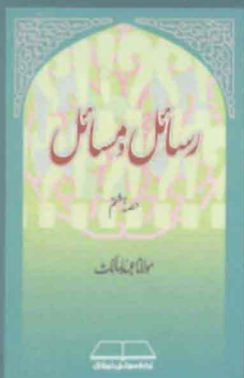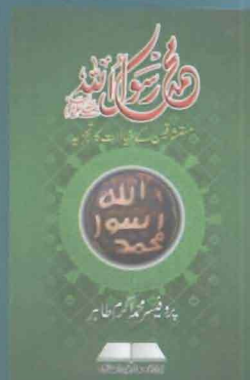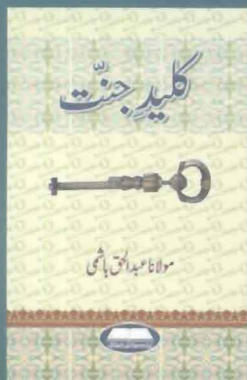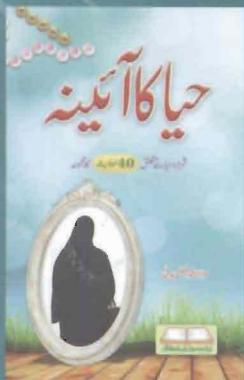
❖

---

[1] تفہیم القرآن، ج اول، الانعام، ص ۵۷۵، حاشیہ ۸۱

ادارہ معارف اسلامی

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور فون: 35252419 ,4-35419520-42-92+ فیکس: 92-42-35432194+

website: www.imislami.org.pk, E-maaail: imislami1979@gmail.com